بہار میں
اُردو زبان و ادب کا ارتقا

بہت احسر اورینوی

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com
Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

بہار میں

اُردو زبان و ادب کا ارتقا

۱۸۵۷ء تک

از: اختر اورینوی

ترقی اردو بیورو نئی دہلی

Marfat.com

Marfat.com

BIHAR MEN URDU ZABAN-O-ADAB KA IRTIQA

BY

AKHTAR URAINVE

130128

سنہ اشاعت جنوری، مارچ-1989 شک 1911

© ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

پہلا اڈیشن : 3000

قیمت : 18/-

سلسلۂ مطبوعات ترقی اردو بیورو 610

ناشر : ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو، ویسٹ بلاک 8 آر کے پورم نئی دہلی-110066

طابع : سپر پرنٹرز، ساؤتھ انارکلی، دہلی 110051

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

ہندوستان میں اردو زبان وادب کی ترقی وترویج کے لیے ترقی اردو بیورو (بورڈ) قائم کیا گیا۔ اردو کے لیے کام کرنے والا یہ ملک کا سب سے بڑا ادارہ ہے جو دو دہائیوں سے مسلسل مختلف جہات میں اپنے خاص خاص منصوبوں کے ذریعہ سرگرم عمل ہے۔ اس ادارہ سے مختلف جدید اور مشرقی علوم پر مشتمل کتابیں خاصی تعداد میں سماجی ترقی، معاشی حصول، عصری تعلیمی اور معاشرہ کی دوسری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے شائع کی گئی ہیں جن میں اردو کے کئی ادبی شاہکار، بنیادی متن، قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی وضاحتی فہرستیں، تکنیکی اور سائنسی علوم کی کتابیں، بچوں کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت، زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شامل ہیں۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مختصر عرصہ میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ترقی اردو بیورو نے اپنے منصوبوں میں کتابوں کی اشاعت کو خاص اہمیت دی ہے۔ کیوں کہ کتابیں علم کا سرچشمہ رہی ہیں اور بغیر علم کے انسانی تہذیب کے ارتقا کی تاریخ مکمل نہیں تصور کی جاتی۔ جدید معاشرے میں کتابوں کی اہمیت مُسلّم ہے۔ بیورو کے اشاعتی منصوبہ میں اردو انسائیکلو پیڈیا، ذولسانی اور اردو۔ اردو لغات بھی شامل ہیں۔

ہمارے قارئین کا خیال ہے کہ بیورو کی کتابوں کا معیار اعلا پائے کا ہوتا ہے اور وہ ان کی ضرورتوں کو کامیابی کے ساتھ پورا کر رہی ہیں۔ قارئین کی سہولتوں کا مزید خیال کرتے ہوئے کتابوں کی قیمت بہت کم رکھی جاتی ہے تاکہ کتاب زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچے اور وہ اس بیش بہا علمی خزانہ سے زیادہ سے زیادہ مستفید اور مستفیض ہو سکیں۔

یہ کتاب بھی بیورو کے اشاعتی پروگرام کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے کہ آپ کے علمی ادبی ذوق کے تسکین کا باعث بنے گی اور آپ کی ضرورت کو پورا کرے گی۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم
ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو

Marfat.com

Marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	مقدّمہ	66 – 11
1	فلسفۂ زبان و اقوام	
2	اُردو زبان کے آغاز کا پسِ منظر....	
3	اُردو زبان کا ارتقا....	
	باب اوّل، بہار میں اُردو زبان	138-67
4	تمہید....	
5	عہدِ عالمگیر میں لسانی یکسانی....	
6	کھڑی بولی ریختہ....	
7	قدیم اُردو اور صوفیائے کرام....	
8	انگریزی دَور میں اُردو زبان....	
	باب دوم، بہار میں اُردو ادب	247-139
9	تمہید....	
10	بہار میں اُردو شاعری....	
11	مرزا عبدالقادر بیدلؔ....	
12	سیّد عمادالدین عمادؔ پھلواروی....	
13	مُلّا محمد علیم تحقیق عظیم آبادی...	
14	قاضی عبدالغفار غفاؔ....	
15	غلام نقشبند سجادؔ....	

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
16	حضرت بی بی ولیہ	
17	لالہ اُجاگر چند اُلفت	
18	مہاراجہ رام نرائن موزوں	
19	شاہ آیت اللہ جوہری و مذاقی	
20	نُور محمد دلدار	
21	میر وارث علی نالاں	
22	غلام جیلانی محزوں	
23	شیخ غلام یحییٰ حضور	
24	ہیبت قلی خاں حسرت	
25	شاہ کمال علی کمال	
26	شیخ محمد عابد دل	
27	شیخ محمد روشن جوشش	
28	میر محمد رضا، رضا	
29	مفتی غلام مخدوم ثروت	
30	خواجہ امین الدین امین	
31	شاہ نور الحق طپاں پھلواروی	
32	غلام علی راسخ	
33	شاہ امان علی ترقی	
34	شاہ ظہور الحق پھلواروی	
35	شاہ ابوالحسن فرد	
36	قادر علی فگار عظیم آبادی	
	بہار کے تذکرہ نگار شعراء	254-249

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
37	غلام حسین شورش	
38	نواب علی ابراہیم خاں خلیل	
39	وجیہہ الدین عشقی	
	شعرائے شاہجہاں آباد جو عظیم آباد میں آباد ہوئے	259-255
40	میر محمد باقر حزیں	
41	اشرف علی خاں فغاں	
42	میر ضیاالدین ضیا	
43	شاہ رکن الدین عشق	
44	مرزا محمد علی فدوی	
45	مہاراجہ کلیان سنگھ عاشق	
	بہار میں اردو نثر نگاری	378-271
46	حضرت عماد الدین قلندر پھلواری	
47	حضرت ظہور الحق ظہور	
48	حضرت محمد تقی بلخی فردوسی	
49	حضرت سید شاہ عطا حسین منعمی گیاوی	
50	سید محمد اسحاق عرف پیر دمڑیا	
51	عالم علی عظیم آبادی	
52	مولوی شجاع الدین علی	
53	مولوی محمد عالم علی	
54	حیدری	
55	مولانا محمد احسن گیلانی	
56	مولانا ولایت علی زبیری صادق پوری ...	

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
57	مولانا عنایت علی زبیری صادق پوری . . .	
58	مولانا فیاض علی	
	بہار میں اُردو ادب کے عام میلانات	321-323
59	کتابیات . . .	335-333
60	اِشاریہ	337_347

Marfat.com

مُقدّمہ

فلسفۂ زبان واقوام

" اصل وطن مادری زبان کی حدود میں ہوتا ہے " " زبان سے زیادہ کوئی چیز قومی سیرت اور قوم کی ذہنی وروحانی طاقت کی مظہر نہیں ہوتی " مغرب ومشرق کے علمار نے اِس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ زبان انفرادی ایجاد کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ سماجی تغیرات لسانی ارتقار کا باعث ہوتے ہیں۔ زبان کی فطری نشو ونما کے ساتھ ساتھ سماجی قماش کے مطابق بھی اس کی تشکیل وتعمیر ہوتی ہے۔ یوں تو مندرجۂ بالا خیالات نہایت دلکش معلوم ہوتے ہیں اور ان سے قومی پندار وعصبیت کی تسکین بھی ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طرز کے خیالات محض من مانی باتوں کی بنیاد پر قائم ہیں۔ دنیا کی موجودہ زبانوں میں ایک بھی تو ایسی نہیں جو اکیلی ایک قوم کی آغوش میں پلی ہو۔

زبان کی پیدائش کے متعلق مختلف نظریے پیش کیے جاتے ہیں زبان کیا

Marfat.com

ہے ؛ زبان خیالات کا ذریعۂ اظہار ہے۔ ڈاکٹر محی الدّین قادری زورؔ اِس کی مزید تفصیل یوں کرتے ہیں :

"پس[1] زبان کی واضح تعریف ان الفاظ میں کی جاسکتی ہے کہ زبانِ اِنسانی خیالات اور احساسات کی پیدا کی ہوئی ان تمام عضوی اور جسمانی حرکتوں اور اشاروں کا نام ہے جن میں زیادہ تر قوتِ گویائی شامل ہے۔ اور جن کو ایک دوسرا انسان سمجھ سکتا ہے اور جس وقت چاہے اپنے ارادہ سے دُہرا سکتا ہے۔"

سید احتشام حسین "ہندوستانی لسانیات کا خاکہ" از جان بیمز کا ترجمہ پیش کرتے ہوئے مقدّمے میں تحریر فرماتے ہیں :

"یہ بتانا[2] تو بہت مشکل ہے کہ زبان کسے کہتے ہیں۔ لیکن سمجھنے کے لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ زبان آوازوں کے ایک ایسے مجموعے کا نام ہے جسے انسان اپنا خیال دوسروں پر ظاہر کرنے کے لیے ارادتاً نکالتا ہے اور ان آوازوں کے معنی معیّن کر لیے گئے ہیں تاکہ کہنے اور سُننے والے کے یہاں تقریباً ایک ہی جذبہ پیدا ہو۔ الفاظ اِن ذہنی تصویروں کی مَلفوظی علامتیں ہیں جنھیں ہم دوسروں کے ذہن تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اِسی طرح زبان ایک بڑا پیچیدہ موضوع بن جاتی ہے کیونکہ کہنے والا ایک میکانکی اور جسمانی ذریعہ سے سُننے والے دماغ میں ایک نفسیاتی کیفیت بیدار کرتا ہے اور زبان، تالو، حلق، دانت، ہونٹ اور پھیپھڑے کے مرکّب اور پیچ در پیچ عمل سے دماغ کے وہ حصّے تقریباً یکساں طور پر اثر پذیر ہوتے ہیں۔ جن میں خیال پیدا ہوتے ہیں۔ اور جو آوازوں سے بنی ہوئی ملفوظی تصویروں کے معنی جانتے ہیں۔"

زبان کی تعریف معلوم کر لینے کے بعد زبان کی پیدائش کے متعلق دو نظریوں سے واقفیت ضروری ہے۔ ایک نظریہ ہے کہ زبان۔

---

[1] ہندوستانی لسانیات صفحہ ۲۶ [2] ہندوستانی لسانیات کا خاکہ صفحہ ۲۲

بہاگا پیدا کی گئی ہے اُردو میں اس خیال کی ترجمانی احمد دین نے اپنی کتاب "سرگزشت الفاظ" میں کی ہے۔ اس نظریہ کی دوسری شکل یہ ہے کہ زبان براہ راست ودیعتِ فطرت ہے جس میں ارادہ کو کوئی دخل نہیں۔ دوسرا نظریہ جو وہبی نظریہ کے مخالف ہے اس امر کو پیش کرتا ہے کہ زبان کی پیدائش ارتقائی طور پر ہوئی ہے اور زبان انسانوں ہی نے پیدا کی۔ "اِس کی سماجی ضروریات نے اُسے اظہارِ خیال پر مجبور کیا اور اس کی ترقی یافتہ جسمانی اور دماغی ساخت نے اُسے اظہارِ خیال کے وہ ذرائع دیے جن تک جانوروں کی رسائی نہ تھی۔" غرض یہ کہ اِس نظریہ کے مطابق زبان کی پیدائش کا مسئلہ ارتقائی اور ارادی ہے۔ مابعد الطبیعیاتی نہیں۔ یہ کسبی نظریہ ہمیں بتاتا ہے کہ بچّہ ماں کے پیٹ سے زبان سیکھ کر پیدا نہیں ہوتا بلکہ اپنے ماحول سے زبان سیکھتا ہے۔ اسی طرح ابتدائی انسانوں نے زبان سیکھی ہوگی۔ لیکن چونکہ نمونہ موجود نہ ہوگا، زبان کے ارتقاء میں صدیاں لگ گئی ہوں گی۔

اگر سنجیدہ طور پر مذکورہ بالا مخالف نظریوں کے درمیان محاکمہ کیا جائے تو حقیقت تک رسائی ہوسکتی ہے۔ بائبل کے [illegible] پیدائش سے متاثر ہوکر عیسائی علمائے کلیسا نے خلقِ عالم و آدم کے بارے میں جو نظریہ قائم کیا ہے وہی آغازِ زبان کے الہامی نظریہ کی تہہ میں ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ و حوّاؑ کو مٹی سے پیدا کرنے کے بعد اُنھیں الہاماً زبان سکھا دی اور وہ گفتگو کرنے لگے۔ ویدوں میں بھی سنسار اور مانو کے رچے جانے کا نقشہ کچھ اسی طرز سے پیش ہوا ہے اور برہمن پنڈتوں کا لسانی نظریہ بھی یہی بتاتا ہے کہ ویدوں کی زبان دیوبھاشا ہے جو آکاش وانی کے ذریعہ ویدرشیوں کو سکھائی گئی اور قوموں کے اکثر علمائے دین بھی اسرائیلیات یا ہندو صنمیات سے متاثر ہوکر پیدائشِ عالم کا صحیح تصوّر قائم نہ کرسکے۔ دوسری طرف جدید مادّی فلسفوں نے کائنات کے مرکز، اس کی روحِ اعلیٰ، اس کے مبدا اور خالق سے مُنہ موڑا اور ارتقائے تمدّن کی ہر شئے کو محض انسانی ارادہ سے وابستہ کردیا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خود اِس عظیم مادّی کائنات

عہ "ہندوستانی لسانیات کا خاکہ" از احتشام حسین ص ۲

Marfat.com

کا ارتقار کس کے اِرادے سے ہوا ؟ حیات کس کے ارادے سے پیدا ہوئی ؟ انسان کس کے ارادے سے وجود میں آیا ؟ مادئیین کے لیے خدا کا ابدی وازلی، قدیر وحکیم ماننا تو دوبھر ہوا۔ لیکن، آخرش، وہ مادّہ کو ہی ازلی وابدی، فعّال، صاحبِ اِرادہ قادرِ مطلق اور حکیم وبصیر ماننے پر مجبور ہوئے۔ یہ سب کچھ ہوا، مگر سائنس نے اپنے بنائے ہوئے بُت خود توڑنے شروع کردیے۔ بیسویں صدی عیسوی کی سائنس نے حرفِ آغاز کے لیے مادّے کی بجائے قوّت (ENERGY) کا سراغ لگایا۔ جینز جینز، آئنسٹائن اور دوسرے ماہرین طبعیات کے نزدیک پہلے قوّت وتوانائیِ مُنزّہ ہے، بعد میں مادّہ کا وجود ہوتا ہے۔ مادّہ کو اب وہ اولیّت واہمیت حاصل نہیں رہی۔ مادّہ فنا بھی کیا جاسکتا ہے۔ جوہری توانائی کے راز دریافت ہوجانے کے بعد نُورالانوار کیطرف سائنس کی تشنہ نگاہیں بھی اُٹھنے لگی ہیں۔

بہرکیف جیسے علمائے مذاہب کے ایک بڑے گروہ نے پیدائشِ عالم وآدم کے بارے میں صحیح تصوّر قائم نہیں کیا، اسی طرح سائنس دانوں کی ایک جماعت بھی گمراہ رہی۔ لیکن حقیقت آشنائی سے دین و دانش دونوں کُلّی طور پر محروم نہیں۔ سائنس لغزش وافتاد کے بعد حق وصداقت کی منزل کی طرف قدم بڑھا رہی ہے اور مذاہب کے راز ہائے سربستہ بھی اب کھُلتے جارہے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ پیدائشِ زبان کی اصلیّت وہبی بھی ہے اور کسبی بھی۔ الہامی بھی اور ارتقائی بھی۔ جیسے خود آدمؑ کا وجود اور اس کی ساری تمدّنی ترقیاں۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ وہ دمادم صَدائے کُن فیکون سُنتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ "کُن" کہتا ہے اور اس کی مشیّت اور قدرت تدریجی طور پر "فیکون" کے تحت ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ ایک اور صاحب تجربہ بزرگ یوں فرماتے ہیں :

"غرض[2] اس آیت کا صرف یہ مطلب ہے کہ جب ہم چاہتے ہیں کہ کوئی

---

[1] یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون۔ بال جبریل ص۴۴

[2] اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ سورہ نحل ع ۵ کی تفسیر از حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد تفسیر کبیر جلد ۳ ص۶۶۵

Marfat.com

امر ہو جائے۔ تو ہم اِس قسم کی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں اور جس طرح ہم ارادہ کرتے ہیں، اسی طرح واقع ہو جاتا ہے۔"

دوسرے[1] مقام پر آپ تحریر کرتے ہیں:

"یُدَبِّرُ الْاَمْرَ کہہ کر یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالےٰ کی نسبت جو کُن فیکون کے الفاظ آتے ہیں، یعنی وہ کہتا ہے "ہو جا" پس ہو جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ اپنے حکموں کو فوراً پورا کرواتا ہے، وقت کی حَدبندی نہیں کرتا۔ بلکہ اِس کے احکام بھی تدبیر پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یعنی باریک اور مخفی تدابیر سے کام لے کر وہ نتائج پیدا کرتا ہے۔ اور تدبیر کے معنی ہی یہ ہیں کہ اسباب میں ایسا تغیّر کیا جائے کہ طبعی نتائج منشا کے مطابق پَیدا ہو جائیں۔"

مندرجہ بالا گذارشات کے پیش نظر یہ کہنا صحیح ہو گا کہ "انسان[2] میں زبان سے کام لینے کی استعداد اس کی خاص فطرت کی طرح یقیناً ایک ودیعت الٰہی ہے۔ مگر زبان اس حد تک انسان کی اپنی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ وہ اس خُدا دادقابلیت کو اپنی فطرت اور عضوی خصوصیات کی مدد سے ظاہر کرتا ہے۔ زبانوں کی تشکیل اور ارتقا براہ راست انسانی خیالات کی تشکیل اور ارتقا پر منحصر ہے۔" عجیب بات ہے کہ مادّی نظریہ کے علمبردار احتشام حسین بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ زبان کی پیدائش میں "ابتداءً[3] قصد اور ارادے کو بہت زیادہ دخل نہیں تھا۔"

آغاز کلام میں یہ بات پیش کی جا چکی ہے کہ دنیا کی موجودہ زبانوں میں کوئی ایسی زبان نہیں جس کی پیدائش کسی ایک نسلِ انسانی کے بطن سے ہوئی ہو، یا دن کسی ایک قوم

---

[1] تفسیر کبیر ص۱۹۳ زیر آیت اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ

[2] ہندوستانی لسانیات، از محی الدین زور ص۱۲

[3] ہندوستانی لسانیات، احتشام حسین ص۲۱

Marfat.com

کی گود میں پلی ہو۔ گو اس کا قوی امکان پایا جاتا ہے کہ ماضی بعید میں خالص بولیاں گوشہ گیر انسانی ٹولیوں اور دُور اُفتادہ قبیلوں میں رائج رہی ہوں۔ لیکن وہ دَور کب کا بیت چکا اور اب اس کی دُھندلی سی جھلک بھی تاریخ کی قدامت کے پردوں کے پیچھے ملنی مشکل ہے قدیم ترین انسانی بولیاں آوازوں کے تعین کی ابتدائی صورتیں ہوں گی۔ اُن آوازوں میں نہ تو کثرت و وُسعت پیدا ہوئی ہوگی اور نہ ترکیبی کیفیت۔ رفتہ رفتہ صدیوں میں زبان کا ارتقا ہوا ہوگا۔ اِبتدائی انسانوں کی زندگی کے تجربات خود اَنے گِنے تھے۔ تجربات میں ترقی ہوتی گئی انسان اور فطرت کے درمیان نئے رشتے قائم ہوتے رہے۔ انسان فطرت کو اپنے قابو میں لانے کی کوشش کرتا رہا۔ یہی انسانوں اور جانوروں کے درمیان نمایاں فرق تھا۔ انسان کو تدریجی طور پر اشیاء کا علم حاصل ہوا اور اِس علم میں نیز اشیاء کے درمیان روابط و تعلقات کی واقفیت میں اضافے ہوتے رہے۔ انسان نے اشیاء، اعمال خاصیتوں اور کیفیتوں کو نام دے کر اپنے علم کو مُستقل، مفید اور دوسروں تک منتقل ہونے والا بنانا چاہا۔ اِس طرح زبان کے فطری نشوونما کے ساتھ ساتھ انسان کی ضرورتوں اور اس کے خیالات نے بیان و زبان کی تہذیبی تشکیل کی۔

کسی زبان کے خالص یا مخصوص طور پر قومی ہونے کا تصوّر ہی تہہ دار فریبوں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ زبان کی انفرادیت تو اُسی وقت گُم ہو جاتی ہے جب ایک انسانی ٹولی دوسری ٹولی سے ملتی ہے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے رَسم و راہ قائم کرتا ہے اور ایک نسل کے لوگ دوسری نسل کے لوگوں سے ملنے جُلنے لگتے ہیں۔ یہ تعلقات نوعِ انسانی کے آغاز سے ہی پیدا ہونے لگتے ہیں۔ ایک بولی دوسری بولی سے اثر پذیر ہوتی ہے۔ ایک تہذیب دوسری تہذیب سے اثر قبول کرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی زبان بھی صرف ایک قوم کے گہوارۂ تمدّن میں پرورش نہیں پاتی بلکہ کئی قومیں مل کر اُس کی پرداخت کرتی ہیں۔ ہر زبان ایک زندہ تنظیم اُسی وقت تک رہتی ہے جب تک اس کے اندر تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہے۔ نئے تجربات، نئی چیزیں، جدید خیالات و تصوّرات، خواہ وہ سماجی ہوں یا سیاسی، یا اقتصادی و مذہبی، نئے اسلوبِ اظہار اور نئے لفظوں کی پیدائش کا سبب بنتے ہیں۔ زبان کے نئے عناصر کا بیشتر حصّہ اُس کے صَوتی سانچے میں ایسا ڈھل جاتا ہے کہ اُن عناصر کی اصل تک پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔ ہر زبان میں ایسے لفظوں کی بکثرت

Marfat.com

مثالیں مل جاتی ہیں۔

انسان کی سماجی زندگی میں جب کوئی نئی جلوہ گری ہوتی ہے تو ایسی نئی لفظی قماشیں اور ہیئتیں بنتی ہیں جو پہلی نسلوں کے لیے ناقابلِ فہم تھیں کیونکہ اُن پیڑھیوں کی سماجی اور ذہنی بُنیادیں نئے لسانی ڈھانچوں کے مناسبِ حال ہی نہ تھیں۔ لہٰذا نئی ضروری تبدیلیوں کی عمارت کو پرانی نیو پر اٹھانا غلط اور بے اثر طریقہ ہے۔

مختلف راستوں سے تبدیلیاں آتی ہیں، طرح طرح سے زبان ترقی کرتی رہی ہے اور ایک عرصہ کے بعد زبانیں اِس طور سے بدل جاتی ہیں کہ قدیم وجدید کے درمیان بہت کم مشابہت رہ جاتی ہے۔ اِن کمزور مشابہتوں کو صرف علمائے انکشاف وتحقیقات ہی پہچان سکتے ہیں، اور بس۔ زبان کا آغاز وارتقا کبھی بھی قومی اصولوں یا تمناؤں کے مُطابق نہیں ہوتا۔

ہر تحریری زبان کا آغاز کسی بولی (DIALECT) سے ہوا ہے۔ ابتدائی بولیاں خود ایک دوسرے پر اثر ڈالتی رہتی ہیں اور ان میں سے کوئی بولی جو مقابلتاً کسی ترقی یافتہ علاقے سے تعلق رکھتی ہیں، آگے بڑھ جاتی ہے اور زبان بننے کی طرف قدم بڑھاتی ہے۔ اس نُمو کے دَور میں وہ دوسری بولیوں سے لفظ اور ترکیبیں حاصل کرکے اپنے حلقۂ اثر کو بڑھاتی چلی جاتی ہے۔ جیسے جیسے وہ تحریری اور ادبی زبان بنتی جاتی ہے اس کا اختلاف بول چال کی زبان سے نمایاں ہوتا جاتا ہے۔ مگر ابھی تک کوئی ایسا ماہرِ لسانیات پیدا نہیں ہوا جو بولی اور زبان کے درمیان واضح اور مستقل خطِ فاصل کھینچ سکے۔

پھر یہ ترقی کرنے اور پھیلنے والی بولی (DIALECT) زبان (LANGUAGE) بننے کے پہلے اور بعد دوسری زبانوں سے سَرمایۂ الفاظ وترکیب حاصل کرتی ہے۔ اس کی لُغت اور قواعد سے بھی اثر قبول کرتی اور اپنا دامن بھرتی ہے۔ زبان ہر دَور اور ہر ملک میں نئی نئی چال چلتی اور پُرپیچ راہیں بدلتی ہے۔ لسانیات کے طالب العلم کے سامنے عجیب عجیب لسانی گتھیاں آتی رہتی ہیں۔ بعض تو اَب تک عقدۂ لاینحل بنی ہوئی ہیں۔

نوعِ بشر ایک مخصوص نوع ہے جو کامل طور پر ناطق ہے۔ جدید نسلیات اور عمرانیات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ نوعِ انسان کی مختلف ٹولیوں نے سماجی اور تہذیبی ترقیاں بڑے مشابہ رنگ میں کی ہیں۔ اُن میں بڑی یگانگت پائی جاتی ہے۔ نئے انکشافات پُرانے سے

پُرانے انسانی کلچروں کو ہمارے سامنے لا رہے ہیں۔ نیا کلچر پُرانے کلچر سے فیضیاب ہوتا ہے اور عموماً ہر کلچر ایک آمیزہ یا مرکب ہوتا ہے، جو کئی کلچروں سے مل کر بنتا ہے خالص کلچر کا اِس بھری دُنیا میں کوئی وجود نہیں۔ تمام انسانوں کا جوہر اور ان کی عالمگیر خصوصیات بنیادی طور پر ایک ہیں۔ نوعِ بشر کا رُوحانی اور ذہنی عِطر بھی ایک رنگ میں کشید ہوتا ہے اور اِن عطروں میں بڑی مشابہت و مماثلت پائی جاتی ہے۔

دُنیا کی مختلف قوموں اور نسلوں میں ایک ہی فطرت انسانی کام کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اقوام و مِلَل کی انفرادی خصوصیتوں کے باوجود اُن کی انسانی قدرِ مشترک ایک ہے، ایک تھی اور قرینہ غالب ہے کہ ایک رہے گی۔ دراصل نوعِ انساں اجتماعی طور پر ایک حیاتی اِکائی ہے۔ نسل و رنگ کی تقسیم ذیلی یا مصنوعی ہے۔ علم الحیات نئے انتہا پسندانہ نسلی نظریوں یا پُرانے نسلی توہمات کا بطلان کرتا ہے۔ ہٹلر کا آریائی نسلِ خالص کا خبط، برہمنی نسل کی آسمانی تقدیس کا کِبر، اسرائیلی امّت کی برتری کا پندار اور عرب و عجم کی جاہلانہ تفریق بالکل باطل ہیں۔

اَب رہی یہ بات کہ نوعِ بشر کا آغاز کس طرح ہوا۔ یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمارے پاس اتنے شواہد موجود نہیں کہ ہم نوعِ انسان کے آغاز، ارتقار و توسیع کی پیچ در پیچ منزلوں کا صاف اور واضح نقشہ پیش کر سکیں۔ صرف چند اصولی باتیں بیان کی جا سکتی ہیں اور ایک دُھندلا سا خاکہ پیش کیا جا سکتا ہے اور بس۔ مگر اِس خاکہ کی پیش کش میں بھی اہلِ نظر و خبر کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

زبان اور نسل کے متوازی ہونے سے زیادہ باطل تصوّر قوم (جدید معنوں میں) اور زبان کے ایک ہونے کا خیال ہے۔ کثرت سے ایسی مثالیں مِلتی ہیں کہ زبانوں کی سرحدیں قومی سرحدوں سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ یہ اتنی عام بات ہے کہ عصرِ حاضر کی قومی ریاستوں کے درمیان آئے دن زبان کی بنا پر سرحدی جھگڑے اُٹھتے رہتے ہیں۔ دوسری طرف ایک ہی ریاست کے اندر کئی کئی مختلف الاصل زبانیں یا بہت حد تک علیحدہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ لہٰذا یہ سچائی اتنی صاف اور روشن ہے کہ زبان قومی خصوصیات میں داخل نہیں۔ آج کی دُنیا میں اِتحاد کی بُنیادوں کے لیے نئے حکمتی تصوّرات قائم ہوتے جاتے ہیں۔

Marfat.com

مختلف زبانوں کی ابتدار اور تشکیل ماضی کی ناقابلِ عبور تاریکی میں اس طرح ڈھکی چھپی ہوئی ہے کہ ہمیں بہت ہی سنبھل سنبھل کر راہِ تحقیق پر چلنا چاہیئے ہم زیادہ سے زیادہ فرضیوں (HYPOTHESIS) ہی کے سہارے چل سکتے ہیں اور یہ فرضیے بھی کتنے غیر یقینی ہوتے ہیں۔ فرضیہ کا نظریہ (THEORY) بننا بھی بڑی کدوکاوش کے بعد ہوتا ہے۔ اور لسانیات کی دُنیا میں نظریوں سے آگے قانون، آئین اور اٹل اصول کی منزل کی طرف بڑھنا اور سرِمنزل پہنچ پانا جُوئے شیر لانے سے بھی زیادہ مشکل ہے پُرانے فرضیے اور نظریے نئی تحقیقات کے بعد ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں نئے فرضیوں اور نظریوں پر بھی اِعتماد کامل نہیں ہو سکتا۔

یہ نظریہ کہ ہر زبان کسی ایک مخصوص نسل یا خاص قوم کی تخلیقِ اختراعی ہے یا صرف اُسی کی آغوش کی پَروردہ ہے، محض بے بُنیاد ہے۔ اور اس کا شمار بھی اُن اَنگنت خود فریبیوں میں ہے۔ جن میں نسلی نظریہ باز اور تنگ نظر قوم پَرست مُبتلا ہیں اور دوسروں کو مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس عالمِ نیرنگ میں نہ تو خالص نسلوں اور قوموں کا کوئی وجود ہے، نہ خالص کلچر کا اور نہ خالص زبان کا۔ نسل، قوم، کلچر، اور زبان یہ سب ہمیشہ سیّال حالت میں ہیں، تھے اور رہیں گے۔ اِن میں ہر آن میل جول، خلط مِلط، لین دین ہوتا رہتا ہے۔ نسلیات و انواع کا ماہر فریڈریش[1] ہرٹز، اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ نسلی خصوصیات غیر مبدّل اور مقدّس ہرگز نہیں۔ فطری اور تہذیبی ماحول کے بَدلنے سے نسلی و قومی خصوصیات بَدل جاتی ہیں۔ اور پھر اس تبدیلی کا اثر کلچر کی ہر شاخ پر پڑتا ہے۔ انواعِ انسانی کا محقق آیونوسکی کہتا ہے کہ "انواعِ انسانی کے ٹائپوں کا غیر مبدّل ہونا بس ایک کہانی ہے"

پروفیسر جے۔ ایچ مِلر یونیورسٹی آف ٹکساز (امریکہ) نے ردِ بنفشی شعاعوں سے قانونِ توارث کے متعلق بصیرت افروز سائنسی تجربے کیے ہیں۔ اِن تجربوں نے تو [illegible] کے نظریوں میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ لہٰذا ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ [illegible] ذاتوں اور تہذیبوں کے تصوّر کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہے کہ:

---

[1] ملاحظہ ہو فریڈریش ہرٹز کی کتاب "[illegible] اینڈ ہیو[illegible]"

[illegible] ۶۶

"ایں خیال است ومحال است وجنوں"

مُقدّس نسلوں، تہذیبوں اور زبانوں کا نہ تو کوئی حقیقی وجود کبھی رہا ہے اور نہ آج کسی زبان، نسل یا قوم کی اَزلی وابدی برتری وفوقیت کی کوئی کمزور سے کمزور سائنسی وجہ موجود ہے۔

دُنیا میں جو زبانیں مُروّج ہیں۔ اُن کی گروہ بندی عموماً دو اصول کے ماتحت کی جاتی ہے اور تمام عالمی زبانوں کو پہلے اصل کے مطابق دو بڑے گروہوں میں تقسیم کردیا جاتا ہے۔ گروہ بندی کا پہلا اصل زبانوں کی لفظی اور حَرفی خصوصیات کا جائزہ لیتا ہے۔ پہلا لسانی گروہ یک لفظی زبانوں کا ہے، جِن کے اساسی الفاظ میں اشتقاق نہیں ہوتا۔ یعنی مادّے کے اِرد گرد شکلی تبدیلیوں سے معنی میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ سب کے سب الفاظ عام طور سے آزاد ہوتے ہیں۔ اور ان میں سابقے[1] اور لاحقے[2] نہیں ہوتے۔ اس گروہ کی زبانوں میں چین، برما، ہندچینی، ملایا وغیرہ کی زبانیں شامل ہیں۔

دوسرے گروہ میں دُنیا کی باقیماندہ زبانیں شامل ہیں۔ اُن میں اشتقاق ہوتا ہے۔ یعنی الفاظ اپنی شکلیں اور مفہوم بدلتے رہتے ہیں۔ سابقے اور لاحقے بھی لفظوں کے آگے پیچھے جُڑ کر معنی میں طرح طرح کے گوشے اور زاویے پیدا کرتے ہیں۔ ایک لَفظ اصل یا مَصدر ہوتا ہے۔ اور اِسی جَڑ سے بہت سی لفظی شاخیں پھوٹتی ہیں اور لفظوں کا مَربُوط سِلسلہ چلتا ہے۔ مثلاً عربی، عبرانی، سنسکرت، لاطینی، جرمن، انگریزی، اُردو، ہندی، فارسی، وغیرہ زبانیں۔

دوسری قسم کی گروہ بَندی نسلی اور تاریخی یگانگت کی بنا پر ہوتی ہے۔ اِن تعلقاتِ نسلی وتاریخی کے اعتبار سے کُل زبانوں کو آٹھ[3] بڑے بڑے خاندانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ہر خاندان کی زبان میں اشتراک پایا جاتا ہے۔ آٹھ بڑے لِسانی خاندان حسب ذیل ہیں:

(۱) سامی، (۲) ہندیوروپی، (۳) ڈراوڑی، (۴) ہندچینی، (۵) ملائی (۶) افریقی (بانتو)، (۷) امریکی، (سُرخ ہندی)، (۸) مونڈا (آدی باسی)

---

[1]، [2] سابقے اور لاحقے کی تفصیلی بحث کے لیے دیکھئے پروفیسر وحیدالدین سلیم کی بیش قیمت کتاب "موضع اصطلاحات"

[3] ہندوستانی لسانیات، از ڈاکٹر زور ص ۲۹

اُردو زبان کے آغاز کا پس منظر

اُردو زبان کو پروفیسر وحید الدّین سلیم نے آریائی زبان قرار دیا ہے اور اِسے "ہندُلمانی" تہذیب یعنی ہندُو مُسلمانوں کے متحدہ تمدّن کی پیداوار بتایا ہے۔ دوسرے ماہرین لسانیات بھی اِسے آریائی بھاشا ہی قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر اُردو زبان کے آغاز کا پسِ منظر دیکھا جائے اور اس کی تخلیق کے عناصر ترکیبی پر غور کیا جائے تو پھر اِسے شُدھ آریائی زبان کہنے میں احتیاط کرنی پڑے گی اُردو ہندولمانی تہذیب کی پیداوار ضرور ہے۔ لیکن ہندو تہذیب خالص آریائی تہذیب کا نام نہیں۔ ہندو قوم بھی نسلی اعتبار سے ملی جُلی کول آسٹرک، ڈراور، تبتی چینی آریائی قوم ہے۔ مُسلم تہذیب بھی کسی ایک قومی تمدّن سے وابستہ نہیں۔ ملّتِ اسلامیہ ایک سہی، مگر نسلی لحاظ سے یہ عرب، ایرانی، تُرکی، مُغل، بربر، حبشی، ملائی، چینی وغیرہ قوموں پر مشتمل ہے۔ لہٰذا ہندو لمانی تہذیب کی نمائندہ زبانوں میں مختلف لسانی عناصر پائے جاتے ہیں۔ اور جب تک اُن عناصر ترکیبی کا صحیح نقشہ پیش نہ کیا جائے حقیقت مکمّل طور پر سامنے نہیں آتی۔

عہ ملاحظہ ہو مقالہ "بولیوں کا سنگم" تحقیق و تنقید ص ۴۹ - ۱۹ از: اختر اورینوی

کاٹ گلا لہو سے نہلایا ہائے حسین بیدیسی پنتی

Marfat.com

ہند آریائی تہذیب اور زبان کے غیر آریائی پس منظر کے متعلق سونیتی کمار چٹرجی یوں رقمطراز ہیں :

" ہندوستانی[1] تہذیب کی تعمیر کا فخر صرف اریہ قوم کو ہی اکیلے حاصل نہیں بلکہ ہندوستان کے غیر آریہ بھی اس کے حصہ دار ہیں اور بنیادیں قائم کرنے میں تو اُن کا زیادہ بڑا حصہ ہے "

باہر[2] سے آنے والے آریائی قبیلے تو خانہ بدوش وحشی تھے۔ ان میں بربریت تھی۔ اُن کے مقابلہ میں ہندوستان کے ڈراوری لوگ بہت ہی مہذب، شُستہ و شائستہ اور متمدّن تھے۔ اُن کے بڑے بڑے شہر آباد تھے اور اُن کی سنسکرتی دیس بھر میں پھیلی ہوتی تھی۔

سِندھ اور پنجاب کی ڈراوری تہذیب اُس زمانہ سے تعلق رکھتی ہے جس کے متعلق تاریخی مواد بہت کم ملتا ہے۔ لیکن نئی کھُدائیوں سے بہت سی باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ اِس تہذیب میں پڑھنے لِکھنے کا فن عام اور ترقی یافتہ حالت میں تھا۔ ابھی تک تشفی بخش طور پر سِندھ پنجاب[3] تمدّن کی رسم تحریر کو پڑھا نہیں جا سکا ہے۔ یہ رسم تحریر فنیقی رسم تحریر کے ماقبل علمی اور جزیرۂ کریٹ و قبرص کی رسومِ تحریر سے مشابہت رکھتی ہے۔

سنہ ۴۰۰ ق م تا سنہ ۳۰۰ ق م کے موریہ براہمی[4] رسم الخط کے قدیم نمونوں سے بھی مہنجو

---

[1] انڈو ایرین اینڈ ہندی صفحہ ۳۱

[2] انڈو ایرین اینڈ ہندی صفحہ ۳۱، اور " دو رگاسے گنگا تک " از : راہولی سنکرتیائن

[3] " مہنجو دارو " از سرجان مارشل سنہ ۱۹۲۰ء اور " ہڑپا " از شری مادھو سروپ واتس

[4] " عرب و ہند کے تعلقات " از علامہ سلیمان ندوی صہ ۸

" یہ سب کو معلوم ہے کہ ہندوستان کی تمام تحریریں، بلکہ تمام آرین تحریریں بائیں طرف سے لکھی جاتی ہیں لیکن اس آریہ ورت کی ابتدائی تحریریں حیرت سے سُنا جائے گا کہ سامی طرز تحریر کی طرح داہنی طرف سے شروع ہوئی تھیں "، ص ۱۰، صہ ۹ پر یوں درج ہے :

" انسائکلو پیڈیا برٹانیکا (طبع ۱۱) کے مضمون سنسکرت کا لکھنے والا یہاں کی ابتدائی تحریر (باقی صہ ۲۳ پر)

130128

Marfat.com

دارد۔ ہڑپا کی لپی کو کچھ مُشابہت حاصل ہے۔ موریہ براہمی لپی موجودہ دیو ناگری لپی کی مورثِ اعلیٰ کہی جاتی ہے۔ آریوں نے ڈراوری قوموں سے لکھنا پڑھنا اسی طرح سیکھا جس طرح وحشی مونگول و تاتاری فاتحین نے مفتوح بغدادیوں، عربوں، ایرانیوں، خوارزمیوں سے حملۂ ہلاکو اور زوال بغداد کے بعد سیکھا تھا۔ آریہ قبیلوں نے ڈراوری تہذیب سے بہت گہرا اثر قبول کیا۔ ڈراوری مذہب، ثقافت، روایات و اساطیر، اور تاریخ نے انھیں مُتاثر کیا۔ لیکن یہ آریائی زبان تھی جس نے نئی رلی جُلی بھاشا میں غالب عُنصر کی حیثیت

(حاشیہ باقی صفحہ ۲۲) کی تاریخ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"ہندوستانی حروف کی ابتدا کا مسئلہ ابھی شکوک سے گھرا ہوا ہے۔ ہندوستانی تحریر کے قدیم ترین نمونے وہ کتبات ہیں جو چٹانوں پر کندہ ہیں۔ یہ پالی زبان (وہ پراکرت جو جنوبی بودھ مذہبی تحریروں کے لیے استعمال کی جاتی تھی) کے وہ مذہبی احکام ہیں جن کو ۲۵۳ ق م میں موریہ خاندان کے شہنشاہ اشوک نے کندہ کرایا تھا۔ اور یہ شمالی ہند، شمالی مغربی سرحد، پشاور کے مضافات، اور گجرات میں گرنار سے لے کر مشرقی ساحل پر کٹک کے ضلع میں جوگادہ اور دھولی تک پھیلے ہوئے ہیں، انتہائے مغرب کے وہ کتبات جو کپور داگڈھی یا شہباز گڈھی اور منصورہ کے قرب وجوار میں ہیں۔ دوسرے کتبات کے حروف تہجی سے بالکل جُداگانہ حروف میں لکھے گئے ہیں۔ وہ داہنی جانب سے بائیں جانب پڑھے جاتے ہیں۔ ان کو عموماً "آرین پالی" کہا جاتا ہے۔ رہے دوسرے حروف جو بائیں جانب سے داہنی جانب پڑھے جاتے ہیں "ہندی پالی" حروف کہلاتے ہیں۔ مقدم الذکر جن کو کھروشتی، یا گندھارا (لپی) حروف بھی کہا جاتا ہے۔ اور جو بظاہر کسی سامی (اور شاید آرامی) زبان سے ماخوذ ہیں، ہندوستان کی بعد کی تحریروں میں کوئی اثر نہیں چھوڑا ہے۔ دوسری طرف ہندی پالی (یا براہمی) حروف جن سے موجودہ ہندوستانی حروف ماخوذ ہیں بہت زیادہ ترقی کر لی تھی۔ اور اس کو علمی مقاصد میں حیرت انگیز طور پر استعمال کیا جانے لگا تھا۔ تاہم اس کے بعض حروف کا قدیم فینقی حروف سے (جو شاید خود مصری، ہیروغلیفی خط سے ماخوذ تھے) تشابہ یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ شاید یہ بھی سامی الاصل ہوں۔

Marfat.com

اختیار کرلی۔ یہ چٹرجی، بھنڈارکر اور گریرسین کا نظریہ ہے۔ مجھے اِس نظریہ سے تسلّی نہیں حاصل ہوتی۔ اپنے شبہات اور اس کی وجہیں، مَیں بعد میں پیش کروں گا۔ خود چٹرجی اس اَمر کو تسلیم کرتے ہیں کہ غیر آریائی عناصر نے آریائی زبان میں بھرپور نفوذ حاصل کیا۔ اور اُسے شُدھ نہ رہنے دیا۔

قوموں کے عروج و زوال کے اسباب و عِلل پر غور کرنے سے یہ پتّہ[1] چلتا ہے کہ عروج کے بعد کی عشرت سامانیاں ہی زوال کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں۔ اپنے اپنے وقتوں میں بابل و بغداد اور مہنجودارو و دہلی کے انحطاط و زوال کے اسباب ایک جیسے ہی تھے۔ غرض یہ کہ متمدّن و مہذّب ڈراوری قوم وحشی آریوں سے شکست کھاگئی۔ عین ممکن ہے کہ وہ آریہ قبیلے جو عراق و عرب میں بود و باش اختیار کرچکے ہوں وہ مہذّب و متمدّن بن گئے ہوں اور ایران و ہندوستان کی طرف آنکلنے والے خانہ بدوش قبائل وحشی ہوں۔ رفتہ رفتہ ایران و ہندوستان کی قدیم تر قوموں سے گھُل مل کر اِن آریائی قبائل نے متحدہ عظیم تہذیبوں کی بِنا ڈالی۔ ہند آریائی قبیلوں نے ہندوستان کی کول ڈراور نسلوں کے ساتھ مخلوط ہوکر ایک حیرت انگیز نسلی، مذہبی، تہذیبی اور لسانی مُرکّب بنایا۔ ہندو قوم[2]، ہندو تہذیب اور ہندو دھرم مخلوط و مرکّب ہیں۔

ہندوستان میں آنے والی اور اِسے اپنا گھر بنالینے والی نسلوں اور قوموں میں سب سے قدیم نگریٹو نسل ہے، جو افریقہ سے غالباً سمندری راستے جنوب ہندوستان میں آئی اور بس گئی۔ آج اُن کی نشاندہی، کادر، کرُمبا، ایرولا، اور نپیان قبیلوں میں ہوتی ہے۔ جنوبی ہند کے مذکورہ قبائل میں کچھ حبشی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

ہند آنے والی نسلوں میں آسٹرک یعنی آسٹرو ایشیاٹک (آسٹروی۔ایشیائی) کا دوسرا نمبر ہے۔ یہ شمال ہند چین سے اِس ملک میں وارد ہوئی۔ ہندوستان کے کھاسی، کول

---

[1] ملاحظہ ہو مقدمۂ تاریخ ابن خلدون اور "انقلاب الامم" از علامہ رینان فرانسیسی۔

علامہ اقبال کہتے ہیں ؎ میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل، طاؤس و رَباب آخر (بال جبریل ص۷۷)

[2] انڈو ایرین اینڈ ہندی، ص۲۸۔

Marfat.com

کرکر، ہوز، سنتال، اور غالباً اُڑاؤن اور مُنڈا بھی اِسی نسل سے ہیں۔ یہ قوم سارے شمالی ہند میں پھیلی ہوئی تھی۔ آسام سے پنجاب تک۔ شمال مشرق میں اِس نسل کا اختلاط منگول (تبتی چینی) نسل سے بھی ہوتا رہا جو شمال مشرقی پہاڑی دَرّوں سے ہندوستان آتے اور یہاں وقتاً فوقتاً بستے رہے۔ ملک کے اور علاقوں میں آسٹرک نسل ڈراوری نسل سے مخلوط ہوتی رہی۔ بنگال اور آسام میں خطوں میں آسٹرک، منگول، ڈراوری خصوصیات بہت غالب ہیں۔ کیونکہ آریائی اثر و نفوذ اس طرف بہت دیر سے پہنچا۔

تیسری نسلی لہر پھر مغرب سے آئی۔ یہ ڈراوری قوم کا ورود تھا۔ یہ لوگ غالباً آسٹرک نسل کی آمد کے زمانہ میں یا اس کے آخری دور میں ایشیائے کوچک اور مشرقی بحرِ متوسط کے جزائر سے عراق، ایران، اور بلوچستان ہوتے ہوئے ہندوستان آئے۔ موجودہ براہوئی قبیلہ بلوچستان میں اور جنوب ہند کے تلنگی، تامل، ملیالم، کنڑ، ٹولو، ٹودا، کوڈرگو، اور گونڈ قومیں ڈراوری نسل سے ہیں۔ عہدِ ماضی میں یہ نسل سارے ہندوستان میں چھا گئی تھی۔ اس متمدن قوم نے مہنجودارو اور ہڑپا جیسے بڑے شہر بسائے تھے۔

ہندوستان میں داخل ہونے والوں اور یہاں بس جانے والوں میں چوتھا نمبر آریائی قبیلوں کا ہے۔ یہ بھی مغرب سے آئے اور اِن کا سفرِ شرق بھی قریباً انھیں نشانہائے منزل کے مطابق ہوا جو ڈراوری قوم ماضی میں بنا آئی تھی۔ ایشیا کوچک سے چل کر یہ آریہ عراق میں رہ پڑے۔ کتنی صدیاں وہاں گزریں۔ یہ قطعیت کے ساتھ کہنا مشکل ہے۔ ان کا میتانی، حاری، (آریہ حاری۔ حارث۔ عربی، کھیت جوتنے والا۔ آج بھی سندھ میں کاشتکار قبیلوں کو حاری کہتے ہیں۔ ممکن ہے یہ قدیم آریہ قبیلہ حاری کے سلسلہ سے ہوں) ماندا کسائی وغیرہ عراق عرب میں رہ پڑے اور ظاہر ہے وہاں کے لوگوں میں گھل مل گئے یہ عہد دو ہزار پانچسو سال قبل مسیح تھا۔ یہ حضرت نوحؑ کے بعد اور حضرت ابراہیمؑ کے تھوڑا پہلے کا عہد ہے۔ آریائی زبان میں سامی اثرات کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ [illegible] میں بھی سامی اثر موجود ہے۔ کیا عجب کہ ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ نام اور صفات بکر، برہما، کے روپ میں ظاہر ہوئے ہوں۔ اسی دور میں مادہ یا میدی اور بعد ازاں پرشو آریائی قبائل عراق عرب کی روایات لے کر شمال مغربی ایران میں داخل ہوئے۔ اور سارے ایران میں پھیل گئے۔ لسانی اعتبار سے قیام ایران کے اس بڑے دور کو ہند

ایرانی دَور کہتے ہیں۔ اس کی ایک شاخ ہند آریائی کہلائی۔ تیسرا گروہ ساکا قبیلہ کا گروہ تھا جو طاقتور اور مضبوط تھا۔ یہ قبیلہ شمال کی طرف جا نکلا۔ شمال مشرقی اور شمال مغربی ایران، افغانستان (سیتھیا اور توران) اور جنوب روس کے علاقوں پر چھا گیا۔

ایران سے ہند میں آریوں کا ورود نہایت ہی تدریجی طور پر ہوا۔ مشرقی ایران میں بسنے والے آریہ قبیلے آہستہ آہستہ بلوچستان اور افغانستان سے ہوتے ہوئے پنجاب میں پھیلتے گئے۔ یہ سلسلہ ۱۵۰۰ قبل مسیحؑ شروع ہوا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اُس عہد میں مشرقی ایران کے آدی باسی قبائل اور پنجاب کے آدی باسی ایک ہی قوم سے تھے۔ اور ایک ہی طرح کی زبان بولتے تھے۔ آریہ قبیلوں نے انھیں داسا داسیوں نام دیا۔ پورب ایران کے آریوں اور پنجاب میں آبسنے والے آریوں کی بولیاں بھی ایک ہی تھیں۔ اُردو زبان کی ترکیب کے متعلق غور کرنے میں یہ بات ایک اہم نکتہ کو پیش کرتی ہے کہ مشرقی ایران اور مغربی ہند کی بولیوں میں قدیمی یگانگت پائی جاتی ہے۔ ڈھائی ہزار سال بعد اگر اُس عہد کی ہند آریائی بولی سے ایرانی بولی ملی اور ریختہ کی ترکیب ہوئی تو اس اتصال کی بنیادیں صدیوں پہلے قدیم ہو چکی تھیں۔ بقول محمد حسین آزاد دو بچھڑی ہوئی بہنیں پھر گلے مل گئیں۔

قبل اس کے کہ آریہ قبیلے ہندوستان میں وارد ہوئے اُن کا ایران میں ہزار سال تک قیام رہا۔ ایسی حالت میں آریائی بولیاں ایرانی آدی باسی بولیوں سے ضرور گھل مل گئی ہوں گی۔ جیسے وہ بعد میں ہندوستان آکر یہاں کی ڈراوری سے ملیں۔ بہرکیف ہند آریائی عہد کے شروع ہونے سے پہلے آریائی بولیاں عراقی عربی اور قدیم آدی باسی ایرانی سے مل کر مخلوط ہو گئی ہوں گی۔ لہٰذا میں اَوستائی اور ویدکی بولیوں کو ملواں بولی سمجھتا ہوں۔

اِس عہد کی نسلوں اور بولیوں کے متعلق کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی۔ اتنا تو ظاہر ہے کہ ہند آریائی زبان کا اولین نمونہ نراسنسا گا تھا بھی خالص آریائی نہیں ہوگا اور جب ہندوستان میں آریہ قبیلے آئے تو مخلوط بولیاں بولتے آئے جن میں آریائی عناصر کے ساتھ غیر آریائی عناصر بھی موجود تھے۔ نیز یہ کہ ہند آریائی بولیوں میں ڈراوری، داسا داسیو) عناصر مشرقی ایرانی دَور سے ہی ملتے آئے تھے۔ پنجاب، سندھ، مدھ دیش جنوبی اور مشرقی ہند میں لسانی اختلاط کی آنچ اور تیز ہو گئی جس کے بکثرت شواہد ملتے ہیں

مشرقی ایران، پنجاب اور سندھ میں غیر آریائی داسا دآسیو (ڈراوری) قبائل بستے تھے، اور اُس عہد میں بھی خطّہ سندھ کے اندر اُن کے رَستے بَستے شہر تھے۔

آریہ قبائل اپنے آغاز (وایروس "WIROS" = آدمی = وِیرَ، سنسکرت) میں بھی پنج مَیل[1] تھے اور دوسرے قبائل سے ہر طرح کے اثرات قبول کر رہے تھے۔ اِن کا تعلق مختلف نسلوں سے تھا۔ حالات زمانہ نے انھیں مخلوط بنا کر اکٹھا کر دیا تھا۔ عہد وسطیٰ میں عراق عرب اور ایران میں نہ جانے کتنا اختلاطِ نسلی ہوا ہوگا۔ اور لسانی اعتبار سے کتنی آمیزشیں ابتدائی آریائی بولیوں میں ہوگئی ہوں گی۔ جس وقت آریہ قبائل ہندوستان میں داخل ہو رہے تھے (سنہ ۱۵۰۰ ق۔م قریباً) تو اس وقت بھی اُن کی قوم میتانی، عراق میں موجود تھی (بوگھازکوئی مسوّدات سنہ ۱۴۰۰ ق۔م) اور ایران تو اُن کا گھر آنگن تھا۔ وہ ہزار سال وہاں قیام کر چکے تھے۔ عراق عرب اور شمال مغربی ایران میں اُن کے توطّن اور بود و باش پر غالباً اِس سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ چڑچی تو دیدوں کے عہد میں بھی پنجاب سے مغربی فارس تک ایک لسانی تسلسل کو تسلیم کرتے ہیں۔ اِس وسیع بول میں، ر، اور، ل، ہر دو حرفوں کی آوازوں کے لیے صرف حرف "ر" کی آواز کا چلن تھا۔

جس طرح آریہ قبائل تدریجی طور پر ہندوستان کے مغرب میں داخل ہوئے اور پنجاب پر چھا گئے۔ اسی طرح تدریجی طور پر یہ ہندوستان کے دوسرے خطّوں میں پھیلے اِس توسیع میں صدیاں لگی ہیں۔ بقول ڈاکٹر ایس۔ سی سرکار سابق صدر شعبۂ تاریخ پٹنہ کالج، پٹنہ، آریہ حملہ آور تین بڑی بڑی لہروں میں ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہیں۔ پہلے پہل صرف پنجاب، آریہ ورت، بنا۔ پھر سندھ اُس حلقہ میں آیا۔ بعد ازاں مدھ دیش (ملک کا وسطی حصّہ) پھر ہند کے جنوبی اور مشرقی حصے اِس دائرہ میں آئے۔

ہند میں داخل ہونے والے آریہ قبیلوں کی بولیوں میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ قبیلہ قبیلہ کی بولی الگ الگ تھی اور بنیادی مُشابہتوں کے باوجود اِن میں اختلاف

---

[1] انڈو ایرین اینڈ ہندی ص ۔ چٹرجی۔ اسٹڈیز اِن پاسٹ اینڈ پریزنٹ ۱۹۲۰ء ص ۵۔۵
کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اوّل ص ۶۶

موجود تھا۔ لیکن، کہتے ہیں کہ، اُن کے درمیان ایک اچھی خاصی معیاری ادبی بولی بھی پائی جاتی تھی۔ اور یہی معیاری بولی بھجن اور دُعائیہ نغمات میں استعمال ہوتی تھی۔ یہی معیاری زبان "رگ وید" اور اتھروا وید کی ہے۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ چاروں وید ایک ساتھ مُرکّب نہیں ہوئے۔ ان کی ترتیب وتدوین کے درمیان بڑا فضل ہے۔ چٹرجی یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ ویدوں کا قدیم ترین مخطوط آج سے ہزار سال زیادہ قدیم نہیں۔ لیکن اِس کے باوجود کہتے ہیں کہ ویدک روایات اصلاً تین ہزار سال سے بالکل محفوظ چلی آتی ہیں۔ ممکن ہے قدیم مخطوطات ضائع ہوگئے ہوں۔ مگر جو ہے وہ تو خیال تدوین وید کے دو ہزار سال بعد کا ہے۔ اِس دو ہزار سال دَور میں نہ جانے کتنا پانی گنگا، جمنا، سندھ اور برہمپتُرا سے بہتا ہوا سمندروں میں جا ملا ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ ویدوں کا حقیقی زمانہ کیا ہے؟ اس کے متعلق علماء یا تو سکوت اختیار کرتے ہیں یا ظنی باتیں پیش کرتے ہیں یا صاف طور پر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ویدوں کے مختلف حصّوں کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُن کا آغاز کہاں اور کب ہوا۔ میکس ولر کی طرح بعض علماء تو یہاں تک بتاتے ہیں کہ ویدوں کے کچھ حصّے ہندوستان سے باہر رشیوں نے پیش کیے۔ دوسرا گروہ پنجاب کو گہوارۂ وید مانتا ہے مگر گریرسن کے نزدیک "اندرونی آریہ قبیلوں" میں ویدک سنسکرتی اور براہمنی خیالات نے پرورش پائی اور اس اعتبار سے وید مدھ دیش میں رشیوں پر ظاہر ہوئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ویدوں کا کوئی تاریخی لسانی معیار قائم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بتانا بھی مشکل ہے کہ لسانی اعتبار سے ویدوں کی عبارت، الفاظ اور ویاکرن کا ہند ایرانی حصّہ کتنا ہے، خالص ہند آریائی کتنا اور ڈراوڑی کتنا۔ پنڈت ویدک منی اپنی کتاب "ویدسَرْوَسو" میں لکھتے ہیں کہ اتھروا وید میں بڑی بے ترتیبی پائی جاتی ہے۔ اُبتری کا یہ عالم ہے کہ سیانا چاریہ کے بعد کے زمانوں میں بھی بہت سے "سُکتے" ملا دیے گئے ہیں۔ (ص ۹۷) ایک دوسرے فاضل پنڈت شانتی دیو شاستری تحریر فرماتے ہیں کہ اب تک اس امر کی تحقیق نہ ہو سکی کہ وید دراصل تین ہیں یا چار۔ منوسمرتی اور شتاپتھا برہمنا کے مطابق وید صرف تین ہیں۔ رگ وید، یجروید، اور ساما وید۔ لیکن وہ آسینئی اُپنشاد

Marfat.com

برہمنا اُوپانیشاد اور منڈل اُوپانیشاد کی شہادت کے مُطابق وید چار ہیں (رسالہ گنگا، فروری ۱۹۳۱ء، ص ۲۳۲) پنڈت ہردے نرائن لکھتے ہیں کہ شتا کارشی کا صحیفہ چرنا ویو ہا، اور اُن کی دوسری تحریروں سے ویدکے منتروں، شبدوں اور اکچھروں کی معین تعداد ثابت ہوتی ہے۔ لیکن حالیہ وید پُستکیں اُن کے مطابق نہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے، ویدوں میں آزادانہ کمی بیشی کی گئی ہے (رسالہ گنگا، جنوری ۱۹۳۱ء) حقیقت یہ ہے کہ گوپتھا برہمنا کی تصنیف کے وقت مختلف فرقے کے لوگوں نے اپنے عقائد ثابت کرنے کے لیے ویدوں میں خوب خوب تحریفیں کیں۔ ویدوں میں اختلاف کی کوئی حد نہیں رہی۔ ہر فرقہ اپنے نسخے کو صحیح اور دوسرے نسخوں کو بے سروپا، مخلوط اور غلط بتاتا تھا۔ آج بھی ویدوں کے نسخوں میں بہ کثرت اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور اِن کی بُنیاد اُسی عہدِ ابتدا میں پڑی۔

(وید سروسوا، صفحہ ۱۰۶-۱۰۵)

رگ وید کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ قدیم ترین وید ہے۔ اس کتاب کا بھی کوئی ایک لسانی معیار نہیں۔ موجودہ نسخوں یا قدیم ترین مسوّدوں کی زبان بھی ناہموار ہے۔ رگ وید مختلف آریائی قبائل کی بولیوں کا نمائندہ ہے۔ یہ ایک قسم کی ادبی زبان ہے۔ جو شاید ابتدا میں کسی ایک قبیلہ کی بولی کی بنا پر شروع ہوئی ہو۔ اور رفتہ رفتہ دوسرے آریائی قبائل کی بولیوں کو اپنے اندر شامل کرتی گئی ہو۔ بُنیادی بولی ملک کے انتہائی مغربی حصے یعنی پنجاب کی بولی تھی۔ ایک "ل" (ळ) کی آواز کی جگہ بھی "ر" (र) کی آواز ہی مُستعمل تھی۔ رگ وید کے وہ حصے جو بعد میں داخل ہوئے (ळ) "ل" کی آواز بھی نکلتے ہیں۔ جو شرقی قبائل کی خصوصیت ہے۔

ویدوں کی معیاری بولی نہیں۔ اور اُن کے متعلق یہ کہنا کہ وہ ہند میں آنے والے آریہ قبائل کی اوّلین بولی کے نمائندہ ہیں۔ صحیح نہیں۔ ہاں وہ اُن لسانی نمونوں میں قدیم ترین ہیں جو اب تک قدیم ہند آریائی کے دستیاب ہو سکے ہیں۔ لیکن پرانے سے پُرانے ویدی مخطوطے کی عمر ہزار سال سے زیادہ نہیں۔ اِن وجوہات کی بنا پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ویدوں کے بڑے حصے کی زبان ہر پہلو سے مخلوط ہے۔ میرا خیال ہے کہ ویدوں کی زبان پر اس سے بہت زیادہ ڈراوڑی اثر پڑا ہے۔ جتنا قیاس کیا جاتا ہے۔ پھر یہ تو ادبی، مذہبی زبان کا حال ہے۔ جو پنجاب کی بھاشا کا [illegible]

Marfat.com

کاڈوِل ، گنڈرٹ ، کیٹل وغیرہ جیسے ماہرینِ لسانیات اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ایران میں بھی ڈراوری بول بولنے والے قبیلے موجود تھے اور ہند ایرانی عہد میں ہی ڈراوری الفاظ آریائی بولیوں میں داخل ہو رہے تھے۔ ہند ایرانی اور ہند آریائی بولیوں میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں، جن کا کوئی لِسانی بدل ہند یوروپی بولیوں میں نہیں ملتا۔ غالباً یہ سب کے سب کول ڈراوری ہیں یا اُس سے بھی قبل کے۔ ویدک بھاشا میں ڈراوری شبدوں کا پایا جانا بہت ہی دلچسپ ہے۔ مثلاً: "نیہار" ، "ابر ، برف۔ "پشپا" ، "پھول۔ "پوجن" پوجا ، پرستش ، پھَل ، "پھل۔ "بیل" ، "سوراخ۔ "بیج" ، "بیج ، تخم۔ "راتری" ، "رات۔ "روپ" ، "شکل ، صورت۔ "سایم" ، "شام ، وغیرہ۔ غیر آریائی الفاظ "برہمنا" صحیفوں کے عہد میں اور زیادہ ہو گئے۔ اور یہ سلسلہ جاری رہا۔

ہر چند کہ رگ وید کی زبان اپنی ہیئت اور ساخت کے لحاظ سے ہند یوروپی آریائی نہج کی ہے۔ لیکن اس کی صوتیات پر ڈراوری اثر صاف طور پر پڑا ہے۔ ویدک بولی نے بہت سے ایسے لفظ ڈراوری بولی سے قرض لیے جو نا آشنا چیزوں کے تھے یا نئے تصورات سے متعلق تھے۔ مثلاً: "ڈکپی" ، "بندر۔ "وکلا" ، "فن ، آرٹ "کال" ، "وقت عَصر "کوٹ" ، "جھونپڑی ، کٹیا۔ "گَن" ، "جماعت ، "نانا" ، "بہت سے ، "نیلا" ، "نیلا۔ بلو۔

ہند آریائی زبان اور ڈراوری زبان میں اور بھی مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔ اَغلب یہی ہے کہ یہ مماثلت ڈراوری کے اثر کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہیں۔ ترکیب وصرفی قواعد کی مشابہت کے سلسلہ میں چند مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ جیسے حُروف منفصل جار کا ترک ، قدیم ہند آریائی بولی کے حال اور عَصر زمانہ کا قریباً کلی طور پر متروک ہو جانا۔ نحو ، لِسانیات میں صوتیات اور جملوں کی ترکیب وصَرف سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ اور بقول چٹرجی نحو کے اعتبار سے ہند آریائی اور ڈراوری دنیا میں بڑی یگانگت رکھتی ہیں۔

ہند آریائی اور ڈراوری زبانوں میں نحوی اعتبار سے بڑی یگانگت پائی جاتی ہے کسی ڈراوری زبان مثلاً تامل یا تلنگی کا ایک جملہ اپنی ترتیب الفاظ کے لحاظ سے جیوں کا تیوں صرف لفظوں کے بدلنے سے ہندی ، اُردو یا بنگالی میں منتقل ہو سکتا ہے۔ برخلاف اس کے انگریزی یا فارسی جُملے جیوں کے تیوں کسی جدید ہند آریائی زبان

ؔ بنگالی زبان کا آغاز و ارتقاء ۔ چٹرجی

مُبدّل نہیں ہو سکتے۔ یہ رَو عہد وُسطیٰ کی ہند آریائی زبانوں یعنی پراکرتوں کے عہد سے ہی چل پڑی تھی۔ پالی اور دوسری پراکرتوں کے قواعد نحو کا موازنہ و مقابلہ اگر جدید ہند آریائی زبانوں سے کیا جائے تو یہ بات ظاہر ہونے لگتی ہے۔ کلاسیکی سنسکرت تک میں مذکورہ نحوی تصرّفات پائے جاتے ہیں۔

ڈراوری اور ہند آریائی زبانوں کے محاروں میں بھی بڑی یگانگت ملتی ہے۔ فعل امر کو مہذّب و نرم طریقہ سے ظاہر کرنے کے لیے مصدر کا استعمال جیسے بجائے "یہ کام کرو" کے "یہ کام کرنا" کنڑی زبان میں یوں کہیں گے "اِی کِلَسا مادو وَ دو۔ فعل سے اَمر بناتے وقت یا تمنّا و طلب ظاہر کرتے وقت فعل "دینا" کا اضافہ، جیسے "مجھے بولنے دو" اور تلنگی میں یوں کہیں گے کہ "نَنّو سیپن آئی ای" ہندوستان سے باہر کی آریائی زبانوں میں یہ خصوصیات نہیں پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہند آریائی زبان پر ڈراوری ماحول کا اثر پڑا ہے۔ ڈراوری دماغ نے آریائی زبان قبول کرنے کو تو کرلیا، لیکن اُس نے اُس کی روح اور ساخت و ترکیب اور نشست و برخواست بدل دی۔

ایک اور مشابہت یہ پائی جاتی ہے کہ ڈراوری اور جدید ہند آریائی دونوں زبانوں میں اشیاء اور حرکات سے پیدا ہونے والی آوازوں کے مُطابق الفاظ کا گڑھنا بہت عام اور بہ کثرت ہے۔ جیسے کھٹکھٹانا، تھپتھپانا، ہنہنانا، غُرّانا، سنسناہٹ، گھرگھراہٹ وغیرہ۔ یہ انداز کولی بولیوں میں بھی ہے۔

اسی طرح "بازگشتی" لفظوں (ECHO.WORDS) کا پایا جانا بھی ڈراوری اثر ہے۔ اس عمل میں الفاظ کی نیم تکراری کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے: بھارت دات، گھوڑا دوڑا، کیچڑ دیچڑ، نقاب دقاب، کوٹ دوٹ، گھڑی وڑی وغیرہ۔ تامل اور کنڑ زبانوں میں بھی یہی حال ہے۔

غرض یہ کہ ہندوستان میں آکر آریائی زبان صوتیات، ساخت و صرف، خود ترتیب اور اُنا تے کے اعتبار سے ڈراوری زبان کا گہرا اثر قبول کرتی رہی۔ اور اب

Marfat.com

وہ اثرات جدید ہند آریائی مثلاً ہندی، بنگالی، مراہٹی، اُردو وغیرہ زبانوں کی خصوصیات میں داخل ہیں۔

ہند آریائی زبان کے ارتقار کی مختلف منزلوں سے گزرنا اُس پس منظر کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے جسے ہم اُردو زبان کی فضائے بعید بلکہ بُنیادوں کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ اس لسانی ارتقار کے نقوش کے اہم ماخذوں کا تذکرہ بھی لازمی ہے۔

اصلی ماخذ تو حسب ذیل ہیں:

۱۔ **ویدک لٹریچر**۔ اِن کے قدیم ترین مخطوطات آج سے ہزار سال قبل کے ہیں اور بس۔ مگر اِن کی روایات پُرانی ہیں۔

۲۔ **برہمنائیں**۔ ویدک عہد کے بعد برہمنوں نے ویدوں کی تفسیریں لکھی ہیں۔ یہ صحیفے بھی زبان کے ارتقار کو پیش کرتے ہیں۔

۳۔ **قواعد نویسوں کی کلاسیکی سنسکرت**۔ پانینی، اور پاتنجلی۔

۴۔ **قدیم پراکرتیں**۔ اِن میں قدیم ترین چٹانوں اور لاٹوں پر اشوکا کی کندہ کرائی ہوئی تحریریں ہیں۔ شمال مغرب میں شہباز گڑھی اور مانسہرہ میں کندہ کرائی ہوئی تحریریں کھروشٹی رسم الخط میں ہے۔ اور باقی سب براہمی ہیں۔ ۲۵۰ ق م

۵۔ **پالی پراکرت اور دوسری پراکرتوں میں لکھے ہوئے دھارمک مخطوطات**۔ پالی میں بودھ دھرم کی تحریریں ہیں۔ اور پراکرت ادب کے دوسرے سرمایہ میں جین دھرم کی پُستکیں ہیں۔

۶۔ **قدیم ڈرامے**۔ اِن میں سنسکرت اور پراکرت دونوں بولیوں کا استعمال ہوتا ہے۔ کالی داس، بھوبھوتی، اسوگھوش کے ڈرامے مشہور ہیں۔ جیسے شکنتلا، وکرم اُروسی وغیرہ وغیرہ۔

۷۔ **ہیم چندر گجراتی کا پراکرت گرامر**۔ ۱۱۷۲-۱۰۸۸ء۔

۸۔ **آخری دور کا پراکرتی ادب یعنی اپ بھرنش کا ادبی سرمایہ**۔ یہ بہت قلیل ہے۔ مثلاً ہیم چندر، "دیسی نام مالا"

ہند آریائی زبان کے ارتقار کو تین دوروں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ قدیم متوسط اور جدید۔

Marfat.com

(الف) قدیم ہند آریائی کی نمائندگی رگ وید اور دوسرے ویدوں کی زبان ہے۔ اس ادبی زبان کے علاوہ اس دور کے روزمرہ کی بولیاں بھی تھیں جن کی بنیادوں پر چھندا سا، رزمیہ شاعری اور برہمنا، ویدی تفسیروں کی زبانوں نے پرورش پائی اور بعدازاں انھیں بولیوں میں سے پانینی اور پاتنجلی کی مرصع و شستہ و فائستہ سنسکرت بھاشا نے جنم لیا۔ اور بہت بعد اسی بنیاد پر کالی داس اور دوسرے ناٹک کاروں کی بھاشا کی عمارت کھڑی ہوئی۔

(ب) عہد وسطیٰ، گوتم بدھ کے زمانہ سے کچھ پہلے شروع ہوتا ہے۔ اس کی ادبی نمائندگی پالی اور دوسری پراکرتوں سے ہوتی ہے۔

قدیم ہند آریائی بولیوں کی صوتیات، قواعد وغیرہ میں نمایاں تبدیلی شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ ۱۱۰۰ء تک ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ جدید ہند آریائی عہد تک جاری رہی انھیں بولیوں سے پالی اور پراکرت ادب پیدا ہوا۔

(ج) جدید ہند آریائی دور کے آغاز کے متعلق قطعیت سے کچھ نہیں کہا جا سکتا یہ دور آخری عہد کی پراکرتوں یعنی اپ بھرنشوں کے سمے سے شروع ہوتا ہے مثلاً ہیمچندر کے پیش کردہ نمونے اور بعدازاں پرانی ہندی بھاشا شاعری کی زبانیں۔

قدیم ترین پراکرتی دور اشوکا کی کندہ کرائی ہوئی عبارتوں، اور ان کے علاوہ دوسری کندہ عبارتوں (۳۰۰ ق م تا ۲۰۰ء) بودھی مذہبی صحیفوں (پالی)، جین سترں اور قدیم ناٹکوں (اشوگھوش[1]) پر منحصر ہے۔

متوسط پراکرتی عہد کالی داس اور اس کے بعد آنے والے ناٹک کاروں کی برتی ہوئی شورسینی، مہاراشٹری اور ماگدھی پراکرتوں، قواعد نویسوں کی پراکرتوں اور متاخرین جین بزرگوں کی پستکوں پر حاوی ہے۔

متاخرین کی پراکرتوں یعنی اپ بھرنشاؤں میں ادبی نمونے بہت کم ملتے ہیں۔ یہاں چال کی رواں دواں، بولیاں تھیں۔ اس دور میں ہر طرح کی لسانی تبدیلیاں بڑی تیز رفتاری

---

[1] اشوگھوش کے ناٹکوں کے ٹکڑے، متوسط ایشیا میں دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ کشن عہد کے ہیں۔

[2] قواعد نویسوں نے لکھا ہے کہ پیشاچی پراکرت میں گڈھ کتھا منظوم ہوئی تھی۔

Marfat.com

سے عمل میں آرہی تھیں۔ صوتی، ہیئتی، صرفی و نحوی۔ ہیم چندر نے ایک مغربی اپ بھرنش کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اس کے نمونے درج کیے ہیں۔

اشوکا کے دربار کی زبان اردھ ماگدھی تھی۔ کندہ عبارتوں میں تھوڑی، تھوڑی، تبدیلیوں کے ساتھ یہی زبان ملتی ہے۔ اشوکا اور اس کے جانشینوں کے عہد میں "مگدھین" سارے ہندوستان پر چھا گیا تھا۔ ماگدھی اور اردھ ماگدھی کے لسانی اثرات دور دور تک پھیل گئے تھے۔ اور ان اثرات[1] نے مغربی بولیوں کو بھی متاثر کیا تھا۔ گرنار، شہباز گڑھی مانسہرہ کی کندہ عبارتوں سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔ بودھ دھرم کے ذریعہ یہ اثرات وسط ایشیا تک پھیل گئے تھے۔ ہندوستان میں زبانیں اور بولیاں ہمیشہ ایک دوسرے سے ملتی اور ایک دوسرے کو متاثر کرتی رہی ہیں۔

بودھ اور مہاویر کی نصیحتیں اور وعظ اردھ ماگدھی میں درج کیے گئے تھے۔ یہ پراچیہ بولی تھی۔ گوتم بدھ کے یہ مواعظ بعد میں کسی مغربی بولی میں بھی منتقل کیے گئے۔ یہ مدھ دیشیا علاقہ کی بولی شورسینی کی کوئی قدیم شکل تھی۔ لیکن یہ ترجمہ ملا جلا ہوا تھا۔ بنیادی اردھ ماگدھی بولی بھی اس کے ساتھ وابستہ و پیوستہ تھی۔ غرض یہ کہ شورسینی اور اردھ ماگدھی کے مجموعے کو پالی کہتے ہیں۔ گویا پراکرت کی پہلی ادبی شکل پالی کہلائی جو خود ملی جلی زبان تھی۔ اس میں بودھی سنسکرت کے الفاظ بھی بعد میں ملے۔ خصوصاً ان دوروں میں جب سنسکرت کے احیاء کی کوششیں ہوتی رہیں۔ خود پالی میں ارتقائی کیفیت پائی جاتی ہے۔ لیکن ۵۰۰ء کے بعد کلاسیکی سنسکرت کی طرح پالی بھی منجمد زبان بن کر رہ گئی۔ اور مصنوعی ہو کر عوام سے دور ہو گئی۔

پالی اور دوسری پراکرتوں کی طرح خود سنسکرت بھی ملی جلی زبان اور تین تہذیبوں کی نمائندہ تھی۔ آریائی، ڈراوڑی اور آسٹرک۔ ایک پہلوے سنسکرت کو اپنے علاقے اور عہد کی پراکرت کہہ سکتے ہیں۔ لیکن قواعد دانوں کے اثر سے جب وہ مصنوعی زبان بن گئی تو دوسری مخلوط بولیوں نے پے بہ پے اس کی جگہ لی۔ پالی،

---

[1] امریکن جرنل آف فائلولوجی ۱۹۰۹ء ص ۲۸۴۔

[2] تاریخ زبان اردو، از: ڈاکٹر مسعود حسین ص ۲۲۔ ۲۳۔

Marfat.com

دوسری پراکرتیں ، اَپ بھرنش ، بعدازآں نئی بھاشائیں اور پھر ہندی ، بنگلہ اور اُردو زبانیں جیتی جاگتی زبانوں کی حیثیت سے عوام میں ، اور زندہ ادب میں مستعمل ہوئیں۔

Marfat.com

Marfat.com

اُردو زبان کا اِرتقا

اُردو جدید ہند آریائی دَور کی ایک اہم زبان ہے۔ جدید ہند آریائی دَور کے آغاز کے متعلق کوئی قطعی بات پیش نہیں کی جاسکتی۔ یہ دَور آخری عہد کی پراکرتوں یعنی اَپ بھرنشوں کے بعد شروع ہوتا ہے۔ لیکن اَپ بھرنشوں اور جدید آریائی عہد کی زبانوں کے درمیان کوئی صاف، واضح، معیّن اور دوٹوک حدِ فاصل کھینچنا ناممکن ہے۔ زندگی سماج، تمدّن وتہذیب، زبان، ادب اور فن رواں دواں تغیّر پذیر حقیقتیں ہیں۔ تغیّرات میکانکی طور پر رونما نہیں ہوتے بلکہ تدریجی اور عضویاتی رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک دَور کا دوسرے دَور سے تعلق رہتا ہے۔ دو دَوروں کے درمیان ایک عبوری منزل آتی ہے۔ اور اس عبوری زمانہ میں دَورِ ماسبق وما بعد کی ملی جُلی کیفیتیں پائی جاتی ہیں۔

یوں تو جدید ہند آریائی دَور ۱۰۰۰ء سے شروع ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر میرے خیال میں ۱۰۰۰ء تا ۱۳۰۰ء لسانی اعتبار سے ایک عبوری دَور ہے۔ پُرانے سانچے بدل رہے تھے۔ زبانوں میں صوتی، ہیئتی اور قواعد کی تبدیلیاں رُونما ہو رہی تھیں۔ استقلال کا دَور گزر چکا تھا۔ اضطراب کا زمانہ آگیا تھا۔ یہ کیفیت ہندوستان کی سماجی، سیاسی اور اقتصادی سطحوں پر بھی ظاہر ہو رہی تھی۔ ملک کی نفسیاتی اور ذہنی حالت بھی دُگرگوں تھی۔ ہرشاوردھن کے بعد بے ثباتی اور ابتری تو پھیلی تھی مگر اس حال میں بھی ایک ثبات اور استحکام پیدا ہوگیا تھا۔ تاآنکہ پُرانی سماجی تنظیم کی برف پگھلنے لگی اور

Marfat.com

رفتہ رفتہ انقلاب کے تیز جھکڑ بھی چلنے لگے۔ ہندوستان کی زندگی، سماج، سیاست اقتصاد زبان، ادب، آرٹ سبھی منقلب ہو رہے تھے۔

یہ زمانۂ تغیر بڑا اہم ثابت ہوا۔ بودھ مذہب کا اثر ختم ہو رہا تھا۔ اور برہمن اپنے فلسفے کو نیا رنگ دینے میں مشغول تھے۔ نئی قومیں اور نئے تمدن ملک میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ دو بڑی تہذیبوں، ہندو اور مسلم، کا تصادم اور پھر اختلاط ہوا۔ اس عہد کی بھاشائیں سیال حالت میں تھیں اور انقلاباتِ زمانہ کا اثر قبول کر رہی تھیں۔ چٹرجی کی رائے کے مطابق اگر ہندوستان پر مسلم قبضہ نہ بھی ہوتا تو بھی لسانی تبدیلیاں رونما ہوتیں اور ایک لسانی دور شروع ہو کر رہتا۔ لیکن نئی ہند آریائی زبانوں کی پیدائش اور ان کے اندر ادب کی تخلیق اتنی جلد نہ ہوتی اگر مسلمانوں کے زیر اثر ایک نئے تہذیبی دور کا آغاز نہ ہو جاتا۔

"اپ بھرنشوں نے نکھر کر جدید ہند آریائی پراکرتوں کی شکل اختیار کی۔" (احتشام حسین)۔ لیکن اس جدید دور میں داخل ہوتے ہوتے صدیاں لگیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ عہد وسطیٰ کی ہر پراکرت سے اپ بھرنش پیدا ہوئی۔ اور ان اپ بھرنشوں کی مزید تبدیلی کے بعد تدریجی طور پر جدید ہند آریائی زبانیں وجود میں آئیں جن میں اردو بھی شامل ہے۔ اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ شورسینی پراکرت سے شورسینی اپ بھرنش نکلی اور ایک مخلوط شورسینی اپ بھرنش اردو سے پہلے سارے شمالی ہندوستان کی ادبی بولی بھی بنی۔

جدید ہند آریائی زبانوں کے ارتقا کے سلسلے میں چند نکتے اہمیت رکھتے ہیں۔

(الف) ہر بولی جانے والی پراکرت سے کئی جدید بولیاں پیدا ہوئیں۔ ان کے اصل کے لحاظ سے ان کی گروپ بندی کی جا سکتی ہے۔ اور ان کی مشترک خصوصیات رہنما بنتی ہیں۔ اسی طرح قدیم ہند آریائی بولیوں کی جڑ سے کئی شاخیں پھوٹی تھیں اور پراکرتوں کا وجود ہوا تھا۔

---

۱ انڈو ایرین اینڈ ہندی، ص ۹۸

Marfat.com

(ب) ہندوستانی کی لسانی تاریخ میں یہ دلچسپ بات ہوتی رہی ہے کہ کوئی نہ کوئی بولی ہر دَور میں، دوسری بولیوں پر فوقیت حاصل کرلیتی ہے۔ اَشوکا سے پہلے مغربی بولی فائق رہی اور اَشوکا کے زمانہ میں مشرقی اَردھ ماگدھی نے سبقت وسیادت حاصل کی۔ پھر کوشن عہد میں مغربی اور وسطیٰ بولیوں کی اہمیت اور ہندوستان گیری عود کرآئی۔ بعد کے دَروں میں مغربی اَپ بھرنش کا عروج ہوا۔ پھر برج بھاشا سب بھاشاؤں پر چھائی اور آخرالامر ہندوستانی اُردو کی نوبت آئی۔ گویا عام طور پر مغربی اور وُسطیٰ بولیوں کو مُلک بھر میں اہمیت اور وُسعت حاصل ہوتی رہی ہے۔

(ج) کوئی بھی جدید ہند آریائی زبان ایسی نہیں جسے ہم صرف کسی ایک وُسطیٰ ہند آریائی بولی کی خالصتاً اور براہ راست ترقی یافتہ شکل کہہ سکیں۔ ہندوستان اپنی وُسعت کے باوجود ایک اِکائی ہے۔ اس کے مختلف حصّوں کے درمیان رسل رسائل، ربط و تعلقات، آمدورفت کے سلسلے ہمیشہ قائم رہے۔ یہاں کی لسانی زندگی میں باہمی اثر و تاثر سَدا ہوتا رہا ہے۔ لسانی لہریں باہم دگر پیچیدہ قماش بناتی رہی ہیں۔ اِس سبب سے اکثر نئی ہند آریائی بولیوں کی ارتقائی منزلیں اُلجھی ہوئی نظر آتی ہیں۔ کبھی کبھی تو اس اُلجھن کو دور کرنا اور لسانی فارموں کی گتھی کو سُلجھانا ناممکن ہوجاتا ہے۔ نئی بولیوں کے "تدبھاؤ" الفاظ کے ہیئتی ارتقا میں اتنا تنوع اور اُلٹ پھیر ہے کہ اُن کے آغاز و اصل کا قطعی تصوّر قائم کرنا محال ہوجاتا ہے۔ یہ اندرونی تنوع اور اختلاف ہمسایہ اور ایک تنے سے نکلی ہوئی بولیوں کے اثرات کی وجہ سے زیادہ پیدا ہوا ہے۔ لیکن اس کے باوجود جدید ہند آریائی زبانوں کے ارتقا کے مرکزی خطوط عموماً واضح ہیں۔

(د) جدید ہند آریائی زبانوں کا ترکیبی وصَرفی ارتقا مجموعی طور پر یکساں ہوا ہے۔ ان جدید ہند آریائی زبانوں کی باہمی مشابہت اتنی قریبی ہے کہ اس سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ وسطیٰ ہند آریائی بولیوں کے درمیان بھی خاصی یگانگت پائی جاتی

---

[1] • بنگالی زبان کی آغاز و ارتقا، ضمیمہ ۵، ص ۱۹۹

Marfat.com

تھی۔ اور یہ مشابہتیں جدید ہند آریائی عہد کے آغاز تک باوجود بولیوں کے فرق کے موجود تھیں۔ جدید ہند آریائی زبانوں کی ترکیب و قماش (MORPHOLOGY) میں ان کی صوتی کیفیات کی بہ نسبت زیادہ قدیم مواد کا توڑ جوڑ اور اُلٹ پھیر نظر آتا ہے اس بارے میں قدیم ہند آریائی بولیوں (ویدک اور سنسکرت) کا براہِ راست اصل ورثہ بہت ہی کم ہے۔

(ھ) جدید ہند آریائی زبانوں کا ذخیرۂ الفاظ چار عناصر پر مشتمل ہے۔(۱) تَتسَمَ، (۲) تَدبھاوَ۔ (۳) دیسی (۴) ودیسی۔

(۱) تَتسَمَ۔ وہ اَلفاظ جو سنسکرت اصل کے ہیں، اُن کی ہیئت بھی سنسکرت جیسی ہے۔ اور اُن میں کوئی صوتی تبدیلی رُونما نہیں ہوئی۔ جیسے سُندَر، دیوَ، دیشَ، بعض تَتسَمَ لفظوں میں تھوڑی صوتی تبدیلی یا تلفظ میں ترمیم ہوئی ہے۔

(۲) تَدبھاوَ۔ تدبھاوَ کا عنصر عوامی اور مقامی عنصر ہے۔ یہ وسطی ہند آریائی اور جدید ہند آریائی بولیوں کا فطری سرمایہ ہے۔ یہ سرمایہ قدیم ہند آریائی سنسکرت یا براہ راست ویدک سے ہی حاصل ہوا ہے۔ مگر اس پر زمانہ کی کھراد اور شکست و ریخت کا گہرا اثر پایا جاتا ہے۔ جدید ہند آریائی زبانوں کے الفاظ کی نمایاں اکثریت تدبھاوَ عنصر کی ہی ہے۔ یہی عنصر نئی بولیوں کا وسطی دھارا ہے۔ اور پراکرتوں میں بھی یہی گویا سب کچھ تھا۔ تَتسَم الفاظ صدیوں کی بہت نئی تبدیلیوں کے بعد بھانت بھانت کے تدبھاوَ الفاظ میں فطری طور پر بدل گئے ہیں۔ یہ الفاظ زندہ، رواں دواں، خود شکن، خود گر، اور تازہ کار ہیں۔ یہ زبان کا جیتا جاگتا، چونچال، بہتا، بل کھاتا، سکڑتا، پھیلتا اور نئی لہروں میں بٹ جانے والا دھارا اپنے مبلغ سے نکل کر صدیوں کا سفر کرتا ہوا، خزانے لُٹاتا اور زندگی کو شاداب و پُرمعنیٰ بناتا ہوا ہم تک پہنچا ہے۔ نئی بولیوں کے دوسرے عناصر خواہ تَتسَمَ الفاظ ہی کیوں نہ ہوں محض اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تَتسَم لفظ حرفی

---

۱ البیرونی (۱۰۲۵ء) کا بھی یہی مُشاہدہ تھا (کتاب الہند) نیز پروفیسر جیولس بلاک۔ JULES BLOCH) کی رائے اس کی تائید کرتی ہے۔ (انڈو ایرین اینڈ ہندی۔ چٹرجی ص ۱۳۳۔

Marfat.com

کمی بیشی، ردّو بدل اور صوتی تبدیلیوں کے بعد تدبھاؤ بنے ہیں۔ یہ تدبھاؤ لفظ ہمیشہ چولا بدلتے رہے ہیں اور ان کا چولا بدلنا لسانی دَور اور علاقائی بولیاں پیدا کرتا ہے۔ ان کی لچک داری سے جدّت، نیرنگی اور کثرت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ ان لفظوں کی اصل ایک ہے۔ لہٰذا اس کثرت میں وحدت کی جلوہ گری ہے۔ تدبھاو کی مثالیں لاکھوں ہے۔ مثلاً ماں، باپ، بھائی، بہن، روٹی، پانی، کھانا، پینا، آنا، جانا، سونا، پیڑ پودے، کھیت، ندی، ناؤ، ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، ناک، جینا، مرنا، وغیرہ وغیرہ۔ یہ مثالیں تو اُردو، ہندی (ہندوستانی) کی مثالیں ہیں۔ انھیں لفظوں کے متوازی اور مماثل الفاظ ہر نئی ہند آریائی زبان میں پائے جاتے ہیں۔ جو اُن زبانوں کی تدبھاؤ پونجی ہے۔ اَب ذرا تتسمَ کی شکست وریخت کا نقشہ دیکھئے۔ ہیئتی تبدیلی کی منزلوں کا مُشاہدہ آنکھیں کھولنے والا ہوتا ہے۔ پُتِرَ (تتسمَ سنسکرت) ← پُتَّر ← پُت ← پوت پُت ← پُتا یا پُتا ← ← بیٹا۔

دوہِتَرَ (سنسکرت) ← دوہیت ← دیہیتا ← دھیتا ← دھیدا ← دھی (دھیا) ← دِھی (ہندی) ← جھیا ← جھی (بنگالی)

← دھیتا ← دھیدیا ← بھیٹیا ← بیٹیلا ← بیٹی

اسی طرح بھراتَرے بھائی، ماتَرے ماں، پِتَرے باپ، دیوش سے دن، دَدَرش سے دیکھنا وغیرہ وغیرہ۔

(۳) دِیسی۔ جدید ہندوستانی زبانوں میں الفاظ کی بہت بڑی تعداد ایسی ہے جسے آریائی ماخذ سے وابستہ نہیں کیا جاسکتا ہے ایسے الفاظ کول اور ڈراوری عہد سے منتقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچے ہیں یہ اُن عوامی بولیوں کی یادگار ہیں جو آریائی بولی کے اثر و نفوذ سے پہلے ملک بھر میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس سے پہلے باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ کول ڈراوری الفاظ ویدک دَور سے ہی آریائی بولی میں داخل ہونے لگے تھے۔ یہ عمل وسطی ہند آریائی دَور میں بھی جاری رہا۔ اور جدید ہند آریائی زبانوں میں کول ڈراوری الفاظ کا ایک بڑا ذخیرہ فطری طور پر شامل ہے۔ مثلاً پھل، بیج روپ، نیلا، کُٹیا وغیرہ۔

دیسی الفاظ کی دوسری قسم آہنگ (ONOMATOPOETIC) لفظوں پر مشتمل ہے۔

مثلاً کھٹکھٹانا، تھپتھپانا، جھلملانا، لہلہانا وغیرہ۔

(۴) ودیشی۔ جدید ہند آریائی زبانوں میں بہت سے لفظ غیر ملکی ہیں۔ یوں تو آریائی لفظوں کو بھی غیر ملکی کہا جا سکتا ہے۔ بہرکیف دیسی اور ودیشی کی اصطلاحیں اضافی ہیں اور بس۔ ورنہ ڈراوری، آریائی، فارسی، عربی وغیرہ سبھی الفاظ ودیشی کہے جا سکتے ہیں۔ جدید ہند آریائی زبانوں میں اُن لفظوں کو نسبتی طور پر ودیشی کہا جاتا ہے جو نہ تو آریائی ہیں (تتسم اور تدبھاد) اور نہ دیسی کول ڈراوری۔ اُردو کے علاوہ کم و بیش سبھی ہند آریائی زبانوں میں ایسے بہتیرے بدیشی الفاظ ہیں۔ اس گروہ کے سب لفظوں کے متعلق یہ کہنا بہت مشکل بلکہ بعض اوقات ناممکن ہے کہ یہ کب اور کس طرح زبان میں داخل ہوئے۔

اُردو زبان اُس دور کی پیداوار ہے جب دوسری جدید ہند آریائی زبانیں اپ بھرنشوں سے پیدا ہو رہی تھیں۔ اُردو بھی اسی جدید ہند آریائی دور کی پیداوار ہے۔ لیکن دوسری جدید ہند آریائی زبانوں کے مقابلہ میں اس کی تخلیق زیادہ مرکب، پیچیدہ، پالیدہ اور ارتقا یافتہ انداز میں ہوئی ہے۔ اُردو، بلاشبہ ایک جدید ہندوستانی زبان ہے۔ لیکن صفت "آریائی" پر غیر متوازن زور حقیقت و حق اور ہندی تہذیب کے جلوۂ صد رنگ کے خلاف ہے۔ یہ تاکید راری ہند جدید آریائی زبانوں کے ارتقا کو پیش نظر رکھتے ہوئے صحیح نہیں۔ نہ تو ملک ہند خالصتاً یا باعتبار اکثریت "آریہ ورت" ہے۔ اور نہ یہاں کی کوئی جدید ہند آریائی زبان خالصتاً آریائی کہلانے کی مستحق ہے۔ خاص کر اُردو کو اپنے ڈراوری ورثہ پر وہی فخر ہے۔ جو اُسے اپنے ہند آریائی یا سامی یا ہند ایرانی ورثہ پر ہے۔

دوسری اہم بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ "قدیم اُردو" یعنی ابتدائی "ریختائیں" ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پیدا ہوتی رہی ہیں۔ یوں تو ہر جدید ہند آریائی اور ہر جدید ڈراوری زبان پر عربی اور فارسی زبانوں کا اثر پڑا ہے۔ لیکن اُردو زبان کے ارتقا میں عربی و فارسی زبانوں کا خاص اثر پڑا ہے۔

تیسری اہم بات یہ ہے کہ اُردو زبان کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک علاقائی اور دوسری ہندوستان گیر۔ اِس عمل ارتقا کا اظہار بہت ہی مرکب اور پیچیدہ حرکت کے ساتھ ہوا ہے۔

Marfat.com

اس راہ میں "قدیم اُردو" کے مختلف سانچوں کی منزلیں آتی ہیں۔ اور ان منزلوں میں ایک اہم ترین منزل "کھڑی بولی" کے سانچے سے بننے والے ریختہ کی منزل تھی۔ بعد ازاں اس معیاری سانچہ کے مستحکم ہو جانے کے بعد عہدِ وسطیٰ میں "معیاری اُردو" کے ہندوستان گیر بننے کی مختلف منزلیں آئیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُردو کی تخلیق کے سلسلہ میں "کھڑی بولی ریختہ" کا مرکب سانچہ نگاہِ فطرت میں منزلِ مقصود کی حیثیت رکھتا تھا۔ بہرکیف جدید ہند آریائی زبانوں میں زبانِ اُردو کو نمایاں انفرادیت حاصل ہے اور یہ انفرادیتِ لسانی اُردو ادب کے مزاج کو بھی منفرد و مشخص بنانے میں ممد و معاون ہوئی ہے۔

اُردو زبان و ادب کے سلسلہ میں کسی مقامی نظریہ کی تائید سائنسی حقیقت اور صداقتِ محض کے خلاف ہے۔ اُردو زبان کی پیدائش کے متعلق کسی جزوی ارادہ تصور کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اس کے بجائے اب اہلِ خرد نظرِ کلی حقیقت اور ایدہ و مرکب قماش کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ حیات کی جس رَو نے، تہذیب کی جس تحریک نے، اور تاریخ کے جس دَور نے اُردو زبان کو پیدا کیا وہ بہت ہی وسیع، تہدار و مرکب کیفیتِ زندگی تھی۔

ویدک اور سنسکرت یا قدیم ہند آریائی زبان کا دَور پندرہ سو سال قبل مسیحؑ سے پانچ سو سال قبل مسیحؑ تک ہے۔ وسطی ہند آریائی زبان کا عہد قریباً چھ سو سال قبل مسیحؑ سے ہزار سال بعد مسیحؑ تک اور جدید ہند آریائی کا زمانہ ہزار سال بعد مسیحؑ سے آج تک۔ وسطی ہند آریائی زبان کے عہد میں پراکرتوں کا دَور دَورہ تھا۔ پراکرتوں کے تین دَور ہوئے ہیں۔ آخری عبوری دَور کا نام "اپ بھرنش" ہے۔ جتنی پراکرتیں تھیں اتنی ہی "اپ بھرنش" دراصل یہ پراکرتوں کی بدلی ہوئی صورتیں تھیں۔ یہ اپ بھرنشائیں بعد میں بھاشاؤں کے الگ ناموں سے یاد کی جانے لگیں۔

تین بڑی پراکرتیں ارضِ ہند میں پھلی پھولی ہیں۔ شورسینی، مہاراشٹری اور ماگدھی۔ شورسینی، وسطی مغربی علاقہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ مہاراشٹری جنوبی علاقہ میں اور ماگدھی مشرقی علاقہ میں۔ یہ تینوں پراکرتیں ایک دوسرے کو متاثر کرتی رہی ہیں۔ اور ان کے اثرات ہند کی دوسری پراکرتوں پر بھی پڑتے رہے ہیں۔ مگر عام طور پر لسانی لہریں

Marfat.com

مشرق کی طرف جاتی رہی ہیں۔ مغربی اور وسطی زبانوں کی حیثیت اکثر و بیشتر معیاری رہی ہے۔ لیکن موریا خاندان کے عروج کے زمانہ میں تہذیب اور زبان کی لہریں مشرق سے مغرب کی طرف بڑھنے لگیں۔ لہٰذا ماگدھی پراکرت کے اثرات شورسینی اور مہاراشٹری پر زمانہ تک پڑتے رہے۔ تاہم خود پالی ایک ایسی اَردھ ماگدھی زبان تھی جس پر مغربی پراکرتوں کا نمایاں اثر پڑا۔ یہ بھی نہایت اہم حقیقت ہے کہ مہاراشٹری پراکرت صرف شورسینی سے فیضیاب نہیں، بلکہ اسی کی ایک شاخ تھی۔

مذکورہ بالا حالات میں یہ کہنا کہ بعد کی اَپ بھرنشائیں، خصوصاً خالص رہی ہوں گی صحیح نہیں۔ ساخت و ترکیب میں یہ بھاشائیں، خصوصاً ان کی ادبی شکلیں قریبی اور دوسری ترقی یافتہ بھاشاؤں سے بہت متأثر ہوتی رہی ہیں۔ راجستھانی پنگل (ادبی شعری) کی زبان، کھڑی بولی سے متأثر رہی۔ برج بھاشا کا اثر دوسری بھاشاؤں پر پڑتا رہا۔ اور وہ خود بھی دوسروں سے اثر قبول کرتی رہی۔ بہار کی میتھلی بھاشا نے بنگالی بھاشا کو متأثر کیا۔ اور خود اس کے اثر میں آئی۔ اسی طرح اودھی اور بھوجپوری نے ایک دوسرے کو متأثر کیا۔ راجستھانی پنگل نے بہت سی بھاشاؤں کی ادبی زبان پر اپنا رنگ جمایا۔ یہاں تک کہ دور دراز کی بنگالی پر بھی (چٹرجی)

اُردو کی پیدائش کے سلسلہ میں یہ بحث کہ اس کا بنیادی لسانی سانچہ کون سا ہے، اہم ضروری ہے۔ اور اس امر کا تعین لازمی ہے۔ لیکن ابتدائی یا بنیادی سانچے کو حد سے زیادہ قطعیت دے دینا صحیح نہیں ہوگا۔ تھوڑی خلط ملط کی گنجائش رکھنی ہوگی۔ کیونکہ قدیم ہند آریائی عہد سے لے کر جدید ہند آریائی زمانہ تک لسانی سانچے خلط ملط ہوتے آئے ہیں اور آج تک ہو رہے ہیں۔

اُردو زبان بھاشا اور فارسی و عربی کے میل سے بنی ہے۔ اس ریختۂ اُردو پر ارتقا کے کئی دور گزرے ہیں۔ میں ان ادوار کا مختصراً جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ میں نے اپنے

۱؎ ملاحظہ ہوں ودلنر، لاؤ اور چٹرجی کی کتابیں۔

۲؎ انڈو ایرین اینڈ ہندی۔ چٹرجی ص ۸۵۔۸۶۔ دکھنی ریختہ بھی کھڑی بولی ہندوستانی، پنجابی ریختہ کی شاخ ہی تھی۔

Marfat.com

کئی مقالوں میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ میں ریختہ یعنی "قدیم اُردو" کی صرف ایک شکل تسلیم نہیں کرتا۔ بلکہ میرا یہ نظریہ ہے کہ جتنی "بھاشائیں" ہند میں تھیں، اتنی ہی ریختائیں بنیں۔ ان مختلف "ریختاؤں" کے عہد کو "اُردوئے قدیم" کا عہد کہنا چاہیے جب کہ اُردو زبان کا لسانی سانچہ متعین نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد اُردوئے وسطیٰ کا عہد آتا ہے۔ پھر اس دور کی تکمیل کے بعد معیاری اُردو کی منزل آتی ہے۔ اور اُردوئے مُلّا کا [illegible] شروع ہو جاتا ہے جو آج تک منتہی ہے۔

ابتدائی اُردو، یا اُردوئے قدیم کا تصور میرے ذہن میں یوں ہے کہ کہ وہ ہند کے ہر خطے میں وہاں کی مقامی بھاشا کے ساتھ عربی و فارسی الفاظ ملتے رہے اور اس آمیزش سے ریختہ کی ابتدائی قماشیں پیدا ہوئیں۔ "دورِ آمیزش" بھی ایک وسیع دور تھا۔ قطعیت کے ساتھ تو کہا نہیں جا سکتا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس عمل میں بھی چند صدیاں لگیں۔ اس کے بعد "دورِ ترکیب" شروع ہوا۔ یعنی ریختائیں اب آمیزہ نہیں مرکب تھیں۔ اس عہد میں بھاشاؤں اور عربی و فارسی کے امتزاج میں اب گاہے گاہے کے میل کی صورت نہیں تھی بلکہ شیر و شکر کے بالکل گھل مل جانے کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ ملکی اور غیر ملکی الفاظ ازدواج کی کامیاب منزل طے کر کے ایک خاندان کے افراد بن گئے تھے اور اب ایک متحدہ کنبہ کی تخلیق ہونے لگی تھی۔ صورت حال یہ تھی کہ پنجابی، ملتانی، پنجابی، ہندوستانی (کھڑی بولی)، برج، راجستھانی، گجراتی، مراٹھی، ہریانی، بندیلی، اودھی، بھوجپوری، مگہی، میتھلی، بنگالی ریختائیں وجود میں آ چکی تھیں۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ نئے ہند آریائی لسانی دور میں بھی ریختہ کی لسانی ابر مغرب سے مشرق کی طرف بڑھی ہے۔ سندھ، پنجاب اور گجرات میں ریختہ کا ریختائی مرکب پہلے تیار ہونا شروع ہو گیا۔ اودھ، بہار اور بنگال میں کچھ عرصہ کے بعد۔ ان مختلف وجوہات سے بعض علاقوں کی یہ بھاشا امتزاج ادھورا رہ گیا۔ اور بعض میں ریختہ کی مانند آ پیدا ہوئی [illegible]

(الف) [illegible] تحقیق و تنقید از اختر [illegible]

(ب) سورداس اور تلسی داس [illegible] تحقیق [illegible]

(ج) اُردو زبان کا ارتقا [illegible] طیف [illegible] ۱۹۵۳ء [illegible]

Marfat.com

کا رواج دیر میں ہوا یا خال خال ہوا۔ ریختاؤں کا مرکب بننے کا عمل اُردوئے قدیم کے مختلف طبقوں میں ہوا اور ایک حد تک اس کے اثرات "اُردوئے وسطیٰ" اور معیاری اُردو تک قائم رہے۔ اسی دور میں لسانی عمل وردِ عمل کا ایک اور پہلو شروع ہوگیا تھا۔ یعنی علاقائی ریختاؤں کو کھڑی بولی کی ریختہ متاثر کر رہی تھی۔ اس سطح پر بھی سارے ملک میں کم و بیش لسانی تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ شہروں اور قصبات میں پہلے اور دیہاتوں میں بہت آہستہ آہستہ۔ اُردوئے وسطیٰ کے دور میں یہ رد اور تیز ہوگئی اور کھڑی بولی پر ہندوستانی ریختہ کا معیاری زبان اور ادبی حیثیت سے غلبہ ہونے لگا۔

میں اُردوئے وسطیٰ کا دور اُسے کہتا ہوں جب ہر لسانی علاقہ[1] میں علاقائی ریختہ کے ساتھ کھڑی بولی ریختہ مل رہی تھی۔ اور ایک ملے جلے رائجوں کی زبان استقبال ہونے لگی تھی، خصوصاً ادب کی تخلیق اور تہذیبی بول چال میں یہ دور بھی تا بدیر سیال حالت میں رہا۔

---

[1] دکن میں ایک حد تک حضرت خواجہ بندہ نواز کے زمانہ میں اُردو کا وسطیٰ دور شروع ہوگیا تھا۔ خود حضرت کے رسالے "معراج العاشقین" کی زبان ملی جلی ہے۔ اُردو شہ پارے، جلد اوّل ص ۱۹، ۲۰ میں ڈاکٹر محی الدین زور لکھتے ہیں:

"لسانی تحقیق کے لحاظ سے یہ (معراج العاشقین) ایک اہم چیز ہے ..... اس کی زبان کئی لحاظ سے قدیم دکنی سے مختلف ہے۔ اس کی صورت کھڑی بولی سے زیادہ متاثر معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کے برخلاف دکنی نثر کی صورت کم و بیش پنجابی سے مشابہ ہے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز نے کوئی ساٹھ برس دہلی میں بسر فرمائے (اور ۸۱۵ھ تک) لازمی طور پر آپ کی تحریر اُس زبان میں ہونی چاہیے، جو وہاں بولی جاتی تھی ..... حضرت خواجہ بندہ نواز کی زبان کھڑی سے متاثر اُردو ہے اور اس کے برخلاف دکنی قدیم اُردو کی قدرتی طور پر ترقی یافتہ صورت، جس میں بہت سی اصلی صفات و خصوصیات موجود ہیں۔"

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے گلبرگہ (دکن) میں توطن اختیار کر لیا تھا۔ نثر اُردو کی تاریخ آٹھویں صدی ہجری سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے نمونے چھوٹے چھوٹے مذہبی صوفیانہ رسالوں کی صورت میں ہیں مثلاً شیخ عین الدین گنج العلم متوفی ۸۰۹ھ کے رسالے اور معراج العاشقین مصنفہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز گلبرگوی (متوفی ۸۲۵ھ)۔

رفتہ رفتہ ہر لسانی علاقہ میں کھڑی بولی ریختہ ادبی اور متمدن سماجی فضا پر چھا گئی اور علاقائی ریختہ محض عوامی زبان کی حیثیت سے مروّج رہی۔ علاقائی اور مقامی ریختائیں ادب العالیہ کی محفل سے اُٹھ گئیں۔ تہذیبی مجلسوں سے بھی چلی گئیں۔ اور صرف لوک ساہتیہ اور دہقانی عوامی بولیوں میں اپنی چھبن دکھانے پر اکتفا کرنے لگیں۔ میں اس دور کو معیاری اُردو کا عہد کہتا ہوں۔ یہ فارم بڑی پیچیدہ منزلوں سے گزر کر مستحکم ہوا ہے۔ اُردو زبان کے ابتدائی سانچے تو کئی ہیں۔ لیکن اس کا معیاری سانچہ کھڑی بولی یعنی بقول گریرسن "ورنکلر ہندوستانی" کی بنیادوں پر قائم ہے۔

زبان کا معیاری سانچہ کیوں پیدا ہوا؟ یہ ایک دلچسپ سوال ہے۔ لیکن اس کا جواب ہندوستان کی لسانی تاریخ سے مل جاتا ہے۔ جب بھی ہندوستان میں کوئی ہندگیر تہذیب قائم ہوئی اور جب بھی ملک کے نظام میں کسی نوع کی مرکزیت پیدا ہوئی تو علاقائی زبانوں میں سے کوئی ایک زبان مختلف اسباب و علل سے آگے بڑھی اور ملک کے بڑے حصہ میں تہذیبی اور معیاری طور پر پھیل گئی۔ ایک زمانہ میں سنسکرت نے یہ فرض انجام دیا۔ پھر شورسینی اور پالی پراکرت نے، پھر مغربی اپ بھرنشوں نے۔ نئے ہند آریائی عہد میں داخل ہونے کے بعد علاقائی بھاشاؤں میں ہندوستان کی قیادت لسانی کے لیے خاموشی سے مقابلہ شروع ہو گیا۔ لیکن یہ مقابلہ بیشتر مغربی بھاشاؤں کے درمیان ہی ہوا۔ اس عبوری دور میں زبانوں کے ہیولے دُخانی حالت میں تھے۔ پھر وہ ملی جلی سیال حالت میں آئے اور رفتہ رفتہ انجماد کا انجماد شروع ہوا۔ کبیر داس کی زبان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت معیاری ہندوستانی زبان کی تخلیق کا خمیر اُٹھنے لگا تھا۔ مگر کبیر کی مقبول زبان ابھی سیال اور پیچ میں تھی۔ اس زبان پر اودھی، کھڑی ہندوستانی اور برج بھاشاؤں کا اثر تھا۔ کبیر کی زبان کے بعد برج بھاشا کریٔ صدارت پر بیٹھ گئی اور آگرہ[1] کی مرکزیت کا سہارا پا کر سارے ہندوستان میں تہذیبی، ادبی اور معیاری زبان پر پھیلی۔ سورداس اور عبدالرحیم خانخاناں جیسے عظیم فن کار اسی زبان میں گائے اور پیش ہونے لگا کہ ہندوستان کی نئی متحدہ عظیم تہذیب کی معیاری زبان کا فیصلہ برج بھاشا کے ہاتھ

---

[1] تاریخ زبان اُردو، ص ۱۰۸ و ۱۰۹ — ڈاکٹر مسعود حسین

Marfat.com

کے حق میں ہوگیا۔ لیکن ابھی تاریخ کو حرف آخر لکھنا باقی تھا۔ آگرہ کی مرکزی زبان کے ساتھ "زبانِ دہلوی" بھی دکن میں ترقی کر رہی تھی اور آخرش دہلی کو آگرہ پر فوقیت حاصل ہوگئی۔ آگرہ، اکبر اور جہانگیر کی راجدھانی تھا اور شاہجہاں نے دلّی کو نئے سرے سے دارالسلطنت بنایا، اور اس واقعہ نے ہندوستان کی لسانی تاریخ کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ اس سبب کے علاوہ اور بھی اسباب تھے جن کے نتیجہ میں "زبان دہلوی" معیاری ہندوستانی زبان بنی۔

"زبان دہلوی" کیا تھی؟ زبان دہلوی کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک مقامی اور دوسری ہندوستان گیر، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے اس عبوری عہد کی کھڑی بولی ہندوستانی روح عہد کی ترجمان بن کر نکھرنے لگی تھی۔ اور وہ بھی پنجابی، برج اور اودھی کے ساتھ ریختہ کا روپ اختیار کر رہی تھی۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ "زبان دہلوی" کوئی منجمد اور ساکن چیز نہیں تھی بلکہ سیال اور متحرک۔ صدیوں میں اس کا معیاری سانچہ متعین ہوا ہے۔

امیر خسرو[1] (متوفی ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء)، شیخ باجن (متوفی ۹۱۲ھ/۱۵۰۶ء) اور ابوالفضل[2] نے "زبان دہلوی" کی منفرد حیثیت تسلیم کی ہے۔

دہلی کا شہر کھڑی بولی، ہریانی (بانگڑو)، برج اور میواتی (راجستھانی) بولیوں کے علاقوں کے مقام اتصال پر واقع ہے۔ راجپوتی عہد میں دلّی کی زبان پر میواتی راجستھانی اثر زیادہ تھا۔ ترکوں کے زمانہ سے لے کر شاہجہاں کے ابتدائی دور تک دہلی کی زبان پر لاہوری، پنجابی اور ہریانی کا اثر زیادہ رہا۔ لیکن ساتھ ساتھ برج اور کھڑی بولی کے اثرات بھی ملے جلے ہوئے تھے۔ تاآنکہ رفتہ رفتہ کھڑی بولی ہندوستانی ریختہ کا رواج سب پر چھا گیا۔ ترک فاتحین کے ساتھ جو زبان دکن گئی تھی وہ پنجابی اور ہریانی سے زیادہ متاثر تھی۔ لیکن اس کی بنیادیں بھی کھڑی بولی سے فیضیاب تھیں۔ یعنی اس عہد کی "زبان دہلوی" ہی دکن گئی تھی نہ کہ پنجابی۔ ہاں "زبان دہلوی" اس وقت تک سیال حالت میں تھی اور اس دور میں دہلی کی ہندوستانی زبان پر پنجابی اثر نمایاں تھا۔

---

[1] تاریخ زبان اردو مسعود حسین ص۱۲۷ بحوالہ تاریخ ہند۔ ایلیٹ اور ڈوسن ص۵۶۱ جلد سوم ضمیمہ

[2] ایضاً بحوالہ نقوش سلیمانی۔

Marfat.com

"زبان دہلوی" کا آخری مہذب سانچہ کھڑی بولی ہندوستانی کا فارم تھا، جو کچھ ترمیم و اصلاح کے بعد اُردو کا معیاری سانچہ بنا، اور مرکز کے علاوہ سارے مُلک میں اس کے سکّے چلنے لگے اور علاقے کے علاقے اس کی قلم رَو میں داخل ہوتے گئے۔

اس امر سے تو کسی کو انکار نہیں کہ اُردو اور ہندی کا معیاری بنیادی سانچہ کھڑی بولی ہندوستانی کی ہی اصلاح یافتہ شکل ہے۔ جولز بلاک، گریرسن، گارساں دتاسی، بیمز سونیتی کمار چٹرجی، محی الدین زور، محمود شیرانی، احتشام حسین، مسعود حسین اور شوکت سبزواری یہ سب مذکورہ بالا صداقت کو مانتے ہیں۔ لیکن قدیم اُردو کے اوّلین فارموں کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ میں اس پر بعد میں مختصر محاکمہ کروں گا۔ پہلے کھڑی بولی کے متعلق تھوڑی وضاحت لازمی ہے۔

شورسینی پراکرت سے شورسینی اَپ بھرنش نکلی۔ اس شورسینی اَپ بھرنش نے مغربی ہندی کو جنم دیا جو سنہ ۱۰۰۰ء کے قریب مستقل لِسانی کیفیت اختیار کر لیتی ہے۔ مگر یہ تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ مختلف بولیوں میں بٹ جاتی ہے۔ شورسینی اَپ بھرنش مغربی ہندی (گریرسن)، اور مَدھ دیشیا (چٹرجی) گویا ہم معنیٰ ہیں۔ چٹرجی نے مَدھ دیشیا بھاشا کی مندرجہ ذیل تقسیم کی ہے۔

شورسینی

قنوجی	بُندیلی	برج بھاشا	ہندوستانی کھڑی بولی	بانگرو یا ہریانی
بالائی	بُندیل کھنڈ	بریلی	انبالہ ضلع سے	جنوب مشرق
دوآبہ	اور	آگرہ	رام پور تک	پنجاب
برج سے	وسطی ہند	متھرا	برج کے علاقہ	
پورب	کا کچھ حصّہ	علی گڑھ	سے شمال	

رام پور، بجنور، مُرآباد آباد، مغربی رہلکھنڈ، میرٹھ، مظفر نگر، سہارن پور، دہرہ دون اور مشرقی انبالہ

گریرسن نے اس کھڑی بولی کو "ورنکلر ہندوستانی" کا نام دیا ہے۔ چٹرجی کے نزدیک شورسینی کی شاخ کھڑی بولی (ہندوستانی) اُردو اور ہندی کا معیاری

Marfat.com

سانچہ ہے۔ (انڈو ایرین اور ہندی صفحہ ۱۹)

اَب میں اُردو کے قدیم ترین فارم کے بارے میں اپنا محاکمہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اُردو کے قدیم بُنیادی فارموں کے سلسلہ میں ڈاکٹر محی الدین زورؔ کی ہندوستانی لسانیات، پروفیسر محمود شیرانی کی پنجاب میں اُردو، ڈاکٹر مسعود حسین کی تاریخ زبان اُردو، ڈاکٹر شوکت سبزواری کی اُردو زبان کا ارتقا، بڑی اہمیت رکھنے والی کتابیں ہیں۔ ان کے علاوہ علاّمہ سلیمان ندوی کا مجموعۂ مضامین "نقوش سلیمانی" اور پروفیسر احتشام حسین کا ترجمہ "ہندوستانی لسانیات کا خاکہ" (بیمز) مسئلہ زیر بحث پر روشنی ڈالنے والی کتابیں ہیں۔ زبان انگریزی میں متعلقہ لسانی مسائل پر معیاری کتابیں گریرسن کی لنگوئسٹک سروے آف انڈیا" اور سونیتی کمار چٹرجی کی "انڈو ایرین اینڈ ہندی" ہیں۔ ڈاکٹر محی الدین زورؔ نے پچھلے دنوں زبان اُردو کے مسئلہ پر ایک مقالہ بعنوان "اُردو اور پنجابی" لکھا ہے (رسالہ نقوش، لاہور جولائی ۱۹۵۲ء) میرے خیال میں چند لسانی نظریے اہم ہیں۔ ڈاکٹر زورؔ اور پروفیسر شیرانی پنجابی کو اُردو کا بُنیادی فارم بتاتے ہیں۔ دوسرا نظریہ ڈاکٹر مسعود حسین کا ہے جو ہریانی (بانگڑو یا جاٹو) کو اُردو کا بنیادی فارم قرار دیتے ہیں۔ تیسرا نظریہ برج بھاشا کو اُردو کا بُنیادی سانچہ بتاتا ہے۔ محمد حسین آزاد نے "آبِ حیات" کے مقدمہ میں اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔ چوتھا نظریہ کھڑی بولی ہندوستانی میں اُردو کا بُنیادی سانچہ پاتا ہے اور معیاری سانچے میں بھی اسی کی ساخت کو کارفرما بتاتا ہے۔ گریرسن، بیمز اور چٹرجی اسی امر کے قائل ہیں۔ علاّمہ سلیمان ندوی سندھی بھاشا میں اُردو کا قدیم ترین فارم ڈھونڈتے اور پاتے ہیں۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری شورسینی کی بجائے پالی کو اُردو زبان کی اصل قرار دیتے ہیں۔

میں اُردو کے قدیم فارم کے بارے میں اپنا خیال پہلے پیش کر چکا ہوں اور اسی سلسلہ میں لسانی نظریوں کا محاکمہ درپیش ہے۔ میری نظر میں اُردو کے قدیم فارم بہت سے ہیں۔ ہر بھاشا سے ریختہ بنی تھی۔ یہ تو تدریجی انکشافات پر منحصر ہے کہ اُردو قدیم کے فارم کہاں کہاں ملتے جاتے ہیں۔ ہاں ارتقائے زبان کے وسطی مرحلوں میں دلّی کے ارد گرد کی بولیوں، ہندوستانی کھڑی بولی، برج بھاشا اور ہریانی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ نیز مختلف لب و لہجے اور سانچے کی پنجابی بولی کی بھی اہمیت ہے۔

Marfat.com

یہ بات پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ پنجابی کے سوا تینوں مذکورہ بولیاں شورسینی اَپ بھرنش کی شاخیں تھیں اور خود پنجابی (مشرقی اور وسطی) پر شورسینی کا اثر مختلف دوروں میں پڑتا رہا تھا۔ عہد وسطیٰ کے بعد رفتہ رفتہ ریختہ کا معیاری سانچہ کھڑی بولی کے فارم کے مطابق ڈھلتا گیا اور کچھ پنجابی اور برج کے سانچوں کے درمیان مفاہمت قبول کرتا گیا۔ اُردو زبان کا معیاری سانچہ سو فیصد کھڑی بولی (درنکلر ہندوستانی) کے مطابق نہیں۔ ہاں اُردو کے معیاری سانچے کی ساخت بہت زیادہ کھڑی بولی سے مُطابقت رکھتی ہے۔ کچھ اثرات پنجابی اور برج کے ہیں۔ کچھ متمدّن مراکز اُردو کی تراش و خراش، ترمیم و اضافہ، کھراد اور پالش ہے۔

برج بھاشا کی بُنیادی اہمیت کا نظریہ اب منظر پیش میں نہیں رہا۔ زورؔ و شیرانی کا نظریہ اور مسعود حسین کا نظریہ زیادہ توجہ کے قابل ہے۔

زورؔ صاحب کا جدید ترین خیال حسب ذیل ہے:

"زبان اُردو کا پنجابی سے جتنا قدیم اور جتنا گہرا تعلق ہے۔ اتنا کسی اور زبان سے نہیں ..... بعض لوگ غلط فہمی یا مقامی تعصب کی وجہ سے اُردو کو ہندی یا سندھی یا برج بھاشا یا کھڑی بولی کی بیٹی سمجھ لیتے ہیں۔"

(نقوش، لاہور، جولائی ۵۰ء)

ڈاکٹر زورؔ نے پروفیسر شیرانی کی کتاب "پنجاب میں اُردو" اور اپنی تحقیقات کا حوالہ دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اُردو سرزمین پنجاب میں پیدا ہوئی اور اس نے وہیں لسانیاتی نشو و نما حاصل کیا۔ یہاں تک کہ وہ اسے مستحکم اور مسلم الثبوت نظریہ بتاتے ہیں۔ میرا مطالعہ یہ ہے کہ پروفیسر شیرانی نے کہیں بھی یہ نہیں [illegible] کا معیاری سانچہ پنجابی بھاشا کے سانچے سے لیا گیا ہے۔ لیکن اُردو [illegible] وہ پنجابی بھاشا کو بُنیادی ضرور قرار دیتے ہیں۔ شیرانی [illegible] پنجاب کے اثرات اُردو کے قدیم [illegible] تسلیم کرتے ہیں کہ وسطی اور [illegible] اُردو [illegible] پنجابی اثر [illegible]

"ظاہر ہے کہ اُردو اور پنجابی زبانوں [illegible] تھا۔ رفتہ رفتہ اُردو زبان [illegible]

نیز یہ کہ :

" دہلی میں یہ زبان برج اور دوسری زبانوں کے دن رات کے باہمی تعلقات کی بنا پر وقتاً فوقتاً ترمیم قبول کرتی رہتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ اُردو کی شکل میں تبدیلی ہوتی جاتی ہے۔"

قدیم اُردو میں پنجابی اثرات سے کون انکار کر سکتا ہے۔ سندھ کے بعد پنجاب ہی وہ علاقہ ہے جہاں مقامی بھاشا میں "ریختہ پن" پیدا ہوا ہوگا۔ بلکہ قاسمیوں سے زیادہ غزنویوں کے عہد میں ملی جلی زبان کی ترکیب، تشکیل اور ترویج ہوئی ہوگی۔ پھر سندھ، گجرات یا مالا بار کے اثرات وہیں تک رہے وہ براہ راست اتنی وسعت اور شدت کے ساتھ دلی، دکن، اور ہند کے دوسرے علاقوں میں نہیں پہنچے جتنے پنجاب کے اثرات پہنچے۔ غوریوں، تغلقوں اور خلجیوں کے دور میں پنجابی ریختہ کا دباؤ دلی، دکن اور بہار نے محسوس کرنا شروع کیا۔ مگر یہ یاد رہے کہ پنجابی ریختہ منجملہ اور ریختاؤں کے ایک ریختہ ہے۔ پنجابی بھاشا سے کم سہی لیکن دوسری بھاشاؤں میں بھی ریختہ پن پیدا ہونا شروع ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کا تہذیبی اثر اُن کے سیاسی اثر سے زیادہ وسیع تھا۔ پرتھی راج راسو میں عربی و فارسی الفاظ ملتے ہیں۔ غرض یہ کہ ہر بھاشا کی ایک ریختہ بنی۔ اور ہر ریختہ کا اپنا علیحدہ وجود ہے۔ پھر یہ ریختائیں خلط ملط ہوئیں اور اس اختلاط و امتزاج کے لیے دلی کا شہر سب سے بڑا معمل تھا۔ پروفیسر محمود شیرانی کو خود ان باتوں کا احساس ہے۔ مگر ارتقائے اُردو کا صاف نقشہ اُن کے تصور میں نہیں۔ وہ لکھتے ہیں :

" ساتویں صدی ہجری میں اس میں وہ خصوصیات نظر آتی ہیں جو ایک طرف اس کو پنجابی سے اور دوسری طرف برج سے ممیز کرتی ہیں۔" (پنجاب میں اُردو)

" پنجاب میں اُردو" کے اقتباسات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیرانی بھی آخر یہ ماننے پر مجبور ہوئے ہیں کہ پنجابی ریختہ اور "اُردو کی شکل" میں فرق نمایاں ہے۔ نیز یہ کہ زبان اُردو کا آخری معیاری سانچہ کئی منزلوں اور مرحلوں کے بعد جا کر معین و مشخص ہوا ہے۔

ڈاکٹر محی الدین زور کے ہاں تھوڑا تضاد اور ابہام ہے۔ نقوش، لاہور والے مقالہ "اُردو اور پنجابی" میں وہ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں :

Marfat.com

"اُردو، ہندی اور پنجابی تینوں زبانوں کے ارباب کو معلوم ہوگا کہ یہ تینوں زبانیں باہم دگر کتنی پیوست ہیں۔ اور یہ کہ سرزمین پنجاب نے ہندی اور اُردو کی شکل میں ہندوستان اور پاکستان کو کیسی عظیم الشان نعمتیں عطا کی ہیں۔"

زورؔ صاحب "ہندوستانی لسانیات" میں فرماتے ہیں:

"اُردو کا سنگِ بُنیاد دراصل مُسلمانوں کی فتح دہلی سے بہت پہلے رکھا جاچکا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے اس وقت تک ایک مستقل زبان کی حیثیت نہیں حاصل کی جب تک مُسلمانوں نے اس شہر کو اپنا پائے تخت نہ بنالیا۔ اُردو اس زبان سے مشتق ہے جو بالعموم نئے ہند آریائی دَور میں اُس حِصّۂ مُلک میں بولی جاتی تھی جس کے ایک طرف عہد حاضر کا شمال مغربی سرحدی صوبہ ہے۔ اور دوسری طرف الٰہ آباد ....." (ہندوستانی لسانیات ص۸۸-۸۹)

اِس بیان میں کتنا ابہام ہے۔ اودھ چیہ، مدھ دیشیا اور پراچیہ بھاشاؤں میں ہمیشہ فرق رہا ہے۔ یہ فرق نئے ہند آریائی دَور میں مٹا نہیں۔ صوبہ سرحد اور مشرقی اُتر پردیش میں بڑا فرق ہے۔ مگر آگے چل کر زورؔ صاحب اکثر محققین کے خیال سے متفق ہوجاتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"شمالی ہندوستانی پر کھڑی کا ایسا گہرا اثر مرتسم ہوا کہ اس کی بہت سی ابتدائی یا اصلی خصوصیتیں مفقود ہوگئیں اور جو کچھ باقی رہیں۔ وہ مسخ شدہ حالت میں ہیں۔" (ہندوستانی لسانیات)

زورؔ صاحب پنجابی اور کھڑی کے ابتدائی فرق کے بارے میں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ "ابتدا میں وہ صرف ایک تدریجی تغیر ہوگا۔" (لسانیات ص۸۹)

پھر لکھتے ہیں:

"اُردو، نہ تو پنجابی سے مشتق ہے اور نہ کھڑی بولی سے۔ بلکہ اُس زبان سے جو ان دونوں کی مشترک سرچشمہ تھی اور یہی وجہ ہے کہ وہ بعض باتوں میں پنجابی سے مُشابہ ہے اور بعض میں کھڑی سے۔ لیکن مُسلمانوں کے صدر مقام صدیوں تک دہلی اور آگرہ رہے ہیں۔ اس لیے اُردو زیادہ تر کھڑی بولی ہی سے متاثر ہوتی گئی۔" (لسانیات ص۸۹-۹۰)

Marfat.com

نیز لکھا ہے کہ :

" اُردو پر بانگڑو یا ہریانی زبان کا بھی قابل لحاظ اثر ہے " (ص۹)

مذکورہ بالا اقتباسات پر غور کرنے سے زورؔ صاحب کے بیانات میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت حال تک پہنچ جانے کے باوجود وہ اُردو کو پنجابی مصدر سے نکلتا ہوا بتاتے اور دوسرے قدیمی متبعوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

اب میں مسعود حسین کے نظریہ سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔ میں مسعود حسین کے نظریہ کو زورؔ اور شیرانی کے نظریہ کا مصلح قرار دیتا ہوں۔ لیکن انھوں نے بھی ترازو کے دوسرے پلّے پر زیادہ زور ڈال دیا ہے۔ " مقدّمۂ تاریخ زبانِ اُردو" میں مسعود حسین لکھتے ہیں :

" مُسلمان پنجاب سے فارسی آمیز یا جدید پنجابی بولتے دہلی میں داخل ہوتے ہیں۔ دہلی میں اور اس کے آس پاس ان کی مڈبھیڑ کئی بولیوں سے ہوتی ہے۔ آس پاس کے علاقوں میں ایک طرف پرانی ہریانی اور دوسری طرف پُرانی کھڑی بولی، بولی جاتی تھی۔ چونکہ کسی قدیم زمانہ میں مشرقی پنجابی خود انھیں دونوں بولیوں کے زیر اثر پیدا ہوئی تھی۔ اس لیے پنجابی بولنے والوں کو برج بھاشا کی بہ نسبت کھڑی بولی اور ہریانی اپنے سے زیادہ قریب دکھائی دی۔ انھوں نے اس کی صوتیات اور صرف و نحو کو پنجابی سے ملتا جُلتا پایا۔ اس لیے ان کی نظر انتخاب (غیر شعوری طور پر) برج کی بجائے انھیں بولیوں پر پڑی جسے وہ بہت جلد بولنا سیکھ گئے۔ اور جس کی ابتدائی شکل کو انھوں نے اپنے پنجابی لب و لہجہ اور محاورے سے متأثر بھی کیا۔ اُردو کی تہہ میں جو بُنیادی بولی ہے اس کا تعلق تو نواحِ دہلی ہی سے ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ سلاطین دہلی کے عہد میں اس پر اہل پنجاب کی زبان کا گہرا اثر رہا ہے۔ جس کی وجہ سے دو تین صدیوں تک اس کا اپنا کینڈا متعین نہ ہو سکا اسی خام اور غیر متعین زبان کو مُسلمان دکن[1] لے گئے جہاں کچھ عرصے

---

[1] " جب شمال کے مُسلمانوں نے دکن پر حملہ کیا تو وہاں ان کے ساتھ وہی زبان گئی جو ابھی خام تھی۔ اور جس پر نواحِ دہلی کی زبان کا پورا اثر پڑنے نہیں پایا تھا۔ یہ غیر پختہ زبان دکن میں پھیل گئی اور بالکل نئے (باقی صفحہ ۴۴ پر)

Marfat.com

بعد اجنبی زبانوں کے ماحول میں اس کا اپنا معیار قائم ہو جاتا ہے۔" (ص ۱۳۸-۱۳۹)

پھر لکھتے ہیں:

سلاطین دہلی کے ابتدائی عہد میں چونکہ فوج میں پنجابیوں کی کثیر تعداد تھی، اس لیے سرزمین پنجاب کے لسانی اثرات حاوی تھے۔ لیکن بہت جلد بازار کی زبان فوج پر حاوی آگئی۔ جہاں تک بازار کی زبان کا تعلق ہے۔ تحقیق سے کہا جا سکتا ہے کہ اس پر دہلی کے جمنا پار والے مضافات کا اثر غالب رہا ہے۔"

(مقدمہ تاریخ زبان اردو ص ۱۴۲، بحوالہ پروفیسر جولیس بلاک: بلیٹن اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز جلد ۵-۱۹۲۸)

نیز یہ کہ:

"موجودہ پنجابی ایک "ملواں"[1] زبان ہے جو دوآبہ کی بولیوں کے زیر اثر بہت بعد کو ظہور پذیر ہوئی ہے۔ اور جس کے مقابلہ میں متھرا، دہلی اور ہریانہ علاقوں کی بولیاں زیادہ قدیم ہیں۔ یہ بڑی دلچسپ حقیقت ہے کہ قدیم اردو کی جن خصوصیات کو پنجابی سے منسوب کیا جاتا ہے، وہ دراصل اس قدیم زبان کی خصوصیات ہیں جسے ہم اپ بھرنش کی جدید شکل کہہ سکتے ہیں اور جو کسی زمانہ میں راجپوتوں کے سیاسی اقتدار کے تحت شمالی ہند کی مسلمہ ادبی زبان بن گئی تھی۔" (ص ۱۴۵)

میرے خیال میں اس تحقیقات پر زیادہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ بازار دہلی پر ہریانہ کا اثر زیادہ تھا۔ مسعود حسین پہلے تو فوج پر پنجابیوں کا اثر زیادہ مانتے ہیں۔ اور بعد میں پروفیسر جولیس بلاک کا یہ قول پیش کرتے ہیں کہ سلاطین دہلی کے لشکر میں پنجابیوں سے زیادہ ہریانہ[2] علاقہ کے جنگی اور اکھڈ لوگوں کی تعداد تھی۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے پاس

(باقی ص ۴۴ کا) اصول پر نشو و نما پانے لگی۔ وہ ان اثرات سے محروم رہی جو شمال میں اردو کی تشکیل کر رہے تھے اور جن کی وجہ سے وہاں مسعود رفتہ رفتہ کھڑی بولی سے قریب ہوتی جا رہی تھی۔

[1] گریرسن نے بھی مشرقی پنجابی کو ملواں زبان قرار دیا ہے۔ لسانی تبصرہ ہند: جلد نہم حصہ اول ص ۱۶۴

[2] بلیٹن اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز لندن، ۱۹۲۸-۱۹۲۹

ایسے کون سے تاریخی دلائل ہیں جن سے تشفی بخش طور پر یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ سلاطین دہلی کے عہدوں میں کب کون سے علاقے کے لوگ فوج شاہی میں زیادہ تھے۔ خود ہریانہ کا علاقہ جنوب مشرقی پنجاب میں واقع ہے۔ لسانیاتی اثرات کے اعتبار سے ہریانہ پر مشرقی پنجاب کی دوسری بولیوں کا اثر ضرور پڑتا رہا ہوگا۔ خود مسعود حسین لکھتے ہیں :

" جمنا پار کر کے پنجاب میں داخل ہوئے تو جنوب سے شمال کی طرف جو اضلاع ملتے ہیں، حسب ذیل ہیں : دہلی، کرنال، انبالہ، ... دہلی (قطع نظر شہر دہلی) اور کرنال کے اضلاع کی زبان ہندوستانی نہیں ہے۔ یہاں مغربی ہندی کی ایک دوسری بولی جس کا نام بانگڑو یا جاٹو ہے، بولی جاتی ہے۔ اس پر راجستھانی اور پنجابی کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ ضلع انبالہ تک پہونچتے پہونچتے راجستھانی کے اثرات زائل ہو جاتے ہیں۔" (ص ۹۳)

مسعود حسین مشرقی انبالہ اور پٹیالہ کی بعض تحصیلوں کی زبان کو ہندوستانی بتلاتے ہیں جو پنجابی سے بہت زیادہ متاثر ہو گئی ہے۔ اس کے باوجود وہ اس خیال کی تکرار کرتے ہیں کہ " قدیم اُردو جمنا پار کی ہریانہ بولی سے قریب تھی "۔ مشرقی پنجابی اور ہریانی میں بہت سی متحد باتیں تھیں۔ اُردوئے قدیم کی بعض شکلوں پر پنجاب کا براہ راست اثر ہے یا ہریانہ کے واسطے سے یہ کہنا مشکل ہے۔ بہرحال اُردو کے معیاری فارم پر کھڑی بولی کے ٹھپّہ کو مسعود حسین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ دراصل اٹل اور ناقابلِ ترمیم بات اس سلسلہ میں اس لیے نہیں کہی جا سکتی کہ عصر قدیم میں بولیاں آپس میں خلط ملط تھیں اور " دہلی کے نواح کی بولیوں (ہریانی اور ہندوستانی) کے قدیم نمونے ناپید ہیں"۔ مسعود حسین بھی اور دوسری بھاشاؤں سے بنے ہوئے اُردو کے قدیم نمونوں کی طرف سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ لیکن حقیقت اپنی طرف بہرحال کھینچتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ :

" دراصل اُردو زبان کے ارتقا کے سلسلہ میں دارالسلطنت آگرہ اور برج بھاشا نے جو حصّہ لیا ہے اس پر بہت ہی کم زور دیا گیا ہے۔ اُردو زبان اور اس کے محاورے اور تلفظ کی وہ نئی شکل جس کی تکمیل بعد کو لکھنؤ جا کر ہوئی ہے۔ اُس کا بیج آگرہ ہی میں اکبر کے عہد میں ڈال دیا گیا تھا "۔

محمد حسین آزاد اور نصیر حسین خیال نے تو برج ہی کو بُنیاد اُردو کہا۔ بات یہ ہے کہ

ماہرین افراط و تفریط کے شکار ہوگئے ہیں۔ بعد کے اہل نظر ایک معیاری حقیقت تک پہنچے بھی ہیں تو اُن میں سے اکثر ارتقائے اُردو کے مختلف مرحلوں، منزلوں اور مقاموں میں سے کسی ایک کی طرف زیادہ ریجھ گئے ہیں۔

قدیم اُردو کے ارتقا کی مرکب در مرکب قماش کو سمجھنے کے لیے "دکنی" کا مُطالعہ بھی ضروری ہے۔ دکنی زبان کے متعلق اس امر میں کسی کو اختلاف نہیں کہ وہ شمال ہندوستان سے ہی اُس دیار میں گئی تھی۔ مگر بعض باتیں تشریح طلب ہیں۔ اُردوئے قدیم کو اہل دکن "زبان دہلوی" بھی کہتے ہیں۔ "ریختہ" بھی "دکنی" بھی، اور "زبان ہندوستان" بھی۔ مُلاحظہ ہو:

"آغاز داستان، زبان ہندوستان۔ نقل۔ ایک شہر تھا۔ ان کا ناؤ سیستاں۔
اس سیستاں کے بادشاہ کا ناؤ عقل دین و دنیا کا تمام کام اس لیے چلتا۔
اس کے حکم باج ذرا کیں نہیں ہلتا۔۔۔۔۔" (سب رس: وجہی ص۱۶)

شیرانی کہتے ہیں کہ:

"ایک دلچسپ امر یہ ہے کہ جب اہالی دکن نے اُردو کا نام دکنی رکھا۔
اہالی گجرات نے اس کا نام "گجراتی" یا "گوجری" رکھ دیا۔"

میرے خیال میں اس امر کی بُنیادی وجہ موجود تھی۔ یعنی یہ کہ ہندوستانی ریختہ کا اثر دکنی یا گجراتی ریختہ کی زمین پر ہی پڑا تھا اور عہد وُسطیٰ تک مقامی اثرات صاف نظر آتے تھے۔ کہیں تیسری منزل پر پہنچ کر کھڑی بول ہندوستانی کا غلبہ ہوا ہے۔ یہ تیسری منزل ہر علاقے میں الگ الگ وقتوں میں آئی ہے۔

سب رس کے مقدمہ میں مولانا عبدالحق یوں رقمطراز ہیں:

"اگرچہ وجہی گولکنڈہ کا ہے۔ اور گولکنڈہ اور حیدرآباد، تلنگانے میں ہیں
لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ مرہٹی مثل تو ایک جگہ لکھتا ہے۔ اور ایک
آدھ گجراتی لفظ اور شعر بھی استعمال کرتا ہے۔ مگر کہیں تلنگی مثل یا فقرہ یا
لفظ (سوائے دیا یا درائی کے جس کے متعلق ابھی مجھے شُبہ ہے) اس کتاب
میں نہیں آیا۔ اہل ہند سے مُراد مُصنف کی ہمیشہ شمال ہند والے ہیں مثلاً
ایک جگہ لکھتا ہے: "بقول اہل ہند" پیا ساکیا منگتا پانی۔ اسی طرح جب

Marfat.com

اہل دکن کی مثل یا قول کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے تو لکھتا ہے: "جون دکھن میں چلیا ہے" (ص۱۳۶) یعنی جیسا دکن میں مشہور ہے یا "مثلاً ہے دکن میں" (ص۱۵۶) یا دکنی دُھرا (ص۲۲۶) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مُصنّف شمالی ہند اور دکن کی زبان میں فرق کرتا ہے۔" (مقدمہ سب رس ص۴۵)

اِس فرق کی تین وجہیں ہو سکتی ہیں۔ اوّل تو یہ کہ دکن کی زبان پر مرہٹی اور گجراتی بھاشاؤں کا اثر تھا اور دوسرے یہ کہ غالباً اس وقت تک شمال ہندوستان کی اُردو پر سے پنجابی اثر کم سے کم ہو گیا تھا۔ اور دکن میں ابھی تک پنجابی اثر کافی موجود تھا تیسرے یہ کہ ہر علاقہ میں مقامی کہاوتیں مروّج ہوتی ہیں۔ عبدالحق صاحب کو تلنگی اثر نہ ہونے پر تعجب ہے۔ لیکن یہ بات کوئی ایسے تعجب کی بھی نہیں۔ دکن میں مرہٹواری علاقہ ہی شمال کا اثر زیادہ قبول کر سکتا تھا۔ خصوصاً شورسینی زبان کی شاخوں کا اثر، کیونکہ مرہٹی خود کسی قدیم شورسینی کی شاخ تھی اور تلنگی ڈراوری زبان ہونے کی وجہ سے شمال ہند کی زبان سے میل نہیں کھا سکتی تھی۔ یوں تلنگی کا ہلکا پُھلکا اثر ہو سکتا تھا۔ میرے خیال میں دراصل مرہٹی بھاشا سے بنی ہوئی ریختہ جس پر پنجابی اور کھڑی بولی ہندوستانی ریختاؤں کے اثرات پڑے "دکنی" کہلائی اور گجراتی بھاشا سے پیدا شدہ ریختہ جس پر کچھ پنجابی، ہریانی کھڑی بولی ہندوستانی اور راجستھانی اثرات پڑے "گجراتی" یا "گوجری" کہلائی۔ یہ سب قدیم اُردو کی مختلف شکلیں ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شمال ہندوستان خصوصاً دہلی سے جو زبان دکن گئی وہ کئی رشتہ دار بولیوں کا آمیزہ تھی۔ صرف پنجابی آمیز دہلوی یا ہندوستانی یا ہریانی نہ تھی۔ خود مسعود حسین آخرش یہ لکھتے ہیں:

"ممکن ہے کہ دکن میں بھی شمالی ہند کی ایک بولی نہ گئی۔ بلکہ کئی بولیاں پہنچی ہوں جن کی آمیزش سے بعد کو وجہی اور قلی قطب شاہ کی معیاری دکنی

لہ (i) دکنی پر مرہٹی و گجراتی اثر۔ نوائے وقت، بمبئی (ii) مرہٹی کے بعض اسماء حروف اور افعال دکنی میں مستعمل ہیں۔ مثلاً کیتک = کئی ایک، بسلا = بیٹھا، بسلانا = بیٹھانا، نکو = نہیں۔ یا نفی اور تاکید کے لیے "چ" کا استعمال ....." (تاریخ زبان اُردو، مسعود حسین ص۷۰)

لہ ڈاکٹر من موہن گھوش کے حوالہ سے چٹرجی نے اپنی کتاب "انڈو ایرین اینڈ ہندی" ص ۸۵-۸۶ میں مذکورہ خیال کا اظہار کیا ہے

Marfat.com

متشکل ہوتی ہے۔" (تاریخ زبان اُردو ص۲۵۶)

وجہی اور قطب شاہ کے بہت پہلے سے دکنی کا ارتقا ہو رہا تھا۔ اس قدیم دور میں مرہٹی کی نیو پر مرہٹی ریختہ بنی اور بعد ازاں شمال ہند کی بولیوں کی آمیزش سے عہد وسطیٰ کی دکنی بنی جسے پھر معیاری اُردو نے اپنے مقام سے ہٹایا۔ مشکل یہ ہے کہ جو لسانی نمونے ملتے ہیں وہ ادبی ہیں۔ قدیم ترین دکنی بول چال کی زبان کا سُراغ نہیں ملتا۔ لیکن موجودہ مرہٹی بولیوں کے مُطالعہ سے بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا ہے، جن میں ریختہ پن موجود ہے لیکن دکنی دیر تک کھڑی بولی کے اثرات سے نہ بچ سکی۔ ولی کے عہد تک کھڑی کا غلبہ دکن میں بھی ہو گیا۔

ڈاکٹر زور نے علامہ سُلیمان ندوی کے بعض مقالوں پر تبصرہ کیا ہے۔ جس میں پیدائش وارتقائے اُردو سے بحث ہوئی ہے۔ میں یہاں پر اس تبصرہ پر بھی تنقید کرنی چاہتا ہوں۔

علامہ سُلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ:

"قرین قیاس یہی ہے کہ جس کو ہم آج اُردو کہتے ہیں، اس کا ہیولیٰ اس وادیٔ سندھ میں تیار ہوا ہوگا۔" (نقوش سلیمانی ص۳۱)

نیز یہ کہ

"یہ مخلوط زبان سندھ، گجرات، اودھ، دکن، پنجاب اور بنگال ہر جگہ کی صوبہ دار زبانوں سے مل کر ہر صوبہ میں الگ الگ پیدا ہوئی۔" (نقوش سلیمانی ص۲۵)

ان بیانات کے متعلق ڈاکٹر زور لکھتے ہیں:

"واضح ہو کہ مولانا سلیمان ندوی کے یہ عجیب وغریب و متضاد بیانات "پنجاب میں اُردو" اور "ہندوستانی لسانیات" کی اشاعت کے بعد شائع ہوئے ہیں۔ جن میں اس مسئلہ کو پوری طرح واضح کر دیا گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے ان تحقیقی اور لسانیاتی کتابوں کے مُطالعہ کی زحمت ہی گوارا نہ فرمائی۔" (نقوش، لاہور، جولائی ۱۹۵۲ء)

میرے خیال میں مولانا سُلیمان ندوی کے بیان میں کوئی تضاد نہیں۔ وضاحت و تشریح کی کمی ضرور ہے۔ پنجابی ریختہ کی اہمیت مُسلم، مگر اس میں کیا شک ہے کہ سندھی ریختہ

Marfat.com

کو پنجابی ریختہ پر تقدم حاصل ہے، خصوصاً نئے ہند آریائی عہد میں۔ کیونکہ عربی و فارسی بولنے والے پہلے پہل باضابطہ طور پر سندھ میں آئے اور دو سو سال تک جم کر رہے۔ سندھی بھاشا پر عربی و فارسی اثرات پڑے۔ لہٰذا یہ کہنا دور از قیاس نہیں کہ نئے ہند آریائی دور کے لگ بھگ اُردو کا ہیولیٰ سندھ میں بنا۔ عین ممکن ہے کہ یہ "ریختہ" کا اوّلین ہیولیٰ ہو۔ مولانا سلیمان ندوی نے کافی تاریخی دلائل پیش کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

"اس تشریح سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مُسلمانوں کی عربی وفارسی سب سے پہلے ہندوستان کی جس دیسی زبان سے مخلوط ہوئی وہ سندھی اور ملتانی ہے۔ پھر پنجابی اور بعد ازاں دہلوی۔ سندھی پر اس اختلاط کی شہادت آج بھی اسی طرح نمایاں ہے . . . . . .
سندھی، ملتانی اور پنجابی آپس میں بالکل ملتی جلتی ہیں . . . . . .
. . . . . واقعہ یہ ہے کہ موجودہ اُردو ان ہی بولیوں کی ترقی یافتہ اور اصلاح شدہ شکل ہے۔ یعنی جس کو ہم اُردو کہتے ہیں اس کا آغاز ان ہی بولیوں میں عربی و فارسی کے میل سے ہوا، اور آگے چل کر دارالسلطنت دہلی کی بولی سے، جس کو دہلوی کہتے ہیں۔ مل کر معیاری زبان بن گئی اور پھر دارالسلطنت کی بولی معیاری زبان بن کر تمام صوبوں میں پھیل گئی۔"

(نقوش سلیمانی ص۳۴)

یہ واضح ہے کہ مولانا سلیمان ندوی نے اُردو کے "ریختہ پن" والے پہلو پر زور دیا ہے اور اس کے معیاری سانچے کے بارے میں یہاں کچھ نہیں لکھا۔ انھوں نے ارتقائے زبان کی منزلیں غلط طور پر نہیں پیش کیں۔ لیکن زبان کی مختلف منزلوں خصوصاً منزلِ دہلی کی تماش و ساخت سے بحث نہیں کی۔ میں نے پچھلے صفحات میں حتی الوسع اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے۔ ڈاکٹر زور نے مولانا سلیمان ندوی کے بیانات کو اچھی طرح نہیں سمجھا۔ آخر الذکر نے ارتقائے اُردو کی کئی سچائیاں پیش کی ہیں۔ مگر مجھے علّامہ موصوف سے تھوڑا سا اختلاف ہے۔ اوّل تو میرا یہ خیال ہے کہ عربی و فارسی الفاظ مسلمانوں کے منظرِ عام پر آنے سے بہت پہلے ہی بھاشاؤں سے ملنے لگے تھے بلکہ یہ عمل پراکرتوں کے دور سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ ہندوستان کے سرحدی اور ساحلی علاقوں میں عمل

Marfat.com

امتزاج تیز تر رہا تھا۔ علامہ ندوی نے خود عرب و ہند کے تعلقات قبل از اسلام پر ایک تحقیقی کتاب لکھی ہے۔ یہ عمل دو طرفہ تھا۔ قرآن حکیم میں ہندی[1] الاصل الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ دوسرا اختلاف مجھے یہ ہے کہ اسلام کے بعد جب عربی و فارسی بولنے والوں کے اثرات بھاشاؤں پر پڑنے لگے تو وہ کسی ایک علاقہ میں محدود نہیں رہے۔ وقتاً فوقتاً ایک علاقہ مرکز کی حیثیت ضرور اختیار کر گیا۔ لیکن خالص سیاسی وجوہات کی بنا پر نہ صحیح، سماجی و تہذیبی اثرات کے تحت ہی سارے ملک میں کم و بیش مخلوط زبان پیدا ہونے لگی۔ لہٰذا میں اس باب میں قطعی قسم کی اوّلیت کا قائل نہیں۔ بعض خطّوں کی اہمیت کا اقرار ضرور کرتا ہوں۔ تیسرا اختلاف مجھے یہ ہے کہ معیاری اُردو کا سانچہ اس معنی میں ہرگز دہلوی نہیں کہ وہ اُس علاقہ کا تھا جس میں شہر دہلی آباد ہے۔ دہلی کا شہر، جیسا ذکر ہو چکا ہے، کئی علاقوں کے سنگم پر آباد تھا اور پھر مختلف دَوروں میں اس کا جائے وقوع بدلتا رہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں اُردو کے معیاری سانچے کو دہلوی کہنے لگے اور اس شہرِ تمدّن و علم میں یہی کھڑی بولی کا سانچہ صدر مملکت ہوا۔ ان اہم امور کی وضاحت کرنی تھی، سو علامہ موصوف نے نہیں کی۔ یہ صحیح ہے کہ آخر الامر کھڑی بولی پر ڈھلی ہوئی زبان کو صدارت، قیادت اور عمومیت نصیب ہوئی۔

بہرکیف مذکورہ گزارشات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر زور نے صحیح فیصلہ نہیں فرمایا۔ اُردوئے قدیم کے سلسلہ میں سندھ کی اہمیت بھی مُسلّم ہے۔ مگر دوسرے خطّوں کی اہمیت بھی قابلِ لحاظ ہے۔ "اُردوئے قدیم" ہندوستان گیر طور پر پیدا ہوئی اور "معیاری اُردو" کا بُنیادی سانچہ بیشتر ہندوستانی کھڑی بولی ہے جو مختلف تہذیبی مراکز میں نکھر، سنور، سج کر محبوبِ عالم ہوئی۔ سونیتی کمار چٹرجی جیسا مُسلّم الثبوت ماہرِ لسانیات بھی کھڑی بولی (ہندوستانی) کو اُردو ہندی کا بنیادی اور معیاری سانچہ قرار دیتا ہے۔ مُلاحظہ ہوں چٹرجی کی دو معرکہ آرا کتابیں "بنگالی زبان

---

[1] عرب و ہند کے تعلقات قبل از اسلام۔ علامہ ندوی ص۱۰۰

بحوالہ ابن حجر و حافظ سیوطی۔ مثلاً "مسک" (موشکا ہندی سے بہ معنی "مشک") "کافور" (کپور ہندی سے بہ معنی کافور) اور "زنجبیل" (زنگ بیرا، ہندی سے بہ معنی ادرک)

کا آغاز و ارتقا " (۱۹۲۸ء) اور " ہند آریائی اور ہندی " (۴۲-۴۰ء)۔ اپنے مذکورہ مقالہ میں زور صاحب نے چٹرجی کے جو حوالے دیے ہیں اُن سے صرف اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ پنجابی اور کھڑی بولی ہندوستانی ایک ہی منبع و مصدر سے نکلی ہوئی بھاشائیں ہیں اور اُن میں قریبی رشتہ ہے۔ اور یہ کہ بعد میں اُردوئے قدیم کے مختلف نمونوں پر پنجابی کا اثر پڑتا رہا ہے۔ اِن سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ "چٹرجی پھر اُردو کا اصلی وطن پنجاب ہی کو قرار دینے کی طرف مائل ہوتے ہیں"۔ (زور) اس کے برخلاف وہ نہایت واضح طور پر شورسینی کی ہندوستانی بولی شاخ کو اُردو اور ہندی کا بنیادی سانچہ اور ہیئت قرار دیتے ہیں۔

" پس ہمیں ایک عام پسند و عام فہم زبان مل گئی۔ جو مغربی ہندی کی "آ" بولی سے ترقی پاکر تیرہویں صدی میں اور اس کے بعد بنی تھی۔ اِس پر ابتدائی پنجابی کا اثر بھی تھا۔ اس کی ایک شکل کا سنجیدہ ادبی استعمال سولہویں صدی میں دکن میں ہوا۔ اور اس نے برج بھاشا سے مل کر شمال ہند کے مستقبل کی ادبی زبان کو اس کی مختلف مرکزی ہیئتوں میں سے ایک ہیئت عطا کی"۔ (انڈو ایرین اینڈ ہندی ص۱۹)

اُردو زبان کی اصل کے بارے میں تازہ ترین کتاب ڈاکٹر شوکت سبزواری کی اُردو[1] زبان کا ارتقا" ہے۔ سبزواری کی تحقیقات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) " تمام اپ بھرنشوں کا ماخذ ادبی پراکرتوں کو بتانا اس اور حقیقت دونوں کے خلاف ہے"۔ (ص۳)

(۲) " اُردو جس اپ بھرنش سے نکلی ہے اس کا ذکر ہیم چندر نے اپنی گرامر میں کیا ہے۔ اس اپ بھرنش میں اسماء و صفات اُردو کی طرح ا، ا، پر منتہی ہوتے تھے"۔ (ص۸۲)

(۳) " شورسینی برج بھاشا کی ایک قدیم تر صورت ہے، یہ درست ہے۔ لیکن "برج ہندوستانی کی بہن ہے" یہ غلط ہے، اگر اس کا مطلب یہ ہے

---

[1] جولائی ۱۹۵۶ء، "گہوارۂ ادب" ڈھاکہ، مشرقی پاکستان

Marfat.com

کہ برج اور ہندوستانی دونوں نے "شورسینی" سے جنم لیا۔"

(۴) "اُردو کی صرفی و نحوی خصوصیات پر ایک نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُردو کا ماخذ "شورسینی" پراکرت یا اَپ بھرنش نہیں۔(ص۸۴) "اُردو شورسینی پراکرت، شورسینی اَپ بھرنش اور اس سلسلہ کی موجودہ بولیوں یعنی "برج" ہریانی، بندیلی وغیرہ سے ماخوذ نہیں۔" (ص۸۶)

(۵) "اُردو، ہندوستانی یا کھڑی قدیم دیدک بولیوں میں سے ایک بولی ہے جو ترقی کرتے کرتے یا یوں کہیے کہ ادلتے بدلتے۔ پاس پڑوس کی بولیوں کو کچھ دیتے اور کچھ ان سے لیتے اس حالت کو پہنچی جس میں آج ہم اسے دیکھتے ہیں۔قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ میرٹھ اور اس کے نواح میں بولی جاتی تھی۔ پالی اس کی ترقی یافتہ ادبی اور معیاری شکل ہے۔" اُردو" اور " پالی" دونوں کا منبع ایک ہے۔" (ص۸۸)

(۶) "اُردو، جس بولی سے متفرع ہوئی اس کا قدیم فارسی اور "پہلوی" سے بہت قریب کا تعلق رہا ہے۔"(۸۹-۹۰)

(۷) "اُردو کا یہ اختتامیہ (ے ا) "پراکرت" اور اَپ بھرنش کے جس روپ سے لیا گیا ہے اس کا ایرانی گروہ کی زبانوں سے تعلق ہے۔اس لیے شیام سُندر داس کا یہ قیاس صحیح ہو سکتا ہے کہ (ے ا) پر ختم ہونے والے اسما جس "اَپ بھرنش" میں پائے جاتے ہیں اور جس کا ذکر ہیم چندر کے حوالے سے اُوپر کیا گیا وہ "پے ساچی" سلسلہ کی زبان ہے۔" (ص۹۱)

شوکت سبزواری کے خیالات کے کئی پہلوؤں سے اتفاق کیا جا سکتا [illegible] "شورسینی" پراکرت اور "اَپ بھرنش" سے کلی طور پر [illegible] انتہا پسندی ہے۔ دوسری بات [illegible] جوڑنا نسلی مسئلہ کو [illegible] بنیادوں کی [illegible] لغویت افسوس دلائل [illegible]

[illegible]

Marfat.com

بولیوں کے نمونے نہیں۔ ہاں اُس دَور کی ادبی زبان "ویدی" اور پھر "سنسکرت" کے نمونے ملتے ہیں۔ اسی طرح وسطیٰ ہند آریائی بول چال کے نمونے نایاب ہیں۔ چٹانوں یا لاٹوں کے کتبے یا سنسکرت ڈراموں کی پراکرتیں ایک حد تک اَدبی حیثیت ہی رکھتی ہیں۔ لہٰذا پالی پراکرت بھی ادبی زبان ہی کہلائے گی۔ سبزواری کو یہ تسلیم ہے کہ "پالی اَدب، فن اور فلسفے کی زبان ہے اور ہندوستانی روزآنہ بول چال، لین دین اور کاروبار کی" (ص۸۷) وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ "بول چال کی زبان کے تغیرات کا پتہ چلانا آسان نہیں" اگر "تمام اَپ بھرنشوں کا ماخذ اَدبی پراکرتوں کو بتانا قیاس اور حقیقت دونوں کے خلاف ہے" تو پھر پالی پراکرت کو بھی یہ حیثیت نہیں دی جا سکتی۔

میرے خیال میں اگر کھڑی بولی ہندوستانی کا منبع پالی کے مصدرے ملتا ہے، تو کئی جہتوں سے شورسینی کے مخرج سے بھی جا ملتا ہے۔ سبزواری ہرگز یہ ثابت نہیں کر سکے کہ "کھڑی بولی" کی گرامر کو پالی گرامر سے نسبتاً زیادہ قربت ہے۔ ہاں یہ واضح ہوا ہے کہ بعض باتوں میں "کھڑی بولی" شورسینی گرامر سے مختلف ہے اور پالی یا سنسکرت سے ملتی ہے۔ غالباً کھڑی ہندوستانی، شورسینی اور پالی کی جڑ ایک تھی اور یہ تنے اور شاخیں ہیں۔ سونیتی کمار چٹرجی بھی یہ نہیں مانتے کہ جدید ہند آریائی زبانوں کا ارتقا براہ راست ہوا ہے۔ شورسینی پراکرت "مدھ دیش" کی اُس قدیم ہند آریائی بولی سے نکلی تھی جس کی بُنیاد پر کلاسیکی سنسکرت کی عمارت اس سے پہلے اُٹھائی گئی تھی۔ دوسری پراکرتیں مختلف قدیم ہند آریائی بولیوں سے براہ راست نکلیں۔ یہ کہنا بالکل صحیح کہ پراکرتیں سنسکرت سے نکلی ہیں۔ سنسکرت پراکرتوں کی ماں نہیں، بڑی بہن ہے اور نسبتاً زیادہ مہذب، اسی طرح جدید ہند آریائی بولیوں کو بھی ہم کسی ایک اَپ بھرنش یا پراکرت کی بیٹی نہیں کہہ سکتے۔ لسانی شاخیں بہت ہی پیچیدہ طور پر "کچھ قبل" "کچھ بعد" تنوں سے نکل نکل کر پھیلی بھی ہیں اور ایک دوسرے میں گتھم گتھا بھی ہوئی ہیں۔

شوکت سبزواری اس حقیقت کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں کہ پالی اور شورسینی بہت قریب کی زبانیں ہیں۔ اوّل تو پالی ملواں ادبی زبان ہے اور اس کا فائق حصہ شورسینی ہی کی کوئی قدیم شکل تھی۔ "شورسینی" اور "اردھ ماگدھی" کے مجموعے کو

ڈبلو گیگر: پالی گرامر اور ڈاکٹر لاؤ کی پالی دو جلدیں

Marfat.com

پالی کہتے ہیں۔ اس پر بودھی سنسکرت کی بھی پٹ پڑی ہے۔ نیز خود پالی میں ارتقائی کیفیت پائی جاتی ہے۔ یعنی پالی میں ردّ و بدل بھی ہوا ہے۔ غرض یہ کہ پالی کے لسانی فارم کی کوئی مستقل حیثیت نہیں۔ جن صَرفی و نحوی قاعدوں میں کھڑی بولی بعد کی شورسینی سے مختلف نظر آتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ قاعدے قدیم شورسینی میں ہوں۔ یہی پالی کا منبع ہے۔ شورسینی پر پشاچی کا اثر بھی تو پڑا ہے۔ مثلاً (ے ا) کی آواز قبول کرنے میں۔ عہدِ اشوک میں اَردھ ماگدھی کے اثرات بھی پڑتے رہے ہیں۔

بہرکیف شوکت سبزواری اُردو کے سانچے کو کھڑی بولی کا سانچہ ہی قرار دیتے ہیں۔ اور یہی ماہرینِ لسانیات کی رائے ہے۔ شوکت صاحب کی تحقیق سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ خود کھڑی بولی کی اصل کے بارے میں لطیف لسانی زاویوں کی طرف توجہ منعطف ہوئی۔ ظاہر ہے کہ "کھڑی بولی ہندوستانی" پر "شورسینی" پراکرت کے علاوہ پشاچی اور اَردھ ماگدھی پراکرت کے قدیم اثرات بھی ہیں۔ اَردھ ماگدھی "مدھ دیشیا" اور "ماگدھی پراکرت" کے درمیان مفاہمتی شکل ہے۔ اس طرح بہار کی قدیم بولی کا کسی نہ کسی حد تک کھڑی بولی ہندوستانی یعنی اُردو کی بنیادوں کے قیام میں بھی دخل ثابت ہوتا ہے۔ سبزواری کی تحقیقات سے اس حقیقت کو تقویت پہونچتی ہے۔

سبزواری کی تحقیق نے اُردو، فارسی ریختہ کا ایک قدیم جواز بھی پیش کر دیا ہے۔

میں اپنے محاکمہ کو مکمل کرنے کے لیے چند آخری معروضات پیش کرتا ہوں۔

میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ماہرین و مبصرین نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے اور دوسروں کے نقطہ ہائے نظر کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ارتقائے اُردو کے سلسلہ میں مسئلہ کے دو منفرد پہلوؤں کو خلط ملط کیا گیا ہے۔ قدیم اُردو کے مختلف سانچوں کا ریختہ پن ایک الگ پہلو ہے اور معیاری اُردو کے سانچہ کا تعین ایک دوسری جہت ہے۔ گریرسن، زور، شیرانی، ندوی، چٹرجی، مسعود حسین اور سبزواری نے ان دو پہلوؤں کو شرح و بسط کے ساتھ نہیں پیش کیا۔ نیز اس اَمر کا لحاظ اچھی طرح نہیں رکھا گیا کہ خالص یک رنگی بھاشا کا وجود بولیوں کے عبوری دَور میں ناممکن تھا۔ اس لیے لسانی سانچوں کے متعلق ذِمّہ دار حضرات نے بھی کٹرپن کے ساتھ باتیں کی ہیں۔ قدیم اَپ بھرنش اور قدیم اُردو کے قدیم ترین نمونے جو اب تک ملے ہیں اُن کی بنیاد پر حرفِ آخر

پیش کرنے کی عُجلت غلط ہے۔ تحقیقات کا میدان وسیع ہے۔ نئے انکشافات سے فیصلے بدلتے ہیں۔ اس لیے علوم میں کٹّر پن کی گنجائش نہیں۔ اُردو کا اِرتقا نہایت ہی پیچیدہ مرکب نازک و نیرنگ سامان لِسانی قماشیں پیش کرتا ہے۔ مبصّر و محقّق کو ان تہہ دار نازک پردوں کے اُٹھانے میں چابکدستی، لطافت و نفاست سے کام لینا چاہیے۔

مختصراً مسئلہ کے اہم پہلو یوں ہیں:

اوّل یہ سوال کہ جدید اُردو زبان کی اصل قماش اور اس کا انفرادی سانچہ نئے ہند آریائی دَور کی کس بھاشا سے زیادہ قریب ہے؟ میری رائے میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستانی کھڑی بولی معیاری اُردو کا خاص تَنا ہے۔ مگر کھڑی بولی کی اصل کا دو ٹوک تعیّن بہت مشکل اور مشتبہ ہے۔ دوئم یہ کہ قدیم ترین "ریختہ" کس بھاشا سے بنی؟ اب تک کی تحقیقات کے لحاظ سے اس سوال کا تشفی بخش جواب نہیں ملتا اور غالباً جواب ملنا ممکن بھی نہیں۔ ہند کی ہر آریائی اور غیر آریائی بھاشاؤں میں قدیم "ریختہ" کے نمونے ملتے ہیں۔ ہاں اس بارے میں پنجابی ریختہ، سندھی ریختہ، گجراتی ریختہ، ہریانی ریختہ، اور دکنی ریختہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مگر سرحدی ریختہ، کھڑی بولی ہندوستانی ریختہ، برج ریختہ، اَودھی ریختہ، مگہی اور بنگالی ریختہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ نیز یہ کہ معیاری اُردو کے فارم پر کھڑی بولی کے لِسانی سانچے کے علاوہ چند اور بولیوں کے سانچوں کا بھی اثر ہے۔ مثلاً پنجابی، برج اور اَودھی۔ بعض اہم ریختاؤں کے وسطی دَور میں ہریانی یا پنجابی اثر نمایاں ہے۔ مگر علاقائی خصوصیات کے ساتھ یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ قدیم اُردو کے قدیم ترین نمونے جواب تک ملے ہیں۔ اُن کے بیشتر حصّہ کو "پنجابی ہریانی ہندوستانی" آمیختہ کہہ سکتے ہیں۔ مگر رفتہ رفتہ ہندوستانی (کھڑی) ریختہ سَب پر غالب آیا۔

Marfat.com

بَابُ اوّلُ

بہَارمیں اُردوزبَانْ

تمہید

عہد قدیم میں بہار، اوپنیشد کے برہم ودّیا کا گہوارہ تھا۔ جین دھرم اور بودھ مَت نے یہیں پرورش پائی۔ اور عہد وسطیٰ میں صوفیائے کرام نے یہاں اسلام کا نور پھیلایا۔

چھٹی صدی قبل مسیحؑ سے پانچویں صدی بعد مسیحؑ تک ایک ہزار سالہ دَور ایسا گزرا ہے کہ سارے ملک ہند کی تاریخ پاٹلی پتر کے مرکز کے گرد گھومتی ہے۔ اور اس عظیم شہر کے سیاسی زوال کے بعد بھی اس کا تہذیبی اقتدار زمانۂ دراز تک قائم رہا۔ نہ صرف ملک کے اندر بلکہ ملک سے باہر بھی۔ جنوب مشرقی ایشیا اور مشرق وسطیٰ تک بُودھ دھرم اور بہاری تہذیب کا اثر تھا۔ نالندہ اور وکرم شیلا کی یونیورسٹیاں ایشیا میں علم و ثقافت کا مینار تھیں۔ علامہ سُلیمان ندوی نے اپنی کتاب (عرب و ہند کے تعلقات) میں یہ اہم تحقیق پیش کی ہے کہ عباسی عہد کا مشہور برمکی خاندان بودھ تھا اور معبدِ بہار

Marfat.com

دراصل "نوویہارا" تھا۔ ابن ندیم نے لکھا ہے کہ "اسلام سے پہلے خراسان کا مذہب بودھ تھا"۔ بلخ خراسان کا ایک شہر ہے معبدِ نوبہار اسی شہر میں واقع تھا۔ وہ مجوسیوں کا آتشکدہ نہیں بلکہ بودھوں کا "ویہار" تھا۔ برامکہ اسی معبد کے پجاری تھے جو ہارون الرشید کے عہد میں اسلام لاکر وزارت کے عہدہ تک پہنچے۔ بلخ حضرت عثمان کے عہد میں فتح ہوا تھا اور نوبہار کا متولی اُسی عہدِ سعادت میں مشرف بہ اسلام ہوا تھا۔ برمک دراصل سنسکرت ہے۔ یعنی "پرمکھ"۔ ڈاکٹر زخاؤ جو سنسکرت کے ماہر ہیں اس کے معنی بڑے مرتبہ والا" کے کرتے ہیں۔ "پرمکھ" سے "پرمک" اور پھر "برمک" ہوگیا۔

اُوپر کی گزارشات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایران و عرب سے بہار کا تہذیبی تعلق بہت پُرانا ہے۔ ایسی حالت میں بہار کی بھاشاؤں پر عربی و فارسی زبانوں کا اثر بودھ عہد" خصوصاً دورِ موریا سے" ضرور پڑنے لگا ہوگا۔ اور یہی یختہ کی بُنیاد ہے۔ جسے ڈاکٹر ایس۔ سی سرکار "پروٹو اُردو" کہتے ہیں۔ یاد رہے بارہویں صدی عیسوی تک نالندہ اور وکرم شیلا کی یونیورسٹیوں میں سارے ایشیا کے طلبا جمع ہوتے تھے۔ ترک و تاتار کشمیر کے علاقے اُس عہد تک بودھ دھرم کے پیرو تھے۔ یہی زمانۂ تاریخ نئی ہند آریائی زبانوں کی تاسیس کا دَور ہے۔ یعنی بہار میں اسلامی اثر پہنچنے کے پہلے ہی یہاں کی پراکرت اور پھر اپ بھرنش پر عربی و فارسی زبان کے اثرات ضرور پڑنے لگے تھے۔ صوبہ بہار کا نام بودھ معبد "ویہارا" سے ہی حاصل ہوا ہے۔ اور اسی صوبہ کے نام کے ماخذ نے مشرق وسطیٰ میں "نوویہارا" یا "نوبہار" کی بنا ڈالی۔

صوبہ[1] بہار کا ترہت ڈیویژن کم و بیش میتھیلا دیش کی چوحدی کے مطابق ہے۔ میتھیلا کی زوال کے بعد ویشالی کی طاقتور عوامی حکومت برسرِ اقتدار آئی۔ پٹنہ ڈیویژن قدیم سلطنت مگدھ سے تطابق رکھتا ہے۔ اور بھاگلپور ڈیویژن کو کم و بیش ریاست آنگہ سے مطابقت حاصل ہے۔ آریائی اقتدار سے پہلے علاقۂ بہار

---

[1] بہار جدید و قدیم: ۱۹۵۲ء۔ ڈاکٹر بی بی مجمدار، پی۔ آر۔ ایس۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

Marfat.com

میں کول ڈراوری حکومتیں تھیں۔ چھوٹا ناگپور کا علاقہ تو عہد وسطیٰ کے استحکام تک آدی باسی، کول ڈراوری قبائل کے ہاتھوں میں رہا۔ بہار پر آریائی قبائل کا قبضہ پہلے شمالی حصے میں ہوا ہے۔ لہٰذا آریائی ویدک اور سنسکرت زبانوں کی نشر و اشاعت پہلے شمالی بہار میں ہوئی۔ جنوبی بہار اس کے بعد بھی زمانہ تک غیر آریائی (کول ڈراوری) تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا۔ مگر عصر اوپانشد کے اختتام کے قریب مگدھ دیش میں برہمنوں کی نوآبادیاں قائم ہونے لگیں۔ مگدھ کی پہلی راجدھانی "راج گریہہ" یعنی راجگیر تھی۔ رامائن میں اس کا تذکرہ آتا ہے۔ واسو چیدیا اوپاریچارا نے اس کی بنا ڈالی تھی۔ مہابھارت میں اس کے بیٹے بری ہدرتھا کا ذکر ہے۔ بری ہدرتھا کا بیٹا جراسندھا شری کرشن مہاراج اور پانڈوؤں کا ہمعصر تھا۔ یہ بڑا طاقتور راجہ گذرا ہے۔ بعض علمائے تاریخ کا خیال ہے کہ جراسندھا ڈراوری راجہ تھا۔ اس نے متھرا کے راجہ کنس سے اپنی بیٹی کی شادی کرکے شمال ہند پر قبضہ کرنا چاہا۔ بھیم (پانڈو) نے اسے قتل کیا۔

مگدھ دیش کا شاندار دور چھٹی صدی قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ یہ بمبسارا اور اجات شترو کا عہد زریں تھا۔ شمال ہند میں مگدھ کی طاقت سب سے بڑی اور سب پر فائق تھی۔ اس کی تہذیبی اور مذہبی اہمیت اس کی سیاسی حیثیت سے بہت زیادہ تھی۔ مہاویر اور گوتم بدھا نے اپنی زندگیوں کا بڑا حصہ یہاں بسر کیا۔ مہاویر کا انتقال بہار شریف کے پاس پاواپوری میں ہوا۔ اور گوتم بدھ راجگیر اور بدھ گیا میں تلاش حق و جستجوئے معرفت کرتے رہے۔ بودھ گیا میں ہی آپ کو نور ہدایت حاصل ہوا۔ بودھ دھرم کی چار بڑی مجالس مشاورت میں سے دو بہار میں منعقد ہوئیں۔ ایک راجگیر میں اور دوسری پاٹلی پترا میں۔

پاٹلی پترا (پٹنہ) ہندوستان کا پہلا شہنشاہی دارالسلطنت تھا۔ اجات شترو نے یہاں ایک قلعہ تعمیر کیا تھا۔ اودیین نے پاٹلی پترا کا شہر بسایا اور راجگیر سے راجدھانی وہاں منتقل کردی۔

پاٹلی پترا نے نندا راجوں کے زمانہ میں بڑی ترقی کی۔ یہ مہاراجے سارے ہندوستان پر غلبہ حاصل کرچکے تھے۔ عہد موریہ میں تو پاٹلی پترا ایک ایسی سلطنت

Marfat.com

عظمیٰ کا مرکز تھا جس کی سرحدیں کوہ ہندوکش اور میسور کے کہستانوں تک وسیع تھیں۔ شہنشاہ اشوکا کے شاندار دور میں پاٹلی پتر سارے ایشیا کا سیاسی، تجارتی، تہذیبی اور ذہنی صدر مقام تھا۔

سلطنت موریہ کے زوال کے بعد باختر کے یونانیوں اور ساکا قوم (تورانیوں) نے مگدھ کو تاخت و تاراج کیا۔ ظاہر ہے کہ اس دور میں بھی یونانیوں کے ذریعہ ایرانی اثرات اور ساکا قوم کے ذریعہ تورانی اثرات مگدھ کی پراکرت پر ضرور پڑتے رہے ہوں گے۔ یونانی ایران میں رہ کر یہاں آئے تھے۔

پاٹلی پترا نے گپتا عہد میں نئے سرے سے ترقی حاصل کی۔ پانچویں صدی عیسوی میں گپتا سلطنت کی راجدھانی پاٹلی پترا سے اوجین منتقل ہوگئی۔ ہیون سانگ (چینی سفیر) نے اس شہر کو ویران پایا (۶۴۳-۴۳۶ء)۔ غالباً ہُن قوم کے حملوں نے اس شہر کو لوٹ کر ویران کر دیا۔ اور یہاں کے مالدار تجارت پیشہ شہری جاوا، سماترا اور بالی، جزائر شرق الہند میں جا بسے۔

ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں بہار پر مختلف مغربی ہندوستانی سلطنتوں کے حملے ہوئے، اور وقتاً فوقتاً ان کا اقتدار قائم ہوا۔ لسانی اعتبار سے یہ پراکرتوں کا تیسرا دور تھا۔ یعنی اپ بھرنشوں کا عہد۔ اس دور میں مگدھی اپ بھرنش پر مغربی اپ بھرنشوں کا اثر ضرور پے بہ پے پڑتا رہا۔ یہ مرحلہ بھی بہار میں مغربی بولی کے اثر و نفوذ کی ایک اہم منزل ہے۔

طوائف الملوکی کے اس دور کے بعد گوپال، دھرم پال اور دیو پال کے زمانہ میں بہار، خصوصاً مگدھ کو پھر استقلال و استحکام حاصل ہوا۔ پالی (بودھ) عہد میں نالندہ وکرم شیلا اور اودنت پوری کی یونیورسٹیوں کے ذریعہ اس دیار کو پھر ایک بار ایشیا کی ذہنی رہبری کا مقام حاصل ہوا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب نئی ہند آریائی زبانوں کی تاسیس ہونے لگی تھی۔ ظاہر ہے کہ بہار کی اپ بھرنشوں پر نہ صرف مغربی اپ بھرنشوں کا اثر پڑ رہا تھا بلکہ شمال مغربی ایشیا کی زبانیں بھی مگدھ کی بدولت پر اثر انداز ہو رہی تھیں۔

اسلامی عہد شروع ہونے سے پہلے بہار پھر ایک بار ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پریشان

وتباہ حال ہو رہا تھا۔ قطب الدین ایبک کے سپہ سالار اختیار الدین محمد بختیار خلجی نے جنوبی بہار فتح کر لیا (۱۲۰۴ء؟)۔ بہار کا ایک بڑا علاقہ دہلی کے سلطانوں کے ماتحت ہو گیا۔ شاہ آباد، پٹنہ، بہار شریف، مونگیر اور بھاگلپور کے اضلاع اُن کے زیر نگیں پہلے ہوئے۔ غیاث الدین تغلق کے عہد میں میتھیلا[1] (شمالی بہار) مفتوح ہوا (۱۳۲۴ء) بارہویں صدی عیسوی میں بہار، افغانوں اور مغلوں کے رقیبانہ مجادلہ کی آماجگاہ بنا۔ ترکوں اور افغانوں کے عہد میں بہار شریف دارالسلطنت تھا۔ شیر شاہ سوری افغان نے (۱۵۴۱ء) میں پٹنہ کو اپنی سلطنت کا صدر مقام بنایا۔ اکبر اعظم نے ۱۵۷۴ء میں افغانوں سے بہار چھینا، پٹنہ فتح کیا۔ اور باڑھ تک بڑھتا چلا گیا۔ وہ خود اس مہم کی قیادت کر رہا تھا۔ راجہ ٹوڈرمل اور صوبہ دار بہار منعم خاں نے صوبہ کے مختلف علاقوں کو مفتوح کیا۔ مغل حکومت چھوٹا ناگپور (جھاڑکھنڈ) تک وسیع ہوئی۔ یہ عہد جہانگیر کا واقعہ ہے۔ مگر ۱۶۳۹-۶۰ء تک کے سال قبائلِ جھاڑکھنڈ کو زیر کرنے میں لگے۔ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے پوتے عظیم الشان کو اٹھارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں صوبہ دارِ بہار مقرر کیا۔ شہر پٹنہ کا نام عظیم آباد رکھا گیا۔ ۱۷۳۳ء میں بہار اور بنگال کو ملا دیا گیا۔ ۱۹۱۲ء تک یہی عالم رہا۔ تا آنکہ برطانوی عہد میں بہار، بنگال سے علیحدہ ہوا۔ ۱۷۴۲-۵۰ء تک بہار پر مرہٹہ گردی بھی رہی۔ ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی کی جیت کے بعد انگریز بنگال اور بہار پر قابض ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اس صوبہ کے سپوتوں نے حصہ لیا مگر میجر آئر نے دوبارہ اسے فتح کر لیا۔

مسلم عہد میں بہار کے دارالخلافہ پٹنہ کی بہت بڑی سیاسی اور تہذیبی اہمیت پیدا ہو گئی تھی۔ بڑے بڑے شاہزادے یہاں صوبہ دار مقرر ہو کر آتے رہے ہیں۔ اکبر اعظم خود پٹنہ آیا۔ جہانگیر کا بیٹا شہزادہ پرویز یہاں کا صوبہ دار مقرر ہوا (۱۶۲۶ء)۔ شہزادہ

---

[1] اب پروفیسر حسن عسکری نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ شمالی بہار عہد غلامان میں ہی سلطنت دہلی کے ماتحت ہو گیا تھا۔ مالک محروسہ میں دربھنگہ کا نام تاریخ میں ملتا ہے۔ اس عہد میں دہلی سے بنگال جانے والی فوجیں شمالی بہار سے آزادانہ گزرتی تھیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ جنوبی بہار پر دہلی کا اثر و اقتدار زیادہ تھا۔

Marfat.com

عظیم الشّان کا تذکرہ اُوپر ہو چکا ہے۔ نواب علی وردی خاں کا بھتیجا اور داماد نواب ہیبت جنگ ۱۷۴۰-۴۸ء تک صوبہ دار بہار رہا۔ جنگ پلاسی کا مجاہد سراج الدولہ، نواب ہیبت جنگ کا بیٹا تھا۔ راجہ رام نرائن لعل ۱۷۵۲-۶۱ء تک نائب صوبہ دار بہار رہا۔ سلطنت دہلی کے نہایت ہی جلیل القدر اُمراء صوبہ بہار کے گورنر مقرر ہوا کرتے تھے۔ مثلاً راجہ مان سنگھ اور سیف خاں ۱۶۲۸-۳۲ء۔ سیف خاں نے دریائے گنگا کے کنارے بہت بڑی مسجد اور مدرسہ تعمیر کیا۔ یہ مدرسہ عربی تعلیم و تعلّم کا ایک عظیم الشّان مرکز بن گیا تھا۔ چمنی گھاٹ، محلّہ خواجہ کلاں میں آج بھی مدرسہ اور مسجد کی عمارتیں موجود ہیں۔ مدرسہ سیف خاں کے نزدیک عہد شاہجہاں کی ایک یادگار چہل ستون کے نام سے مشہور ہے۔ یہ چالیس ستونوں کا ایک محل تھا۔ فرخ سیر اور شاہ عالم ثانی کی تاجپوشی اسی محل میں ہوئی تھی۔ پٹنہ سٹی کا چوک تھانہ اسی عمارت کی جگہ واقع ہے۔ شیر شاہ کا بنایا ہوا قلعہ پٹنہ میں صوبہ داروں کی قیام گاہ ہوا کرتا تھا۔ آج یہ "قلعہ ہاؤس" رادھا کرشن جلان کے تصرف میں ہے۔

عظیم الشّان امراء کے علاوہ جلیل القدر صوفیاء بھی صوبہ بہار میں تشریف لائے اور یہ "ہندوستان کے روحانی فاتح" یہیں کے ہو رہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ ان بزرگ اصفیاء میں سب سے اہم اور قدیم نام حضرت مخدوم یحییٰ منیری اور اُن کے صاحبزادے حضرت مخدوم شرف الدّین منیری ثم بہاری کے ہیں۔ منیر، پٹنہ سے بارہ میل مغرب میں ایک قصبہ ہے۔ ترکوں نے اس پر ۱۱۲۶ء میں اختیار الدّین بن بختیار کے حملہ سے پہلے قبضہ حاصل کر لیا تھا۔ حضرت یحییٰ منیری کا انتقال ۱۲۹۲ء میں ہوا۔ آپ کی قبر بڑی درگاہ منیر میں ہے۔

مذکورہ تاریخی حقائق سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صوبہ بہار کی زبان پر عربی و فارسی اثرات اور کھڑی بولی کے اثرات باضابطہ طور پر دہلی کے غلام خاندان کے سلطانوں کے دَور حکومت ہی میں پڑنے لگے تھے۔

علاقۂ بہار کی قدیم ترین زبان تو کول اور ڈراوڑی یا اُن کا آمیزہ ہی تھی۔ آج تک چھوٹا ناگپور کے خطّے میں آدی باسی قبیلے کول، ڈراوڑی زبانیں بولتے ہیں۔ اور اُن کی اکثریت ہے۔ مگر چھوٹا ناگپور میں بھی آریائی زبان کا نفوذ بعد میں نمایاں طور پر ہوا۔

Marfat.com

شمال بہار کے لوگ وہاں جاکر بسے ہیں۔ آریائی عہد میں بھی جنوبی بہار اور جھاڑکھنڈ (چھوٹا ناگپور) پر کول ڈرادری حکومتیں رہی ہیں۔ شمالی بہار پر بھی آریائی اقتدار ہندوستان کے وسطی اور شمال مغربی علاقوں پر غلبہ کے صدیوں بعد آیا۔ بہار کی قدیم ترین زبانیں آج بھی تبدیل شدہ شکل میں باقی ہیں۔ مثلاً اُڑاؤن، منڈا، ہو، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کول ڈرادری زبانیں زندہ اور قبائلِ چھوٹا ناگپور کے زیر استعمال ہیں۔

جب یہ کول ڈرادر دیس آریائی قبضہ میں آیا تو ملک کے مشرقی علاقوں میں قدیم ہند آریائی بولی کی ایک خاص شکل مروّج ہوئی۔ اسے "پراچیہ" کہتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ اس پراچیہ بولی کی دو نمایاں شاخیں ہوگئیں۔ ماگدھی اور اُردھ ماگدھی پراکرتیں۔ اِن سے ماگدھی اور اُردھ ماگدھی اَپ بھرنشیں بنیں۔ اُردھ ماگدھی اَپ بھرنش سے اَودھی، بھگیلی اور چھتیس گڑھی بولیاں پیدا ہوئیں۔ اور ماگدھی اَپ بھرنش کی مغربی شاخ سے بھوجپوری، وسطی شاخ سے مگہی اور میتھیلی اور مشرقی شاخ سے بنگالی، آسامی اور اُڑیہ بولیوں نے جنم لیا۔ ملاحظہ ہو ذیل کا لسانی نقشہ۔ اس سے بہار کی آریائی بولیوں کا سلسلہ معلوم ہوتا ہے۔

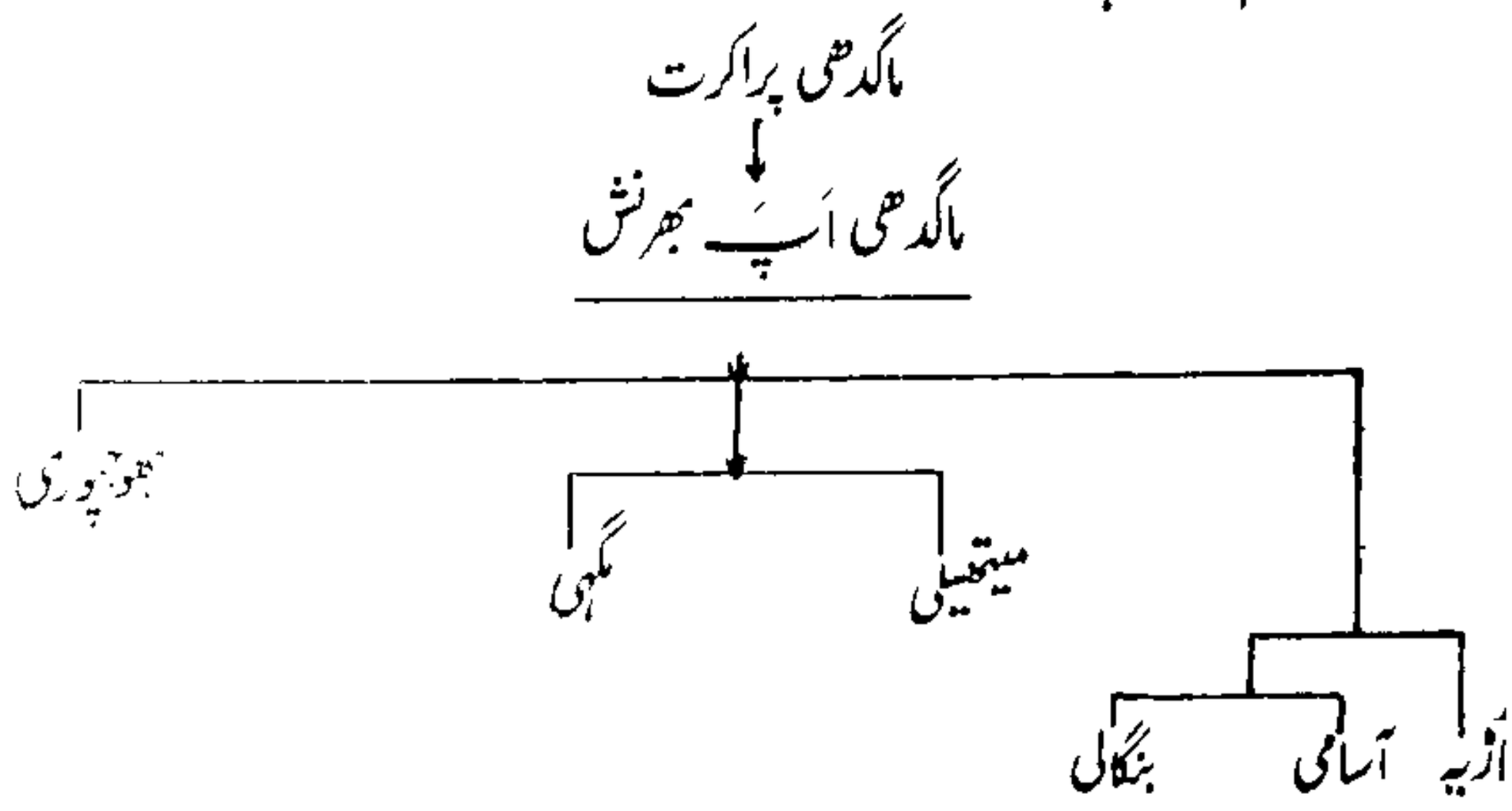

مہاتما گوتم بدھ اور مہاویر کے وعظ و پند اصل میں پراچیہ [illegible] کے بعد اوّل الذکر کے مواعظ کو مغربی بولیوں میں منتقل کیا گیا۔ یعنی شورسینی کے روپ میں ڈھالا گیا۔ مگر مشرقی ماگدھی اور اُردھ ماگدھی کا بنیادی کا اثر نچلی سطح پر قائم رہا۔ یہی پالی[1] زبان ہے۔ لہٰذا پالی زبان کے جتنے نمونے ملتے ہیں۔ ان میں ہمیں بہار کی

---

[1] ڈبلوگیگر: پالی گرامیٹک۔

Marfat.com

ماگدھی بولی کا سُراغ ملتا ہے۔

خاص ماگدھی زبان کا قدیم ترین نمونہ رام گڑھ کی پہاڑی کے ایک غار میں ملتا ہے اس غار کو جوگی مارا کہتے ہیں۔ یہ چھوٹا ناگپور کی سرگوجا ریاست میں واقع ہے۔ غار میں ایک عبارت بہ زبانِ مگہی کندہ ہے۔ کتبہ کو "سوتنو کا" کتبہ کہا جاتا ہے۔ اس کا رسم الخط براہمی ہے۔ پتھر پر کندہ عبارت رقاصہ سوتنو کا اور ایک بُت تراش دیودین کی غیر فانی محبت کی یادگار ہے۔ عبارت یوں ہے:

"سُوتنوکا نامَ دیوَ داسِک ای تَم کَمَ ای تھَ
بَلَ نَے ای دیوَ دینے نامَ لوپَ دَکھے"

یعنی: سوتنو کا نام کی دیوداسی سے محبت کرتا تھا بنارس کا دیودین نامی روپ بنانے والا۔

جوگی مارا غار کی عبارت تین سو سال قبل مسیحؑ کی ہے۔ یہ دو ہزار سال سے پہلے کی بہاری (مگدھی) زبان کا ایک نمونہ ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی وہ براہمی مُہر ہے جو پٹنہ میں دستیاب ہوئی ہے۔ یہ موریہ عہد سے قبل کی چیز ہے۔ اس پر "اگپتس" کندہ ہے۔ اسی طرح بودھ گیا میں مُہریں ملی ہیں۔ یہ دوسری صدی قبل مسیحؑ کی ہیں۔ اشوکا کے کتبے بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں۔ خصوصاً مشرقی اور وسطی ہند کے کتبے۔ مگر اشوکا کے بعد ماگدھی بولی کی اہمیت گھٹتی گئی اور جیسے جیسے برہمنیت کی نشاۃ الثانیہ ہوتی گئی ماگدھی بولی نظروں سے گرتی گئی۔ کیونکہ اس میں غیر آریائی ڈراوری اثر دوسری ہند آریائی بولیوں سے بہت زیادہ تھی۔ یہاں تک کہ خود ماگدھی اور اردھ ماگدھی علاقوں میں بھی شورسینی[2] زبان ادبی حیثیت میں جڑ پکڑنے لگی۔ خلقت تو ماگدھی اور اردھ ماگدھی بولتی تھی۔ مگر شورسینی ہی مہذب زبان سمجھی جاتی تھی اور پوربی شاعر

---

[1] آثار قدیمہ ہند کے سروے کی سالانہ رپورٹ ۱۹۰۳ء و ۱۹۰۴ء۔ صفحہ ۱۲۵ بحوالہ "بنگالی زبان کا آغاز وارتقا" سونیتی کمار چٹرجی۔ چٹرجی نے عبارت کا سنسکرت فارم یوں دیا ہے:

"سوتنوکا نامَ دیوَ داسیکا تَم اَکامَ ایشٹ دارانسیہ دیوَ دَ تو نامَ روپَ دکشہ"

[2] "بنگالی زبان کا آغاز وارتقا" چٹرجی۔ اور تاریخ اُردو زبان: مسعود حسین خاں، صفحہ ۔

Marfat.com

بھی بجائے ماگدھی کے شورسینی اَپَ بھرنش ہی میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ دسویں تا تیرہویں صدی عیسوی کی قدیم ترین بنگالی نظمیں شورسینی اَپَ بھرنش میں لکھی گئی ہیں۔ ہاں بہار کے میتھیلی علاقہ کے ایک شاعر ودیاپتی[1] نے اَپَ بھرنش کے بعد کے فارم یعنی اَپَ بھرسٹ، میں شاعری کی ہے۔

۶۴۵ء تک ماگدھی بولیاں ممیّز طور پر اپنی مختلف شاخوں میں نہیں بٹی تھیں ہیون چیانگ، چینی سیاح (۶۴۵ء) نے ماگدھی کی شاخوں کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ یہ لسانی تفریق بعد میں عمل میں آئی۔ چٹرجی کا خیال ہے کہ مغربی ماگدھی اَپَ بھرنش ۸۰۰ء اور ۱۱۰۰ء کے درمیان منفرد و مشخص ہوئی ہے۔ اور اسی سیال دور کے معاً بعد مگدھی ریختہ کا امتزاجی دور شروع ہوا۔ اُوپر کے بیانات سے یہ بھی ظاہر ہو چکا ہے کہ شورسینی کا اثر بہت پہلے سے بہار پر پڑ رہا تھا۔ غرض یہ کہ کھڑی بولی کا اثر و نفوذ ادبی لحاظ سے یقینی طور پر بہت قبل بہار میں ہو چکا تھا اور "پروٹو اُردو" کی تاسیس کے لیے عربی و فارسی کا اثر بھی دور قدیم سے پڑنے لگا تھا۔ لیکن اُردوئے قدیم کی عمارت بارہویں صدی عیسوی کے آغاز سے اٹھنی شروع ہوئی۔

چٹرجی اس فیصلہ پر پہنچا ہے کہ مگہی بولی باضابطہ طور پر کبھی ادبی تخلیقات کے لیے استعمال نہیں کی گئی۔ لوک گیتوں اور عوامی کہانیوں سے قطع نظر ۱۱۰۰ء سے پہلے بہار میں بھی مغربی اَپَ بھرنشوں کے ادب پاروں کا چلن تھا۔ گریرسن[2] اور بعد میں آرچر نے بہار کے لوک گیتوں کو جمع کیا تھا۔ آرچر کے مجموعہ کے پہلے حصہ میں چھوٹا ناگپور کے لوک گیت ہیں۔ دوسرا حصہ اب تک شائع نہیں ہو سکا۔ شکیلہ اختر نے رسالہ معاصر، پٹنہ میں بہار کے مروجہ لوک گیتوں کے بارے میں ایک مضمون لکھا تھا۔ آج کل کے لوک گیتوں کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ اُن کا کتنا حصہ قدیم ہے، کتنا وسطی اور کتنا جدید۔ اِن گیتوں کے چند مشہور فارم یہ ہیں:

بدیسیا، رسیا، چیت، ساون، جھومر، ملہار وغیرہ۔ اِن کے علاوہ شادی بیاہ کے گیت ہیں۔

---

[1] "بنگالی زبان کا آغاز و ارتقا" چٹرجی ص۹۱

[2] گریرسن، "لنگوئسٹک سروے آف انڈیا" جلد پنجم، حصہ دوم

بہار کی مقامی بولیوں میں میتھلی نے ادبی لحاظ سے اپنی حیثیت قائم کی۔ میتھلا دیش کے مشہور شاعر ودّیاپتی (تیرہویں صدی عیسوی) نے میتھلی کے ساتھ ساتھ مغربی اپ بھرنش (اوہٹ) میں بھی شاعری کی ہے۔ اس سلسلہ میں اس کی دو کتابیں اہم ہیں کرتی لتا اور کرتی پتاکا۔ ودّیاپتی کی اپ بھرنش میں مروّجہ مقامی زبان کی پٹ بھی ملی ہے۔ وہ خود کہتا ہے، "دیسی بھاشا سب کو میٹھی لگتی ہے۔ اس لیے اس سے ملی ہوئی اپ بھرنش میں شاعری کرتا ہوں"[1]۔ ودّیاپتی کی پداولی بھی بہار کے لسانی ارتقا کو سمجھنے کے لیے ایک ضروری کتاب ہے۔

کرتی لتا میں ریختہ پن موجود ہے۔ اپ بھرنش کے بین بین فارسی اور عربی الفاظ ملتے ہیں۔ مثلاً: خدا بند (خداوند)، وجیر (وزیر)، صدر دارگہہ (صدر درگاہ)، نماج گہہ (نماز گہہ)، بارگہہ، پھرمان (فرمان)، پاپوش، پادشا (پادشاہ)، رعیت، مجازمزا، محل، کباب، سراب (شراب)، پیدا (پیادہ) وغیرہ۔

کرتی لتا کرن سنگھ کا قصہ ہے جسے ایک مسلمان امیر ارسلان (غالباً ارسلان) نے شکست دی اور اس کے حقوق تلف کیے۔ وہ فریادی بن کر میتھلا سے جون پور گیا اور ابراہیم شاہ (غالباً شرقی) کے دربار میں حاضر ہوکر اپنی مظلومی کی داستان کہہ سنائی۔ بادشاہ نے مظلوم کی مدد کی۔ اور ارسلان پر لشکرکشی کی۔ کرتی لتا ابراہیم شاہ اور کرن سنگھ کی بہادری کی داستان ہے۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے۔

کھن اِک من دَے سُنو ہیکھن
کچھو بوڑن ترکانوں لکھن
تتو بے کمارد پیٹھے بجاری
جہین لکھ گھوڑا مونگا ہجاری
کھریدے کھریدے بہوتا گلامو
ترکیں ترکیں انیکو سلامو

ترجمہ: ذرا جی لگا کے ایک اچھا بیان سنو۔ کچھ ترکوں کے لچھن میں بتاتا

---

[1] ہندی ساہتیہ کا اتہاس صفحہ ۷ از مہادیو پرساد دویدی۔

ہوں۔ وہاں دو کار بازار میں داخل ہوئے، جہاں لاکھوں گھوڑے اور ہزاروں ہاتھی تھے۔ بہت سے غلام خریدے گئے۔ ترک ترک کو خوب سلام کرتے ہیں۔

اَب ذرا اس عہد کے فاتح ترک کی خصوصیتیں سُنیئے۔ ہوسکتا ہے کہ اس بیان میں تعصب کی کارفرمائی بھی ہو:

اَبے بے بجھڑنتا سَرابا پیونتا
کلیما کہنتا کلامے جیئنتا
کَیدہ کنتا مَیدا بھرنتا
کتیبا پھڑنتا تُرکا اَنتا

ترجمہ: (ترک) اَبے اَبے بولتے ہیں، شرابیں پیتے ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں۔ کلام (شریف) سے جیتے ہیں۔ کشیدہ کاری کرتے ہیں مسجدیں بھرتے ہیں کتابیں پڑھتے ہیں۔ بہتیرے ترک۔

مندرجہ ذیل دوہے میں ابراہیم شاہ کی تعریف ہے:

ابراہیم ساہ پُوان اَر پوہبی ذیسر کوان سَہہ
گرسار پار اُبار نہیں رعیت بھیلی جیب رَہ

ترجمہ: ابراہیم شاہ جب چلتا ہے تو اس پر تھوی کے ابہ (کے حملہ) کو کون سہہ سکتا ہے؟ پہاڑ اور ساگر پار کرکے بھاگنا مشکل ہے۔ اس کی رعیت بن جانے سے ہی جان (سلامت) رہتا ہے۔

مندرجہ بالا دوہوں میں مغربی آپ بھرنش اور فارسی و عربی الفاظ کا پیوند لگ چکا ہے۔ بازار، ہزار، خریدنا، غلام، سلام، شراب، کلمہ، کلام، کشیدہ، مسجد، کتاب اور رعیت کا استعمال ملاحظہ ہو۔ بہار میں مگھی بولی کے اثرات بھی واضح ہیں۔

قدیم دور کے بھوجپوری ادب کے نمونے بھی کچھ مل جاتے ہیں۔ مثلاً کبیر داس (پندرہویں صدی عیسوی) نے بھوجپوری بولی میں چند نظمیں لکھیں۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے:

کنوا[1] پھڑائے جوگی، جٹا بڑھولے

---

[1] بنگالی زبان کا آغاز و ارتقا ۔ از سونتی کمار چٹرجی ص ۹۹

Marfat.com

داڑھی بڑھایئے جوگی ہوئی گیلے بکرا
کہہ ہئی کبیرا سنو بھائی سادھو
جم دَرجوا باندھل جیبے پکڑا

ترجمہ: کان پھڑوا کے جوگی نے جٹا بڑھایا ہے۔ داڑھی بڑھا کے جوگی بکرا ہوگیا ہے۔ کہتا ہے کبیر سنو بھائی سادھو، جم کے دروازے پر تم پکڑ باندھ کر لے جائے جاؤ گے۔

آخری مصرع میں "دَرجوا" یعنی "دروازہ" کی آمیزش ریختہ پن کا پتہ دیتی ہے۔ کبیر بھوجپور علاقے کا رہنے والا تھا۔ بنارس بھوجپور میں ہے۔ مگر اس نے زیادہ تر اَودھی، برج اور ملی جلی اپ بھرنش میں شاعری کی ہے۔

مندرجہ بالا نمونہ کو چٹرجی نے بھوجپوری قرار دیا ہے۔ لیکن میں صاف طور پر اس میں مگہی بولی کے اثرات بھی پاتا ہوں۔ مثلاً "کہہ ہئی" اور "باندھل جیبے"۔ "سنو بھائی سادھو" تو واضح طور پر مگہی بولی ہے۔ اُس عبوری دَور میں بولیاں خلط ملط ہو رہی تھیں۔ مغربی اثرات مشرق کی طرف آ رہے تھے اور مشرقی اثرات مغرب کی جانب بڑھ رہے تھے۔ عہد قدیم میں بودھ بھکشوؤں، اشوک اعظم اور جین جوگیوں کے ذریعہ مشرقی لسانی اثرات ہند کے وسطی اور مغربی علاقوں پر پڑتے رہے اور دکن تک ان کی آوازِ بازگشت پہنچی۔ عہدِ وسطی میں بودھ سدھوں اور بعد از آں کبیر داس کے واسطے سے مشرق اور مغرب کا اتصال ہوا۔

میتھلا اور بھوجپور کے ادبی اور لسانی میلانات کا جائزہ لیا جا چکا۔ لیکن مگہہ یا مگدھ خاص میں ایسی تباہی آئی تھی کہ تہذیب و تمدن اور ادب و فن کو پرانی بنیادوں پر نئے سرے سے اُٹھانا بہت ہی مشکل تھا۔ ہرش وردھن اور ترکوں کے درمیانی عہد میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ اسی دَور میں وحشی ہن قبائل کا حملہ پاٹلی پترا پر ہوا اس وحشیانہ یورش میں قلبِ مگدھ یعنی شہر پاٹلی پترا اور سارا علاقہ تباہ و برباد ہوگیا۔ اس آفت کے علاوہ اور بلائیں بھی نازل ہوتی رہیں۔ سیلاب اور آتشزدگی نے بھی بڑی تباہی مچائی۔ اہلِ شہر اپنا وطن چھوڑ کر دور دیسوں کو چلے گئے۔ بعض تاجر پیشہ لوگ تو جاوا و سماترا کی طرف جا نکلے۔ غرض یہ کہ تمدن اور فنون کی بنیادیں ہل گئیں۔ اور ساری

Marfat.com

عمارت ڈھ گئی۔ جس غارت گری کو متعصب یا نا فہم اور کم سواد تاریخ نویسوں نے تُرکوں کے سر منڈھا ہے وہ حقیقتاً ہُن حملہ آوروں کی لائی ہوئی تھی۔ دوسری وجہ مگدھ کی بربادی اور مگہی زبان کی کس مپرسی کی یہ بھی ہوئی ہے کہ موریہ۔ بودھوں کے زوال کے بعد برہمنی احیاء شروع ہوا۔ برہمنی دھرم اور بودھ دھرم کے ماننے والوں کے درمیان سخت طور پر ملک بھر میں تصادم ہوتا رہا۔ یہ تصادم اتنا تُند تھا کہ ہند کی نوآبادیوں یعنی جاوا و سماترا میں بھی ہندوؤں اور بودھوں کے درمیان آویزش و پیکار جاری رہا۔ چٹرجی لکھتا ہے کہ پاٹلی پتر اور مگدھ کی مکمل تباہی کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ میرے نزدیک ہُن بربریت اور خانہ جنگی مگدھ کی بربادی کے دو محوری اسباب ہیں۔ پاٹلی پُترا ایشیا میں تہذیب کا مینار تھا اور بودھ دھرم کا مرکز۔ بربریت اور عصبیت کے طوفان اس کے خلاف اُٹھے اور ماگدھی تہذیب مِٹ گئی۔ اس کی روشنیٔ طبع اِس کے لیے بلا بنی۔ بغداد کی تباہی کے اسباب بھی اسی قسم کے ہوئے جیسے پاٹلی پُترا کے تھے۔

جیساکہ اُوپر ذکر ہو چکا ہے ماگدھی اور اَردھ ماگدھی پراکرتیں اشوکا کے عہد میں ہندوستان گیر اہمیت کی مالک تھیں۔ اس کے نمونے اشوکا کے کتبوں میں ملتے ہیں۔ سنسکرت ناٹکوں[1] میں بھی ماگدھی پراکرت کی مثالیں ملتی ہیں۔ نیچ ذات کے کرداروں سے یہی زبان بلوائی گئی ہے۔ یہ عوامی بولیوں کے زوال و انحطاط کا دَور تھا۔ اور برہمنی سنسکرت کے نشأۃ الثانیہ کا۔ چونکہ ماگدھی پراکرت میں ڈراوری اور دیسی عُنصر زیادہ تھا۔ لہٰذا اسے نیچ کہا گیا اور یہ زبان سب سے زیادہ تباہی کا شکار ہوئی۔ اس کے بعد مختلف اَپ بھرنشوں کا دَور آیا۔ ماگدھی اَپ بھرنش یا مگہی بھاشا کا رواج ہوا مگر اِسے اَدبی اہمیتِ خاص حاصل نہیں ہوئی۔ راجپوتوں کے عہد سے ابتدائی سلاطین دہلی کے زمانہ تک (۸۰۰ء تا ۱۲۰۰ء) ایک خاص لسانیاتی دَور گزرا۔ یقینی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہند کی جدید زبانوں کی ابتدا کب سے ہوئی اور اَپ بھرنشیں کب ختم ہوئیں۔ اِس زمانہ کے قریب بودھ دھرم کی بگڑی ہوئی شکل ہند کے پوربی علاقوں

---

[1] ملاحظہ ہوں چٹرجی، ووکلز اور مسودمین کے مصنفات۔

Marfat.com

میں پھیلی ہوئی تھی۔ بودھ راہبوں کی خانقاہوں میں نالندہ اور وکرم شیلا دو بڑی درسگاہیں مشہور تھیں۔ صوبہ بہار خصوصاً اِن بودھ سِدّھوں یا بھکشوؤں کا مرکز تھا۔ اِن راہبوں نے مغربی اپ بھرنش ملی ہوئی دیسی بولی میں بھی دوہے لکھے ہیں۔ اِن میں چوراسی سِدّھوں کی بڑی شہرت ہے۔ لسانی حیثیت سے بودھ سِدّھوں کے دوہے ابتدائی بہاری مُسلم صوفیوں کے دوہوں کے پیش رَو ہیں۔

سَب[1] سے پُرانے سِدّھ "سرہ" ہیں جو ۶۳۳ء کے آس پاس گزرے ہیں۔ نمونۂ کلام حَسب ذیل ہے:

جہی مَن پون نہ سنچرئی، روی سسی ناہیں پَویس
تہی بٹ چِت بسام کرو، سرہے کرہی آ اُویس
گھور اندھارے چند منی جمی، اَجوا کرئی
پرم مہاسودا یکھو کنے دُری اَ اَ شیش ہرئی

لوہی پا نامی ایک سِدّھ ۷۷۳ء کے لگ بھگ گزرے ہیں۔ دوہے کا نمونہ حَسب ذیل ہے:

ڈِٹ کری اَمہَا سوہ پری مان
لوئی بھنئی گرو پوچھیا جان

بِرَوپا سِدّھ (۸۴۳ء) اور تانتی پا سِدّھ کے دوہوں میں بھی زبان کا یہی رنگ ہے۔ "چونکہ یہ سِدّھ زیادہ تر ملک کے پوربی علاقوں میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تھے۔ اِس لیے وہاں کی مقامی بولیوں سے متأثر ہونا ناگزیر[2] تھا۔" ان دوہوں سے اس دَور کی بہاری بولیوں کا اندازہ ملتا ہے۔ اختیارالدّین بن بختیار خلجی کی فتوحات سے جب بودھ سِدّھوں کے مراکز زیر ہوئے تو یہ راہب ملک کے مختلف حِصّوں میں پھیل گئے اور اِن کے ذریعہ اِن کا لِسانی اثر بھی پھیلا۔ جہی، تہی، کرہی آ، کنے، دُری آ،

---

[1] مقدمہ تاریخ زبان اُردو: ڈاکٹر مسعود حسین: ص۹۲-۹۳۔ ان دوہوں کا تذکرہ ہری اودھ کی تاریخ ادب ہندی اور رام چندر شکل کی تاریخ ادب ہندی میں بھی ہے۔

[2] مقدمہ تاریخ زبان اُردو۔ ڈاکٹر مسعود حسین، ص۹۲

کری آ، کا مگہی پن ملاحظہ ہو آج بھی مگہی بولی اسی طرح بولی جاتی ہے۔

ترک بہار پر باضابطہ رنگ میں بارہویں صدی عیسوی کے اواخر اور تیرہویں صدی عیسوی کے اوائل میں قابض ہوئے۔ علامہ سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ: "سلطان[1] قطب الدین ایبک پہلا بادشاہ ہے جس کے بہادر سپہ سالار بختیار خلجی نے بنارس سے آگے بڑھ کر مگدھ دیس میں قدم جمائے اور بہار سے لے کر بنگال تک کی زمین اس کے فتوحات کے پاؤں کے نیچے آگئی۔ بختیار خلجی المتوفی ۶۰۲ھ نے چھٹی صدی ہجری کے آخر میں منیر اور بہار پر قبضہ کیا۔

"چوں[2] مرد شجاع و دلیر بود بطرف زمین منیر و بہاری دوانید.....
تمامت آں حصار در شہر مدرسہ بود و بہار بلغت ہندی اسم مدرسہ باشد۔"

بہار میں اردو کے ارتقا کا یہ ایک اہم سنگ میل ہے، گرچہ اس سے پہلے بھی کھڑی بولی اور ریختہ کے لیے سازگار فضا پیدا ہو چکی تھی۔ بہار، خصوصاً مگدھ کے اعلیٰ طبقات مثلاً برہمن، چھتری وغیرہ اکثر و بیشتر مغربی علاقوں سے آکر یہاں بسے تھے اور اپنے ساتھ پچھمی بھاشائیں لائے تھے[3] شرفا برج بھاشا اور اودھی بولتے تھے۔ عوام جو آدی باسی تھے، کول ڈراوری بولیاں بولتے تھے۔ اور دوسرے مگہی، بھوجپوری یا میتھیلی بولتے تھے۔ ترکوں کی آمد کے بعد ملک کے مغربی علاقوں کے لوگ اور تیزی سے بہار آنے لگے۔ ان میں ہندو اور مسلمان دونوں تھے۔

پروفیسر گورکھ ناتھ[4] سنہا نے فرامین، دستاویزات اور مختلف خاندانی روایات کی بنا پر یہ تحقیق کی ہے کہ بہار کے اکثر راجپوت گھرانے ترکوں اور مغلوں کی افواج کے ساتھ اس دیار میں آئے، یہاں کے پرانے زمینداروں اور قبیلوں سے لڑے انعام میں دلی کے بادشاہوں سے جاگیریں پائیں، یہیں بس گئے اور یہیں کے ہو رہے۔ بہار میں

---

[1] "بہار میں اردو" از: علامہ سلیمان ندوی، ندیم، پٹنہ ۱۹۳۲ء

[2] بحوالہ طبقات ناصری منہاج سراج ص۱۴۵ : تالیف ۶۵۸ھ

[3] "بنگالی زبان کا آغاز و ارتقا" از سونیتی کمار چٹرجی ص۱۴۱

[4] سابق صدر شعبۂ معاشیات، پٹنہ کالج۔ آپ بعد میں پرنسپل پٹنہ کالج اور پھر ڈائرکٹر تعلیمات بہار مقرر ہوئے۔

Marfat.com

بہتیرے گاؤں اور قصبات ایسے ہیں جہاں مسلم اور راجپوت خاندان جاگیر اور جائداد کے شریک داروں کی حیثیت سے اب تک ساتھ ساتھ بھائیوں کی طرح رچے بسے ہوئے ہیں۔

اُردو زبان کی ترویج و ترقی میں سیاسی اثرات سے زیادہ اہم سماجی اثرات ہیں۔ بہار میں نہ صرف سپہ سالار اور ان کی فاتح فوجیں مغربی علاقوں سے آئیں بلکہ بہ کثرت خاندان شمال مغربی ہند اور ایران و عرب سے آکر یہاں آباد ہوئے۔ اور انھوں نے تہذیب و تمدن اور زبان و ادب کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ آج بھی سارے صوبۂ بہار میں سادات، شیوخ عربی (صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی جعفری وردائی وغیرہ) پٹھان، ترک، ملک، مغل اور مرزا آباد ہیں۔ مختلف بہاری خاندانوں کے نسب نامے اس کی گواہی دیتے ہیں۔ نیز شہروں کے پرانے محلوں، قصبوں، اور گاؤں کے نام اس بات کے شاہدِ ناطق ہیں۔ مثلاً شہر پٹنہ کے محلے لودی کٹرہ، مغل پورہ، لوہانی پور، لودی پور وغیرہ۔ سارے اثرات میں اہم ترین اثر صوفیائے کرام کے ذریعہ پڑا۔ ان کی تبلیغ و تلقین سے بہ کثرت اہل بہار مشرف بہ اسلام ہوئے۔ نومسلم خاندان سارے صوبہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ اُن کی اولاد اب بھی حلقہ بگوش اسلام ہے۔ نومسلموں کے حلقے ریختہ اور کھڑی بولی کی ترویج کے دائرے بن گئے۔ عہد وسطیٰ میں صوفیائے عرب و عجم دہلی ہوتے ہوئے بہار آئے۔ اور بڑی تعداد میں آئے۔ ان کے فیض سے وہ روحانی، اخلاقی، تہذیبی اور ادبی خلا پُر ہوا۔ جو صدیوں سے پاٹلی پترا کی تباہی کے بعد چلا آرہا تھا۔ بہار شریف اور پھر پٹنہ اس عہد کی نئی ترقی پسند ایشیائی تہذیب کا مرکز بنا اور سارے بہار میں اُجالا ہوگیا۔

وِدّیاپتی اور کبیر سے پہلے صوفیائے بہار نے اس دیار کی بولیوں میں کلام کیا ہے۔ ہرچند کہ اس عہد کے بہت کم نمونے ملتے ہیں۔ مگر ان اصفیاء کے کلام منظوم و منثور دونوں موجود ہیں۔ پروفیسر سید حسن عسکری نے اپنے ایک گرانقدر مقالہ میں[1]

---

[1] "قرون وسطیٰ کے بہار میں اسلامی تصوف کی تاریخی اہمیت"، از پروفیسر سید حسن عسکری، پٹنہ کالج، پٹنہ: سالنامہ ساتھی پٹنہ، ستمبر ۱۹۵۷ء۔

مغلیہ عہد کے قبل کے ان اثرات کا ذکر کیا ہے جو اسلامی تصوّف نے صوبہ بہار پر ڈالے اور اپنے پائندہ نقوش چھوڑے۔ اسلامی تصوّف کے چشمۂ روحانی نے بہار کی سرزمین کو سیراب کیا اور اس وسیع المشرب اور روادارانہ تحریک نے ہندو سنسکرتی اور مسلم تہذیب کو متحد کرنے میں بڑی مدد دی۔ اس کا ایک اور اہم نتیجہ یہ نکلا کہ بہار میں "بہاری ریختہ" اور پھر زبان اُردو کی ترویج و ترقی بڑی محبّت اور ہم آہنگی کے ساتھ ہوئی اور یہاں کے ہندو و مُسلم عوام و خواص نے مل کر متحدہ تہذیب اور متحدہ زبان کی آبیاری کی۔ بہار کے ایک بڑے صوفی حضرت قاضی شُطّاری کا مقبرہ ویشالی شمالی بہار میں بساڑھ اسٹوپ کے نزدیک ہے۔ یہاں ہر سال ایک بڑا میلہ اب تک لگتا ہے۔ خواجہ اجمیری کے جانشینوں میں سیّد حسین خنگسوار تھے۔ اِن کے تین اعزّہ بہار آئے۔ سیّد حسن خنگسوار جن کا مقبرہ پٹنہ ضلع میں ہے۔ دوسرے سیّد احمد اور اُن کے بھانجے سیّد محمد، آخرالذکر دونوں صوفی ماموں بھانجہ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ یہ دونوں حاجی پور (ترہُت) کے موضع جرودھہ میں شہید کیے گئے۔ جرودھہ کا مقبرہ اب شکستہ حالت میں ہے۔ اسی طرح شیخ فتو اور شیخ برہان فیروز شاہ تغلق کے دَور میں سلیم آباد آئے اور شمالی بہار میں شہید ہوئے۔ کاکو ضلع گیا کے شیخ آزر اور احمد بہاری بھی بڑے صوفی گزرے ہیں۔ دہلی کے علماء ظاہر کی ترغیب پر فیروز تغلق نے ان کے لیے سزائے موت تجویز کی۔ حضرت شرف الدّین احمد منیری کے قریبی رشتہ دار "مناقب الاصفیا" کے صوفی مُصنّف سے روایت ہے کہ جب حضرت شرف الدّین احمد منیری بہاری نے یہ خبر سُنی تو انھیں نہایت صدمہ ہوا۔ اور آپ نے فرمایا کہ ایسے "پاکان" کا خون رنگ لاکر ہی رہے گا۔

غزنویوں نے بنارس تک لشکر کشی کی تھی۔ ممکن ہے کہ غزنویوں اور غوریوں نے مشرق کی جانب اور دور تک حملے کیے ہوں۔ ان کے حملے ہوئے ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن صوفیائے کرام نے اُس قدیم عہد میں بھی بہار پر فتح کے حملے کیے ہوں گے۔

سلہ "بنگال پاسٹ اینڈ پریزنٹ" میں مقبرہ جرودھہ کے متعلق حسن عسکری کا مقالہ ملاحظہ ہو۔

سہ ایلیٹ حصہ سوم، صفحہ ۲۰۰۔

Marfat.com

یہ بلند مقام درویش مُسلمان فاتحین کے لشکروں کے پیچھے پیچھے نہیں چلتے تھے بلکہ وہ محبّت و دردمندی کے جذبات سے سرشار ہندوستانی دلوں میں گھر کرنے اور اُن کے پریم کو جیتنے سُلطانوں کی فوجوں سے بالکل مستغنی ہوکر آگے آگے چلتے تھے۔ بہار نے اُن صوفی دُرویشوں کو سرِ دور اوّل میں ہی اپنی طرف کھینچا۔ منیر شریف ضلع پٹنہ کی بڑی درگاہ کے پچھمی دروازے کے پاس ایک مزار تاج الدّین خاندان سے منسوب ہے۔ منیر میں "تاج شاہی" کے نام سے ایک مٹھائی اب تک بنتی ہے۔ مولانا محمد موسوم بہ امام تاج فقیہہ[1] یروشلم (فلسطین) سے منیر، بہار ۵۷۶ھ/۱۱۸۰ء تشریف لائے۔ آپ بہار کے فردوسیہ اور سہروردیہ صوفیوں کے جد امجد تھے۔ آپ کے فرزند اسرائیل، عبدالعزیز اور اسماعیل تھے۔ حضرت تاج فقیہہ تو واپس چلے گئے۔ مگر اپنے دو فرزندوں کو جنوبی بہار میں رُشد و ہدایات کے چھوڑا۔ اور تیسرے اسماعیل کو شمالی بہار بھیجا۔ جناب اسمٰعیل بنیا بساڑھ کے صوفیوں کے مورث تھے۔ اور جناب اسرائیل حضرت مخدوم یحییٰ منیری کے والد ماجد تھے۔ حضرت پیر شہاب الدین جگجوت (موضع جٹھلی[2] ضلع پٹنہ) کی بڑی لڑکی سے حضرت مخدوم یحییٰ منیری کی شادی ہوئی۔ اس مجمع البحرین سے وہ گرانقدر موتی پیدا ہوا جو عالمِ روحانیت میں آفتاب دارچمکا۔ یعنی حضرت شیخ شرف الدّین احمد منیری ثم بہاری۔ حضرت مخدوم بہار اندرون ملک و بیرون ملک مشہور و مقبول ہوئے۔

بہار کے صوفیائے کرام کی ابتدائی تاریخ "مناقب الاصفیاء" ہے اس کے مؤلف حضرت مخدوم شیخ شعیب شیخپوری (ضلع مونگیر) تاج فقیہہ کے پوتے تھے۔ حضرت پیر جگجوت (جٹھلی) کی تین اور بیٹیاں تھیں۔ ان کے بطن سے مخدوم سید احمد

---

[1] پروفیسر حسن عسکری کا مقالہ "قرون وسطیٰ بہار میں اسلامی تصوّف کی تاریخی اہمیت" سالنامہ "ساتھی" پٹنہ، ستمبر ۱۹۵۲ء

[2] جٹھلی، جی اُٹھلی۔ کہا جاتا ہے کہ پیر جگجوت کی کرامت سے ایک "مارگزیدہ" نے نئی زندگی پائی تو بول اٹھا "جی اُٹھلی" یعنی "میں جی اُٹھا" یہ مگدھی زبان کا نمونہ ہے۔ "جگجوت" اور "جی اٹھلی" کے الفاظ اس عہد کی زبان کا اندازہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

چرم پوش ، تیم اللہ سفید باز (بہار شریف) ، بی بی کمالو (کاکو ، گیا) ۔ اور تاجپور ضلع پورنیہ (بہار) کے شیخ حسین دھکڑ پوش کی والدہ پیدا ہوئیں ۔ حضرت تاج فقیہہ کے فرزند جناب اسمٰعیل کا سلسلہ شمالی بہار میں خوب پھیلا ۔ صوبۂ بہار کے شطاریہ صوفی آپ ہی کے سلسلہ سے ہیں ۔

بہار کے چند اور بزرگ صوفیائے قدیم کا نام لیا جا سکتا ہے ۔ مثلاً حضرات مولانا شمس مظفر بلخی ، حسن بلخی ، احمد لنگر دریا ، بدر عالم (چھوٹی درگاہ بہار شریف) ابراہیم بن ابوبکر موسوم بہ ملک بیا (جو بہاری ملکوں کے جدّ امجد تھے) مداری صوفی سید جمال الدین (ہلسہ) شیخ برکت اللہ قتال ، شیخ تاج الدین مداری (دربھنگہ) سید محمد (امجھر ، شریف ، گیا) ، سید فضل اللہ گوسائیں (بہار شریف) مخدوم شاہ شمس الدین (ارول ، گیا) ، سید احمد جاجنیری (ضلع مونگیر) ، سید احمد جان (اورین مونگیر) مخدوم سید حسن (حسن پورہ ، ضلع سارن) ، حضرت مخدوم بہار شیخ شرف الدین احمد کے خلفاء میں حضرت منہاج راستی پھلواروی اور حضرت مظفر شمس بلخی اجل صوفیوں میں سے گزرے ہیں ۔ حضرت منہاج راستی کے سلسلہ کے صوفیا پھلواری شریف ، ضلع پٹنہ میں آباد میں رہے ۔ مختصر یہ کہ چشتیہ ، سہروردیا ، قادریہ فردوسیہ مداریہ ، شطاریہ سلسلوں کے صوفیائے کرام بہار میں موجود تھے ۔ اور اُن کے فیوض و برکات سے یہاں کی سرزمین سیراب ہوتی رہی ۔

شاہزادہ عظیم الشان ، اورنگ زیب عالمگیر کے جانشین بہادر شاہ اوّل کا لڑکا تھا ۔ وہ ایک عرصہ تک بہار کی صوبیداری پر مامور رہا ۔ مولانا محمد نصیرؒ نے شاہزادہ کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی تھی ۔ جس میں بہار کے ۶۴ مشائخ کی مقابر کی زبوں حالی کی طرف شاہزادہ موصوف کی توجہ منعطف کرائی گئی تھی ، تاکہ حکومت کی طرف سے مالی امداد مل سکے ۔ افسوس ہے کہ عرضداشت کی اصل نقل میں شاہزادہ کی خدمت میں پیش کرنے کی تاریخ نہیں لکھی گئی ہے ۔

(شاہزادہ عظیم الشان کو ایک عرضداشت ، از سید محمد مصطفےٰ شاہد بگھوی صدائے عام ، عید نمبر ۱۹۵۰ء)

عرضداشت میں حسب ذیل مقبروں کے نام درج ہیں :

(۱) مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد۔ بہار شریف۔ ۷۸۲ھ۔
(۲) شیخ شعیب بن شیخ جلال۔ موضع شیخپورہ پرگنہ مالدہ میں مدفون ہیں
(۳) سید محمد عظیم آباد میں مدفون ہیں۔
(۴) شیخ خلیل الدین عرف شیخ منگن و شیخ تاج الدین عظیم آباد۔
(۵) سید سلیم۔ عالم گنج عظیم آباد۔
(۶) درویش ازراں۔ محلہ درگاہ عظیم آباد۔
(۷) شیخ محمد محمود و شیخ عین الدین حسینی مدار۔ لودی کٹرہ عظیم آباد۔
(۸) شیخ شہاب الدین جگجوت۔ موضع ..... علہ حویلی بلدہ عظیم آباد۔
(۹) شیخ آدم صوفی۔ موضع جھلی علہ پرگنہ حویلی بلدہ عظیم آباد
(۱۰) سید محمد۔ قصبہ بہار۔
(۱۱) شیخ احمد چرم پوش (۷۷۶ھ میں انتقال ہوا) قصبہ بہار۔
(۱۲) شیخ بدر عالم۔ موضع سوہ، بہار شریف۔
(۱۳) حسین نوشۂ توحید۔ حضرت مظفر بلخی کے بھتیجے۔ مقبرہ قصبۂ بہار۔
(۱۴) شیخ حمید الدین، ولد شیخ آدم صوفی۔ قصبۂ بہار۔
(۱۵) سید یٰسین دانشمند۔ قصبۂ بہار
(۱۶) مولانا حسام الدین۔ "
(۱۷) سید فضل اللہ "
(۱۸) شیخ فرید طویلہ بخش "
(۱۹) تیم اللہ سفید باز، بن شیخ حمید الدین۔ قصبۂ بہار۔
(۲۰) شیخ سعادت۔ بہار
(۲۱) سید عطا۔ "
(۲۲) محمد ابراہیم ولد ابوبکر عرف ملک بیا ۷۵۳ھ۔ قصبۂ بہار۔ پہاڑی پر۔
(۲۳) خواجہ اسحاق مغربی۔ موضع مٹوکھر۔ نزد شیخ پورہ۔
(۲۴) شیخ یحییٰ منیری۔ قصبہ منیر

Marfat.com

(۲۵) شیخ جلال۔ قصبہ منیر

(۲۶) حاجی صفی الدین وحاجی نظام الدین۔قصبۂ منیر۔پرگنہ شاہ پور۔

(۲۷) شیخ احمد۔موضع بیا پور۔پرگنہ شاہ پور۔

(۲۸) شیخ دولت۔ قصبۂ منیر

(۲۹) مولانا نور۔خواجہ قطب الدین دہلوی کے سگے بھائی۔موضع کھکور۔ پرگنہ سلیم آباد۔

(۳۰) شیخ فتو و شیخ برہان۔پرگنہ سلیم آباد۔

(۳۱) سید فخر الدین موضع اوکہدی عملہ پرگنہ حویلی سرکار۔

(۳۲) سید صفی۔صفی پور۔پرگنہ بہم پور سرکار۔

(۳۳) شیخ داؤد شطاری۔قصبہ محب علی پور۔پرگنہ معدقہ سرکار۔

(۳۴) سید محمد عرف جمن۔۹۲۵ھ۔موضع ہلسہ، پرگنہ بلخ سرکار۔

(۳۵) سید راستی خلیفہ شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری۔قصبہ پھلواری عملہ پرگنہ حویلی سرکار۔

(۳۶) شیخ ضیاء الدین سہروردی۔۸۲۲ھ۔موضع چنڈھوس۔

(۳۷) شیخ شمس الدین چنائی۔موضع نلوری۔

(۳۸) شیخ کمال الدین۔موضع ٹنایاں۔

(۳۹) سید محمد۔پرگنہ کلیر سرکار سارن مضاف۔

(۴۰) سید احمد غازی موضع امرتھ۔پرگنہ بست ہزاری سرکار۔

(۴۱) سید نوح۔۸۸۵ھ۔موضع لوج پور۔

(۴۲) شیخ سعد۔قصبہ ابراہیم پور۔

(۴۳) حوض رانی، عملہ پرگنہ حویلی بہار سرکار میں بہتیرے اولیاء مدفون ہیں۔ مثلاً، سید علاؤ الدین ہمدانی، سید رکن الدین، سید تیغود، سید موسیٰ، شیخ لدھا، قاضی شمس الدین، حافظ یوسف، سید عالم، سید قطب الدین سید محمد سعید، سید جہانگیر، سید محمد، شیخ مدد، شیخ ہدیٰ، بی بی مکہ۔

(۴۴) ادریس نافع۔ضلع مونگیر سرکار۔

Marfat.com

(۴۵) سیّد چہاری بنباسی ۔ قصبہ مونگیر۔
(۴۶) شیخ مصطفےٰ ۔ باسدیو پور۔ مونگیر۔
(۴۷) سیّد ابراہیم ۔ قصبہ سورج گڑھا۔
(۴۸) مولانا شاہباز ۔ بھاگلپور ۔
(۴۹) سیّد اولیار ۔ پرگنہ بلیا سرکار۔
(۵۰) شیخ عبدالحیٔ ۔ حاجی پور۔
(۵۱) شیخ محمد معروف بہ شیخ قاض موضع بنیا بساڑھ، حاجی پور۔
(۵۲) شیخ ابوالفتح بن شیخ محمد ۹۴۰ھ۔ موضع تنکول ، حاجی پور۔
(۵۳) مولانا خواجہ علی۔ حاجی پور۔
(۵۴) شیخ برکت اللہ عرف شیخ قتال خلیفہ سیّد محمد گیسو دراز۔ قصبہ دربھنگہ۔
(۵۵) شیخ سُلطان حسین۔ دربھنگہ۔
(۵۶) شیخ شمس الدّین عرف شیخ ثمن دربھنگہ۔
(۵۷) شیخ ظہور حاجی حمید موضع رتن سرائے۔ سارن ۔
(۵۸) شیخ دلاور شیر سوار چابک مار لدوبی۔ سارن ۔
(۵۹) میر عبدالمالک ۔ بارہ سرکار۔ سارن ۔
(۶۰) شیخ محمد یوسف ۔ قلعہ رہتاس کلاں ۔
(۶۱) چندن شہید معروف بہ چندن شہید ۔ سہسرام۔
(۶۲) شیخ عثمان حسین پور۔ رہتاس۔
(۶۳) شیخ عبدالعلیم۔ مہسی ، چمپارن ۔
(۶۴) سیّد عمر شہید۔ آرہ (شاہ آباد)

مولانا عبدالحق صاحب لکھتے ہیں : " دلوں[1] کو ہاتھ میں لانے کے لیے سب سے پہلے ہم زبانی لازم ہے۔ ہم زبانی کے بعد ہم خیالی پیدا ہوتی ہے ..... جتنے اولیار اللہ سرزمین ہند میں آئے یا یہاں پیدا ہوئے وہ باوجود عالم و فاضل

---

[1] " اُردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام " عبدالحق ص۴۔

Marfat.com

ہونے کے (خواص کو چھوڑ کر) عوام سے انھیں کی بولی میں بات چیت کرتے اور تعلیم وتلقین فرماتے تھے۔" ان صوفیا نے بہار میں بھی مشترک "بہاری ریختہ" اور پھر "کھڑی بولی ریختہ" یعنی ہندوستانی یا معیاری اُردو کی ابتدا و ارتقا میں نمایاں حصّہ لیا ہے۔ یہاں صوفی خانوادوں کی خانقاہیں چھٹی صدی ہجری میں منیر شریف، بہار شریف، پھلواری شریف وغیرہ میں قائم ہو گئی تھیں۔

صوفیاء و اُمراء کے علاوہ بہار میں فارسی زبان کے شعراء[1] بھی تشریف لائے اور انھوں نے یہاں قیام کیا۔ ایرانی شعراء اور فارسی ادبیات کا اثر بہار پر دہلی کے تُرک افغان سُلطانوں کے وقت سے ہی پڑنے لگا۔ بہار ایک اہم مشرقی صوبہ تھا۔ صوبہ داروں اور دوسرے امراء کے گرد اہل علم و فضل جمع رہتے تھے۔ مرزا محمد صادق اصفہانی ۱۰۲۹ھ سے ۱۰۳۳ھ تک پٹنہ میں مقیم رہا۔ اپنی کتاب "صبح صادق"[2] میں اس نے لکھا ہے کہ پٹنہ کو ایرانی شعراء رشکِ ایران بنائے ہوئے تھے۔ مثلاً حکیم عارف، مولانا نادم گیلانی، مولانا محمد حسین قزوینی، سیرتی، مولانا محمد معزالدین یزدی، مولانا عبدالشکور، مرزا قاسم امانی، میر یحییٰ قسمی، میر ہاشم وغیرہم مرزا محمد صادق بن مرزا محمد صالح اصفہانی عہد شاہجہاں کا ایک ممتاز مورخ ادیب اور شاعر گزرا ہے۔ صادق گجرات کے شہر سورت میں پیدا ہوا (۱۰۱۸ھ/۱۶۰۹ء) پٹنہ کے چار سالہ قیام میں وہ بہت سے فارسی شعراء سے ملا۔ تذکرۂ "صبح گلشن" میں مولانا محمد حسین قزوینی کے بارے میں درج ہے کہ: "مُدّتے در عظیم آباد و بنگالہ اقامت گزید" اور حکیم عارف لاہیجی کے متعلق ہے کہ:

"در عظیم آباد مسکن گرفتہ"

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا شعراء سے پہلے اور بعد کثرت سے ایرانی ادباء و شعراء بہار آتے رہے ہوں گے اور اُن کے اثر سے یہاں مقامی فارسی گو شعراء پیدا ہوئے

---

[1] "بہار اسکول کی اُردو شاعری اور اُس کی تخلیق کے اسباب" عبدالملک آروی، "نگار" لکھنؤ، جنوری ۱۹۳۵ء۔

[2] "عظیم آباد میں ایرانی شعراء کی آمد"، سید نجیب اشرف ندوی، "ندیم" گیا، بہار نمبر ۱۹۳۳ء۔

ہوں گے۔ بہار میں فارسی گوئی کا مذاق طبقۂ خواص میں عام رہا ہے۔ ہندو اور مسلم ادبا و شعرا فارسی کو زمانہ دراز تک ذریعہ اظہار بنائے رہے۔ اُردو شاعری کے تذکرے بھی فارسی میں لکھے جاتے تھے۔ مثلاً: تذکرۂ گلزار ابراہیم، تذکرۂ شورش، عظیم آبادی، تذکرۂ عشقی، تذکرۂ عبرتی، (معراج الخیال، و، ریاض الاذکار،) اور تذکرۂ سفینۂ خوشگو، (بندرابن داس خوشگو)۔ عبرتی، نومسلم کائستھ تھے۔ متاخرین میں شیخ علی حزیں عظیم آباد آئے اور راجہ شتاب رائے کے یہاں رہے۔ بہار کے فارسی گو شعرا میں بیدل عظیم آبادی، شاہ ابوالحسن فرد، شاہ علی حبیب نصر، مولانا محمد سعید حسرت، شاہ اُلفت حسین فریاد، اور حکیم عبدالحمید پریشاں دور وسطی اور عہد آخر میں گزرے ہیں۔

علامہ سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"ہندوستان نے اربابِ کمال کے تمام اصناف میں سے صرف دو کے نام زندہ رکھے ہیں، مشائخ و اولیاء اور شعراء کہ وقتاً فوقتاً ان کے با اخلاص مُریدوں اور معتقدوں نے اُن کے ملفوظات و مکتوبات اور تذکرے لکھ کر ان کے فیوض و برکات اور زبانی و ذہنی الہامات کو قائم و باقی رکھا۔ مگر اس صوبہ (بہار) نے حضرت مخدوم الملک بہاریؒ اور اُن کے رفقاء کو چھوڑ کر ہندوستان کی اس رسم کہن کو بھی تازہ نہ رکھا۔"

علامہ ندوی نے اس اظہار تاسف کے بعد چند بہاری باکمالوں کا ذکر کیا ہے۔ ان اہل فن[2] اور علماء کے ذریعہ بھی بہار میں اُردو زبان کی ترویج و ترقی ہوئی ہے۔

شیخ بڑھ، یا بڈھ بہار میں ایک نامور طبیب اور ممتاز شیخ سلطان سلیم شاہ لودی کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ شیر شاہ سوری کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ انھوں نے ملک العلماء دولت آبادی کی تصنیف ارشاد کی ایک شرح لکھی تھی۔ اکبری دور میں بہار میں

---

[1] نقوش سلیمانی: صفحہ ۴۰۱ - ۴۰۲۔

[2] نقوش سلیمانی: صفحہ ۴۰۲ - ۴۰۵۔

[3] تاریخ فرشتہ (احوال سلطنت سلیم شاہ) اور منتخب التواریخ بدایونی (مطبوعہ کلکتہ) جلد ۱۔ صفحہ ۴۰۰۔

Marfat.com

مذہین کا ایک خانوادہ رہتا تھا۔ اس کے بعد ارکان کے نام یہ ہیں۔ مولانا حافظ شیخ عبدالرزاق بہاری، شیخ الوقت مولانا عبدالنبی، مولانا عبدالمقتدر محدث وغیرہ۔ فتاویٰ عالمگیری کے لکھنے میں بہار کے علماء بھی شریک تھے۔ مُلّا محب اللہ بہاری[1] جو سلّم اور مُسلّم کے مصنف ہیں۔ یہ صاحب عالمگیر کے عہد میں کابل کے قاضی اور بہادر شاہ اوّل کے دَور حکومت میں کل ہند کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ اِن کے بعد مُلّا غلام یحییٰ بہاری (صاحبِ حاشیہ و مُرید حضرت مرزا جانجاناں دہلوی)، مولانا ابراہیم آروی وغیرہ دورِ متاخرین کے جیّد علماء میں شمار کیے جاتے ہیں۔

پروفیسر محمود شیرانی لکھتے ہیں:

"حقیقت[2] یہ ہے کہ اُردو جس طرح ہندوستان کے اور صوبوں میں اسی طرح پنجاب میں برابر بولی اور سمجھی جاتی رہی ہے۔ پنجاب سلطنت اسلامی کا ایک جزو تھا۔ اور سلطنت کا صوبہ ہونے کی حیثیت سے اُردو کو یہاں اسی قدر دخل حاصل تھا، جیسا سلطنت کے اور صوبوں میں....."

اَب اس اَمر میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے کہ صوبہ بہار میں اُردو کو سرِ دورِ اوّل سے ہی دخل حاصل رہا ہے۔ اس دیار میں بھی لسانی ارتقا کی وہی مرکّب اور پیچیدہ تماش ظاہر ہوتی ہے جو اور صوبوں میں ظاہر ہوئی۔ اور جس کا تفصیلی بیان قبل آچکا ہے۔

صوبہ بہار کی تین نئی ہند آریائی علاقائی بولیاں حسب ذیل ہیں: "بھوجپوری" "مگہی" اور "میتھیلی"۔ ان سب بولیوں میں "ریختہ" کی شکلیں پیدا ہوئیں۔ مگر پٹنہ (عظیم آباد) کی مرکزیت کی وجہ سے "مگہی ریختہ" کی سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ بہار میں یہی ریختہ اُردو کی بُنیادی زمین بنی۔ قابل ذکر اَمر یہ ہے کہ نالندہ، وکرم شیلا، اور پاٹلی پُتر کا حلقۂ تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا اور اسی دائرہ پر مغربی اَثر بھرنشوں

---

[1] "ان کی دی ہوئی حدیث کی ایک سند بھلواری میں لکھی ہے"۔ نقوش سلیمانی ص۔

[2] سبحۃ المرجان اور مآثر الکرام، آزاد بلگرامی۔

[3] "پنجاب میں اُردو"، شیرانی، ص ۲۲۳۔

Marfat.com

بالخصوص شورسینی کی مختلف شاخوں (برج، کھڑی ہندوستانی) کا گہرا اثر مسلمانوں کی آمد کے بہت پہلے سے پڑ رہا تھا۔ مگہی اور بھوجپوری کی علاقائی بولیاں نئے ہند آریائی دور کے آغاز میں خالص مگہی اور بھوجپوری نہیں رہ گئی تھیں۔ بلکہ مگہی کے علاقہ میں مگہی اَپ بھرنش اور مغربی اَپ بھرنشوں کا ایک آمیزہ تیار ہو چکا تھا۔ اور یہی حال بھوجپوری کا تھا۔ اَدبی لحاظ سے تو مگہی اور بھوجپوری میں ایک خلا سا تھا۔ علاقائی بولیوں میں اَدب پیدا نہیں ہو رہا تھا۔ اور اَدبی ضروریات کے لیے "پنگل"[1] یا برج بھاشا کا استعمال ہوتا تھا۔ میتھلی کا حال اِن سے بہتر تھا۔ مگر میتھلی بھی مغربی اَپ بھرنشوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ مجموعی طور پر میں "بہاری اَپ بھرنش" کی ترکیب استعمال کروں گا اور اس سے مُراد بہاری بولیاں ہوں گی جن پر مغربی اَپ بھرنشوں کا اثر مسلمانوں کی آمدِ بہار سے پہلے پڑ چکا تھا۔ اسی بہاری اَپ بھرنش میں عربی و فارسی کے الفاظ ملنے لگے اور رفتہ رفتہ "بہاری ریختہ" بن گئی۔ پہلے "آمیزش" کا دَور آیا اور بعد ازاں "ترکیب" کا دَور آ گیا اور ایک ملی جُلی زبان گھل مل کر بن گئی۔ اِسے "بہاری ریختہ" کہیے۔ یہ عہد باضابطہ طور پر تُرکوں کی فتحِ بہار کے بعد شروع ہوا۔ پھر اس "بہاری ریختہ" پر بھی کئی دَور آئے۔ پہلے دَور کو میں بہار میں "اُردوئے قدیم" کا دَور کہوں گا۔ اس دَور میں "ریختہ پن" کے ساتھ کچھ کچھ لسانی پنجابیت بھی ملتی ہے۔ جو دَور وُسطیٰ تک قائم رہی۔ لیکن دَور وسطیٰ کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ بہاری ریختہ کو کھڑی بولی اور "کھڑی بولی ریختہ" تیزی سے متاثر کرنے لگی تھی۔ اس عبوری عہد میں بہاری ریختہ اور کھڑی ریختہ سے مرکّب زبان بہار کے ادبی حلقوں میں رائج ہو رہی تھی اور ایک حد تک بول چال کی زبان کو بھی متاثر کر رہی تھی۔ یہ تبدیلیاں پٹنہ (عظیم آباد) کے اِرد گرد زیادہ نمایاں رنگ میں ہو رہی تھیں۔ مسلمانوں سے قبل مختلف مغربی اَپ بھرنشوں کا اثر بہاری بولیوں پر پڑا تھا۔ مگر مسلمانوں کے

---

[1] اُردو کے ارتقا میں "پنگل" کا بیان ہو چکا ہے۔ یہ راجپوت درباروں میں شاعری کا ذریعہ اظہار تھا۔ یہ ملی جُلی مغربی اَپ بھرنش تھی۔ بہار میں ایک محاورہ ہے۔ "پنگل چھانٹنا" یعنی علاقائی بولی سے الگ زبان استعمال کرنا۔ تاکہ بڑے پن کا اظہار ہو۔ اور یہی۔

Marfat.com

بعد اختصاصی طور پر کھڑی بولی کا اثر پڑنے لگا۔ ہر چند کہ شاعری کی زبان سے برج اور اودھی کا اثر دیر میں مٹا۔ لیکن عہد عالمگیر کے بعد کھڑی بولی کا سکہ بڑی ساکھ کے ساتھ بہار میں چلنے لگا۔ "عہد وسطیٰ" کے بعد بہار میں بھی اُردو کا "معیاری عہد" آیا۔ اس دور میں کھڑی بولی ہندوستانی ریختہ بہار کے اُردو ادب کی فضا پر چھا گئی۔ بہاری بولیوں کی کچھ گونج اور لب و لہجہ و آہنگ قدرے باقی رہ گئے۔ بہار میں معیاری اُردو (کھڑی بولی ہندوستانی) کا عہد آج سے دو ڈھائی سو سال قبل خاصا استوار ہو چکا تھا۔ مثالیں آئندہ باب میں پیش کی جائیں گی۔ میرا خیال ہے کہ بہار میں "معیاری اُردو" کا غلبہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آغاز سے ہی ہونے لگا تھا "اُردوئے وسطیٰ" کی ابتدا تو تغلقوں کے زمانہ سے ہو گئی تھی۔ اور یہ دور جہانگیر کے عہد تک رہا۔

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حقائق قابل لحاظ ہیں۔ لکھا ہے کہ:

"سلطان فیروز شاہ ۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ نے اپنے عہد میں ایک لاکھ سے زیادہ غلام دہلی میں جمع کیے تھے جو زیادہ تر مشرقی ہندوستان سے علاقہ رکھتے تھے۔ فیروز شاہ کے جانشینوں کے عہد میں یہ لوگ اس قدر طاقتور ہو گئے تھے کہ سیاسی معاملات میں دخیل ہو کر ملک میں فتنہ و فساد برپا کرنے لگے۔ ناصر الدین محمد شاہ تغلق ۷۹۲ھ تا ۷۹۵ھ نے تنگ آکر دہلی سے ان کا اخراج عام کر دیا۔"

(پنجاب میں اُردو: شیرانی صفحہ مقدمہ)

ظاہر ہے کہ یہ لوگ ملک کے مشرقی علاقوں کی طرف ہی واپس گئے ہوں گے اور دہلوی زبان کے اثرات اپنے ساتھ بہار، جو مشرقی صوبہ ہے۔ لے گئے ہوں گے۔

"سحریوں کو فارسی سے سخت دشمنی تھی۔" (پ ا، شیرانی مقدمہ صفحہ)

اسلئے سحریوں کا بہار میں غلبہ تھا۔ شیر شاہ سوری اور دوسرے پٹھان بہاری بولیوں کے استعمال و ترقی میں کوشاں ہوں گے اور اس کا لازمی نتیجہ "ریختہ" کی تعمیر میں ظاہر ہوا ہو گا۔ جیسے بہمنی سلطنت اور اُس کے ورثا کے ذریعہ دکنی ریختہ کو ترقی ہوئی تھی۔ "عالمگیر کے عہد سے دیکھا جاتا ہے کہ طبائع کا عام رجحان

اُردو کی طرف ہوتا جاتا ہے۔" (مقدمہ : پ ا ص۷)

عالمگیر کے عہد کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس عہد سے کچھ عرصہ پیشتر ایک نئی تحریک وجود میں آتی ہے، جس کے ماتحت بچوں کی تعلیم کا ذریعہ ہندی زبانیں بن جاتی ہیں۔ عالمگیر کے عہد میں یہ تحریک عام ہو جاتی ہے اور بے شمار کتابیں بچوں کی تعلیم کے لیے لکھی جاتی ہیں۔ جن میں اکثر و بیشتر منظوم ہوتی ہیں۔ یہ سلسلہ ہندوستان کے اکثر صوبوں میں جاری ہو جاتا ہے۔" (پ ا : شیرانی، مقدمہ ص۷)

بہار کی ادبی فضا پر کھڑی بولی ریختہ یعنی اُردو کے غلبہ کے بعد بھی عوام کی بول چال کی زبان اب تک عہد وسطیٰ کی قماش پر ہے یعنی کھڑی بولی اور بہاری بولی کے مرکب سے بنی ہوئی ریختہ زبان زد عام ہے۔ دیہاتوں میں مقامی علاقائی اثر غالب ہے۔ اور شہروں میں کھڑی بولی ہندوستانی کا غلبہ ہے۔ مگر خواص کے درمیان شُستہ مجلسوں میں اور قصبات کی تہذیب یافتہ صحبتوں میں معیاری اُردو ہی بولی جاتی ہے۔ اور اب معیاری ہندوستانی دھیرے دھیرے گاؤں کی طرف بھی جنتا میں پھیل رہی ہے۔

بقول شیرانی :

تغلقوں[1] کے زمانہ سے پیشتر ہی اُردو ایک علیحدہ اور مستقل زبان بن چکی تھی۔ اور اُس نے اپنی صرف و نحو کے قواعد علیحدہ مقرر کر لیے تھے ..... لیکن محمد تغلق کے جانشین سُلطان فیروز شاہ متوفی ۷۹۰ھ کے بعد گجرات نے دکن کی تقلید کر کے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا اور تقریباً دو سو سال تک گجرات دہلی سے علیحدہ رہا۔ ۹۸۰ھ میں جلال الدین اکبر نے دوبارہ اس کو فتح کیا جس قسم کی اُردو گجراتیوں نے تغلقوں سے سیکھی تھی وہ اسی پر قائم رہے۔ اس کے علاوہ دکن اور گجرات ہمسایہ ممالک ہیں۔ اور ان میں تعلقات بھی قائم تھے۔ قصہ مختصر، یہ وجوہ ہیں

---

[1] "پنجاب میں اُردو" شیرانی ص۴۷

جن کی بنا پر گجرات اور دکن میں ایک ہی زبان رائج ہے۔"

اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ:

"تین سو پچاس سال کے ان علاقوں کا دہلی کے ساتھ الحاق ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں دہلی سے دکنیوں کا براہ راست کوئی تعلق نہیں رہا۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ دکنی اُردو، متعدد اُمور میں جو بعض صَرف و نحوے تعلق رکھتے ہیں، اور بعض محاورے سے، مختلف ہوگئی۔"

صوبۂ بہار دکن اور گجرات کے برخلاف قطب الدّین ایبک کے وقت سے سلطنت مغلیہ کے اواخر تک اور پھر برطانوی عہد میں بھی سلطنت دہلی کے ماتحت رہا اور اس کا تعلق براہ راست مرکزے مستحکم اور گہرا تھا۔ اس صورت حال کا لسانی نتیجہ یہ نکلا کہ دہلی اور نواح دہلی میں جو لسانی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ پٹنہ اور بہار پر اُن کا جلد جلد اثر پڑتا گیا۔ عہد وسطیٰ کی بہاری اُردو اور دکنی و گجراتی اُردو میں فرق و امتیاز کے تین پہلو ہیں۔ یوں تو عہدِ اورنگ زیب سے معیاری اُردو زبان عالمگیر ہونے لگی۔ ہاں تھوڑی علاقائی خصوصیتیں پھر بھی باقی رہ گئیں۔

بہاری اُردوئے قدیم کی سب سے پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ اس کی زمین بہاری اَپ بھرنشیں ہیں۔ یعنی مگہی، بھوجپوری اور میتھیلی۔ جب ان بولیوں میں "ریختہ پن" شروع ہوا۔ تو اس کے ساتھ ساتھ دہلی کے واسطے سے وسطی بہاری اُردو پر بھی پنجابی بولی کا اثر پڑا جیسے دکن اور گجرات پر پڑا تھا۔ اس کے شواہد ملتے ہیں۔ لیکن اب تک بہار میں تحقیقات و انکشاف کا کام اس منزل پر نہیں پہنچا جس مقام پر دکن میں پہنچا ہے۔ عہد قدیم اور دور وسطیٰ کے لسانی نمونے بہار میں بہت کم ملتے ہیں اور جو ملے ہیں وہ اتنے پرانے نہیں جتنے دکن اور گجرات کے ہیں۔ لیکن قرائن یہ بتاتے ہیں کہ عہد وسطیٰ کی بہاری اُردو پر اتنا پنجابی اثر نہیں پڑا ہوگا جتنا خود دہلی کی زبان پر اور دہلی کے ذریعہ دکن اور گجرات پر پڑا تھا۔ کیونکہ اس دور دراز علاقے میں پنجابی بڑی تعداد میں نہیں آئے ہوں گے اور دوسرے یہ کہ بہاری بولیوں میں پنجابی اثر قبول کرنے کا وہ مادہ نہیں تھا جو قرابت لسانی کی وجہ سے ہریانہ، دہلی، مغربی اُترپردیش، راجستھان وغیرہ میں تھا۔ بہاری اردو کی تیسری خصوصیت یہ

Marfat.com

ہے کہ دہلی سے مسلسل ربط و تعلق کی وجہ سے وہ لسانی تبدیلیاں جو دارالسلطنت میں ہو رہی تھیں دکن اور گجرات کی بہ نسبت جلد تر بہار میں رونما ہوئیں یعنی جب دہلی کی زبان پر مختلف اسباب سے کھڑی بولی ہندوستانی کا غلبہ کامل ہوا تو بہار میں بھی بڑی تیزی سے کھڑی بولی ہندوستانی رواج پانے لگی۔ اس دیار میں علاقائی اور پنجابی اثرات جلد محو ہو گئے۔ اور معیاری اُردو زبان تہذیبی اور ادبی طور پر پھیل گئی۔

میں اپنی تازہ ترین تحقیقات کی بنا پر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ عہد اورنگزیب عالمگیر (۱۰۶۸ھ/۱۶۵۸ء تا ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء) کے اختتام تک شمالی ہند میں لسانی یکسانی پھیل رہی تھی اور اس کا اثر دکن اور گجرات پر بھی نمایاں طور سے پڑنے لگا تھا۔

اس امر میں ایک اہم مذہبی کتاب فقہہ ہندی کے چند نسخوں کی گواہی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ۱۲ر جون ۱۹۵۴ء کو مجھے فقہہ ہندی کے دو نسخے شاہ مجتبیٰ حسین صاحب کے خاندانی کتب خانہ واقع بہار شریف، ضلع پٹنہ میں ملے۔ دونوں نسخے قدیم ہیں، کرم خوردہ، قلمی۔ قدیم تر نسخے کے آخری صفحہ پر لکھا ہے:

"تمام شد نسخہ فقہہ ہندی واقعہ بتاریخ ہشتم شہر رجب ۱۲۱۸ھ فصلی"

فقہہ ہندی کا دوسرا نسخہ مخطوطات کے مجموعوں کی دوسری جلد میں ہے۔ اس کا کاغذ نسبتاً صاف ہے اور اتنا بوسیدہ بھی نہیں۔ اختتام کے بعد درج ہے کہ:

"تمام شد نسخہ فقہہ ہندی واقعہ بتاریخ سیوم رَجبُ المرجب ۱۲۲۵ھ فصلی از خط خام عاصی گمنام سیّد نور علی احتمام یافت۔"

میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ فقہہ ہندی کے دونوں مذکورہ نسخے کسی قدیم تر بہاری نسخے سے ہی منقول ہیں کیونکہ مثنوی کے ان نسخوں کی زبان پر بہاریت کا صاف اثر ہے۔ مثنوی فقہہ ہندی عہد عالمگیر کی تصنیف ہے۔ مجھے اب تک فقہہ ہندی کے پانچ نسخوں کی اطلاع ملی ہے۔ ایک پنجاب میں، دوسرا گجرات میں، تیسرا اودھ میں، اور چوتھا و پانچواں بہار میں۔ بنیادی طور پر یہ سب نسخے ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں۔ اُن کی زبان ایک ہے۔ ہاں تھوڑا مقامی بولیوں کا اثر موجود ہے۔ لیکن فقہہ ہندی کے ہر نسخے پر پنجابی بولی کا اثر بھی ہے۔

سب سے پہلے فقہہ ہندی کا نسخہ اسپرنگر کو کتب خانۂ اودھ میں ملا تھا۔

Marfat.com

اُنؒ نے فہرستِ کتب خانۂ اَودھ میں اسے محشر نامہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ وہ اس رسالے کے ناظم کا نام محمد جیونؔ عرف محبوب عالم متوطن جھجر بیان کرتا ہے۔ چند اشعار جو نقل کیے گئے ہیں اُن میں کچھ فقہہ ہندی کے دوسرے نسخوں سے ملتے ہوئے ہیں۔ پروفیسر شیرؔانی کو فقہہ ہندی کا ایک دوسرا نسخہ مملوکہ پروفیسر سراج الدّین آذرؔ ایم۔ اے ملا جو ۱۲۳۳ھ کا نوشتہ ہے۔ اسپرنگر کا انتخابی شعر کسی اور رسالہ کا معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے نسخوں میں وہ شعر ہرگز نہیں۔ اُسے مصنّف کے نام میں بھی غلطی لگی ہے۔ فقہہ ہندیؔ کا مُصنّف عبدیؔ ہے، نہ کہ محمد جیونؔ۔ عبدیؔ کا نام مثنوی کے مندرجہ ذیل شعر میں آتا ہے ؎

کیتے مسلہ دین کے عَبدی کہے اہین
فقہہ ہندی زبان پر بوجھو کرو یقین

ایک ہندوستانی زبان میں فقہہ اسلامی کے مسائل پیش کرکے فقہہ ہندیؔ کے مُصنّف نے بڑا انقلابی قدم اٹھایا تھا۔ اُس کا یہ عمل بہت مقبول ہوا۔ پنجاب کے علاوہ ہریانہ، گجرات، اودھ، اور بہار میں اسے شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔

فقہہ ہندی کا گجراتی نسخہ علاّمہ سلیمان ندوی کو سفرِ گجرات کے دوران ملا تھا۔ علاّمہ نے مثنوی کے اشعار کے حوالے بھی درج کیے ہیں۔ اس نسخہ میں تصنیف کا سال ۱۰۷۵ھ لکھا ہے۔

فقہہ ہندی کون مومناں کرو زبان پر یاد
مسائل آدیں دین کے کبھو نہ ہوئے فساد
سَنہ ہزار پچھتر بیچہ ماہ رمضاں تمام
اورنگ شاہ کے دَور میں نسخہ ہوا تمام

اِس نظم کا وزن عربی و فارسی اوزان میں سے نہیں، بلکہ ہندی وزن کی

۱؎ "پنجاب میں اُردو": پروفیسر محمود شیرانی ص۲۳۶ تا ص۲۳۹ اور ص۲۲۵۔

۲؎ "سفرِ گجرات کی چند یادگاریں": نقوشِ سلیمانی ص۲۰۶۔

Marfat.com

پیروی میں ہے۔

بہاری نسخوں کے ابتدائی اشعار حسب ذیل ہیں:

ے حمدثنا سبہہ رب کون خالق کُلّ جہان
لائق حمدوثنا کی اور نکوئی جان
علم شریعت نال کی بھیجا پاک رسولؐ
جو کچھ بھیجا رب نے سبہہ ہم کیا قبول

... ...

کیتی مسلہ دین کی عبدوؒ کہے امین
فقہہ ہندوی زبان پر بوجھو کر ہو یقین
مطلب مسلہ بوجھنا جو کوچہہ ہوئی زبان
عربی ترکی فارسی ہندوی یا افغان
علم شریعت بوجھنا فرض عین کی جان
بالغ جورو مرد کون جو ہوئی مُسلمان

فقہہ ہندی خاصا بڑا رسالہ۔ کُل ۲۲ اوراق بہاری نسخہ نمبر ا میں موجود ہیں اور ہر صفحہ پر کم و بیش چھ اشعار درج ہیں۔ ختم رسالہ پر مندرجہ ذیل اشعار ملتے ہیں:

کعبہ آوے نظر میں پڑہ درود دُعا
اور تکبیر و تہلیل کہہ جو ہی امر خُدا

فقہہ ہندوی کون موسناں آنو زبان پر یاد
مسلہ اوپیں دین کے مول نہوئی فساد

سنہ ہزار چوہتر[2] بیچ رمضان تمام
اورنگ شاہ کے دور میں نسخہ ہوا تمام

---

[1] بہار شریف کے نسخہ نمبر ا کے حاشیہ پر "عبدوؒ" کے پاس لکھا ہے۔ "نام صاحب مصنف"

[2] پنجابی اور بہاری نسخوں میں ۱۰۷۴ ہجری سنہ تصنیف لکھا ہے۔ گجراتی نسخہ ۱۰۷۵ ہجری اور اودھی نسخہ میں "سن ہزار چوتھے"

فقہ ہندی کے بہاری نسخوں میں بہاری زبان کے اثرات جا بہ جا ملتے ہیں۔ مثلاً ہندوئی، کرہو، جورو، سبہہ، بیچہ، ہاتہہ، دینہہ، جاؤ نہہ، پاچہ پیچھین، "ہ" کی آواز کا اعلان بہاری بولی میں مُبالغہ کے ساتھ دیر تک ہوتا رہا۔ پنجابی نسخہ میں "ہ" کی آواز گر گئی ہے۔ نئی ہند آریائی زبانوں میں وسطی زبانیں یعنی مغربی ہندی، مشرقی ہندی اور بہاری زبانیں "ہ" کی آواز کو الفاظ کے بیچ یا آخر میں بڑی تاکید سے قائم رکھتی ہیں۔ "ہ" کی مرکّب آواز بھی قائم رکھی جاتی ہے۔ مثلاً: گھ، جھ، دھ، ڈھ بھ برخلاف ان کے بنگالی، پنجابی اور سندھی میں "ہ" کی آواز گر جاتی ہے یا بُنیادی طور پر بدل جاتی ہے۔

فقہ ہندی[1] کے پانچوں نسخوں کی زبان کا عام ڈول اور ڈھانچہ کھڑی بولی ہندوستانی کا ہے۔ مختلف ناقلوں نے اپنی اپنی مقامی زبان کا لحاظ رکھتے ہوئے قدرے ردّ و بدل کیا۔ اس مثنوی کے سب نسخوں میں پنجابی اثر کا موجود ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ عہد عالمگیر میں ہی یا اس کے قریب ترین زمانہ میں فقہ ہندی، اودھ، بہار اور گجرات میں منقول ہو کر مقبول خاص و عام ہو چکی تھی۔ اواخر عہد مُغلیہ میں بہاری اُردو میں پنجابی اثر مٹ چکا تھا۔ اگر مثنوی کی نقل بہت بعد میں ہوتی تو مقامی ضروریات کا لحاظ کر کے پنجابی الفاظ بالکل ترک کر دیے جاتے کیونکہ بہاری نسخوں میں ردّ و بدل کا بہاری میلان پایا جاتا ہے۔ قرائن یہی کہتے ہیں کہ رسالہ فقہ ہندی تصنیف کے فوراً بعد ہی پنجاب سے بہار پہونچ گیا تھا اور یہاں اچھی طرح سمجھا جاتا تھا۔ پروفیسر شیرانی لکھتے ہیں:

> "شمالی ہندوستان میں جس میں دہلی بھی شامل ہے، اُردو کی قلمی یادگاریں گیارھویں صدی ہجری سے زیادہ قدیم نہیں ملتیں پنجاب میں بھی اسی صدی سے تالیفات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پنجاب میں مولانا عبدی کی تصنیف رسالۂ فقہ ہندی سب سے قدیم ہے۔ جو ۱۰۶۴ھ میں

---

[1] "انڈو ایرین اینڈ ہندی" چٹرجی ص ۱۰۵۔

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو میرا مقالہ "مثنوی فقہ ہندی"، رسالہ نقوش، لاہور۔

Marfat.com

بعد اورنگ زیب عالمگیر لکھا جاتا ہے۔"[1]

بہار میں فقہ ہندی کے دو قدیم نسخوں کا پایا جانا اس حقیقت کا ایک ثبوت ہے کہ اس صوبہ میں اُردو زبان عہد عالمگیر میں پھیل گئی تھی۔ مثنوی کے مختلف نسخوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عالمگیری دَور میں شمالی اور جنوبی ہند میں قدرے مقامی رنگ کے ساتھ لسانی یکسانی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ زمانہ بہار میں اُردو زبان کے ارتقا کا ایک اہم سنگ میل ہے۔

مجھے ایک اور اہم اور قدیم کتاب کے دو قلمی نسخے بہار میں ملے ہیں یہ کتاب مُلا محمد رمضان کی نظم کردہ ہے۔ نام "آخرت[2] نامہ" یا "آخرگت" ہے۔ پہلے پہل مجھے اور پروفیسر حسن عسکری صاحب کو یہ خیال ہوا تھا کہ "آخرت نامہ" کسی بہاری کی تصنیف ہے۔ مگر بعد میں خارجی اور داخلی شہادتوں سے حقیقت معلوم ہوئی۔ بہرکیف صوبۂ بہار کے دو مختلف مقامات میں "آخرت نامہ" کے پرانے قلمی نسخوں کا ملنا اس اَمر کا ثبوت ہے کہ اس صوبہ کے قصبات میں بھی اُردو زبان کا اثر و نفوذ عہد عالمگیر کے بعد بھی دن بہ دن بڑھتا گیا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وسط تیرھویں صدی ہجری تک لسانی و ادبی لحاظ سے ہریانہ سے لے کر صوبۂ بہار تک ایک وسیع دائرہ قائم ہو چکا تھا۔ "آخرت نامہ" مُلا محمد رمضان متوطن ہریانہ کی تصنیف ہے۔ پروفیسر محمود شیرانی نے اپنی مشہور کتاب "پنجاب میں اُردو" کے مقدمہ میں محمد رمضان اور "آخرگت" کا سرسری تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"..... ہریانی علاقوں میں تصنیفات کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے لیکن اس کے ادبیات کے متعلق ہماری موجودہ معلومات بہت محدود ہیں حضرت شاہ غلام جیلانی رُہتکی مُصنّف "چوپائیہا" متوفی ۱۲۳۵ھ اور مولوی محمد رمضان مُصنّف "آخرگت" و "بلبلِ باغ محمد" ۱۲۲۶ھ اور انور رُہتکی (جو اسی صدی کے نصف دوم سے علاقہ رکھتے ہیں) کے نام اور تصنیفات سے پتہ چلتا ہے کہ محبوب عالم کی تحریک اس علاقہ میں

---

[1] پنجاب میں اُردو، ص ۲۲۵ [2] ملاحظہ ہو میرا مقالہ مطبوعہ "معاصر" پٹنہ دسمبر ۱۹۵۶ء۔

Marfat.com

برابر جاری رہی ہے۔ (مقدمہ صفحہ ۱۰)

"آخرت نامہ" کا ایک نسخہ بانگ درا کے سائز کا ہے۔ اس میں ایکسو سولہ اوراق ہیں۔ دوسرا نسخہ الفاروق کے سائز کا ہے۔ دونوں نسخوں کا کاغذ زرد اور موٹا ہے۔ دونوں بہاری نسخے مکمل ہیں۔ ایک نسخہ مجھے پروفیسر سید حسن، صدر شعبۂ فارسی پٹنہ کالج کے ذریعہ شیخ محمد منصور ایم۔ اے سے ملا اور دوسرا پروفیسر سید حسن عسکری، صدر شعبۂ تاریخ، پٹنہ کالج سے حاصل ہوا۔ اوّل الذکر نسخہ پر درج ہے:

"حق مالک ایں نسخہ کتاب آخرت نامہ شیخ غلام مخدوم ابن شیخ غلام نجف بن شیخ محمد عالم ولد محمد جہانگیر ساکن موضع اوگانواں پرگنہ حویلی بہار اند ....."

ثانی الذکر نسخہ پروفیسر سید حسن عسکری کو خانقاہ منیر شریف سے دستیاب ہوا تھا۔ دونوں نسخوں میں تھوڑا تھوڑا فرق نظر انداز کرنے کے قابل ہے۔ "آخرت نامہ" کا آغاز یوں ہوتا ہے ؎

پہل حمد ہی پاک سبحان کی — بنائی جی جن صورت انسان کی
کیئی آپ عالم اٹھارہ ہزار — بزرگی کا آدم پی کیا اوتار
جو لاشی و مذکور ظاہر کیا — سبب خاک نطفہ کی باہر کیا

اختتام کتاب یوں ہے ؎

تیری دوست کی نام پر ہی ختم — محمدؐ نبی جو شفیع الامم
ختم دوست کی نام اُوپر ہوئے — محمدؐ محمدؐ محمدؐ بنیے
محمدؐ محمدؐ علیہ السّلام — علیک الصلواۃ ہمیشہ مدام

تمت تمام شد کتاب آخرت نامہ و آخر گت

بتاریخ ہشتم شہر ربیع الثانی ۱۲۳۲ھ ہجری المقدس

دوسرے نسخہ میں تاریخ کتابت "بست و پنجم شہر جمادی الاوّل ۱۲۴۹ھ" درج ہے۔

کتاب کے خاتمے کچھ پہلے مصنّف فرماتے ہیں:

غرض ایک ہی سب پڈھن ہار پر — کریں دی دعا مجھ گنہ گار پر

آخرگت میں تاریخ ہی سن کتاب　　بہر آخرت نامہ نام کتاب
اس ادہین ات چہین رمضان نام　　محمدؐ ہو سر پر تو تاریخ نام
محمدؐ و رمضان دونوں ملیں　　گیارہ سے ترا سے عدد ہون کہین
یہی سن ولادت ہی رمضان کے
جو ابجدؔ سے واقف ہو پہچان کے

محمد رمضان کا سن ولادت ۱۱۸۳ھ ہے اور "آخرت نامہ" کا سن تصنیف "آخرگت" سے ۱۲۲۲ھ نکلتا ہے۔ آخرت نامہ ایک مذہبی منظوم کتاب ہے، جس میں مناجات کے علاوہ جانکنی، موت، عذاب قبر، موجباتِ نجات، احوال شہدا، احوال قیامت، علامت قیامت، امام مہدی، جنگِ نصاریٰ، احوالِ دجّال، نزول عیسیٰ علیہ السّلام، یاجوج ماجوج، شفاعت، نامۂ اعمال، میزان، کلمۂ تمجید وغیرہ کا بیان ہے۔

اَب میں عہدِ وسطیٰ میں بہار کی زبان کی کیفیت کا ایک دوسرا پہلو پیش کرتا ہوں۔ کھڑی بولی ہندوستانی نے بہار میں اب تک گھر بنالیا تھا اور سماج کے مختلف طبقوں میں طرح طرح سے اپنا اثر دکھا رہی تھی۔ ملی جُلی پوربی اور بہاری بھاشاؤں کے درمیان کھڑی ہندوستانی بولی ریختہ کے سہارے پنپنے اور پھیلنے لگی تھی۔

راجہ مان سنگھ بہار کا ایک جلیل القدر گورنر تھا۔ پروفیسر حسن عسکری کو راجہ موصوف کا ایک فرمان شاہ مختار احمد ساکن جروہہ متصل حاجی پور سے ملا ہے۔ اس کا عکس بنگال پاسٹ اینڈ پریزنٹ، جلد ۶۶ ۱۹۴۶-۴۷ء میں حسن عسکری نے اپنے مقالہ کے ساتھ شائع کرایا ہے۔ فرمان فارسی میں بھی ہے اور ہندوستانی میں بھی۔ ہندوستانی عبارت مہاجنی رسم الخط میں ہے اور اس کی پچیس سطریں ہیں ہندوستانی عبارت داہنی طرف ہے اور فارسی عبارت بائیں جانب۔ فرمان راجہ مان سنگھ حسب ذیل ہے:

"سیّد محمد و سید احمد عرف ماموں بھانجہ

---

* BENGAL PAST AND PRESENT, VOL 66- 1946-47.

Marfat.com

حکم عالی شد

عمال و متصدیان مہات پرگنہ حاجی پور بعنایت و التفات امیدوار بوده بدانند که بموجب تصحیح و تصدیق صدارت پناه مرحومی قاضی یعقوب و اسناد حکام سابق موازی چهارده بگهه زمین مزروعه خارج جمع اثر سال تمام از موضع جردهه از پرگنهٔ مذکور در وجه مددِ معاش شیخ بخش و جمال مجاوران مزار متبرکه قطب الاقطاب مقرر بود و الخ ۲۱، ذی الحجه ۹۹۹ھ۔"

ہندوستانی عبارت مہاجنی رسم الخط میں حسب ذیل ہیں :

"سری مہاراج دھیراج ۔ سری مان سنگھ جیو !

ناتو متصدی مہات پرگنہ حاجی پور آدی سیس اُسا بچنے اپر بموجب تسہی[1] و تصدیق قاضی یعقوب و سند سابق حکام موازی مزروعہ چودھ بگہہ کاشت سال تمام از موضع جردہہ از پرگنہ مذکور در وجہ مدد معاش شیخ بخش با جماعہ مجاوران مزار مقرر ہے ۔ سہی فصل خریف پارس[2] ایل ۹۹۹ھ بہ ایں دستور سابق بشرط قبض و تصرف موافق تقسیم قانون گویان حوالہ مشارٌ الیہ کے کیجیو ۔ دخل مت کرو ۔ و ہزل پروانہ طلب مت کرو ۔ سال تمام میں فی بگہہ مزروعہ پیچھے شکہ[3] یک خالصہ لیجیو ۔ اور و اور کچھو دخل مت کرو ۔ سری سری ۔ اپو کرن ۲۱، ذی الحجہ ۹۹۹ھ[4]۔"

یہ ہندوستانی عبارت فارسی و عربی آمیز یعنی "ریختہ" ہے ۔ "اُردو" اور "کچھو" کے فارم اور مہاجنی (راجستھانی) رسم الخط کے استعمال سے راجستھانی اثر کا پتہ چلتا ہے ۔ راجہ مان سنگھ ، راجپوتانہ کا ہی رہنے والا تھا ۔ اس لئے عملہ

---

[1] تسہی ، تصحیح [2] پارس ایل ترکی مہینہ غالباً ۔ [3] شکہ ، چونی ۔

[4] یہ دستاویز اب تک مالک (شاہ مختار احمد ، ساکن جردہہ ، متصل حاجی پور) کے پاس ہے ۔ ماخذ ، "جلال پاسٹ اینڈ پریزنٹ" جلد ۶۶ ، ۱۹۴۶ء ۔

Marfat.com

کے کچھ لوگ بھی راجستھانی ہوں گے۔ قرینہ یہ ہے کہ فارسی عبارت کے ساتھ ہندوستانی عبارت اس لیے لکھی گئی کہ بہار کے لوگ اور سرکاری عمّال ہندوستانی کھڑی بولی ریختہ کو آسانی سے سمجھ سکتے تھے۔ کیونکہ اس کا رواج عام ہو رہا تھا سرکاری زبان تو فارسی تھی۔ مگر کھڑی ہندوستانی بولی بھی بہار میں اب تک اپنی انفرادیت، وقار اور عمومیت قائم کر چکی تھی۔ حکومت کی رواداری کی یہ ایک اچھی مثال بھی ہے۔ سرکاری دستاویزوں میں سرکاری زبان کے علاوہ اگر دوسری علاقائی یا عمومی زبانوں کو جگہ دی جائے، تو یہ دستاویزیں، اعلان نامے اور حکم نامے لوگوں کے ہر طبقہ میں اچھی طرح سمجھے اور پسند کیے جائیں۔

اُوپر کی سطروں میں راجستھانی رسم الخط میں لکھی ہوئی ہندوستانی کھڑی بولی ریختہ یعنی اُردو کا ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے جو بہار میں ملا ہے۔ یہ سولہویں صدی عیسوی کے آواخر اور سترھویں صدی عیسوی کے آغاز کی زبان ہے جو اس صوبہ میں رواج پا چکی تھی۔ اب میں میتھلی رسم الخط میں لکھی ہوئی ہندوستانی کھڑی بولی کا ایک قدیم نمونہ[1] پیش کرتا ہوں جو آج سے قریباً دو سو سال قبل کا ہے، یعنی وسط اٹھارویں صدی عیسوی کا۔ اس میں عربی و فارسی لفظوں کی آمیزش بھی ہے۔ غرض یہ کہ یہ نمونہ کھڑی بولی ریختہ کی اچھی خاصی مثال ہے۔ مگر اس میں تَتْ سَمْ سنسکرتی شبد بھی ہیں۔ کیونکہ جس کتاب سے یہ عبارت لی گئی ہے وہ ایک مہا میتھلی پنڈت کی لکھی ہوئی ہے۔ مجھے مذکورہ بالا مخطوطہ پروفیسر جے دیو مصرا[2] سے حاصل ہوا تھا۔

---

[1] انیسویں صدی کے آواخر تک کھڑی ہندوستانی بولی مختلف رسم الخطوں میں لکھی جاتی رہی ہے۔ پروفیسر سید حسن عسکری، صدر شعبہ فارسی پٹنہ کالج کے پاس بمبئی کے تھیٹروں میں کھیلے جانے والے درجن بھر ایسے مطبوعہ اُردو ڈرامے ہیں جو گجراتی رسم الخط میں شائع کیے گئے ہیں۔ رسالہ "نوائے ادب" بمبئی میں ان کا مقالہ شائع ہو چکا ہے۔

[2] پروفیسر جے دیو مصرا، صدر شعبہ میتھلی، پٹنہ کالج۔ علم نجوم کی یہ کتاب "سورج سدھانت" سنسکرت کا ترجمہ ہے۔ جسے کودانند مصرا نے کیا تھا۔ انہیں ڈلّہہ مصر بھی کہا جاتا تھا۔ آپ پروفیسر جے دیو مصرا کے لڑ دادا تھے۔ میتھل پنڈتوں میں علوم قدیمہ کا ذوق و شوق اب تک ہے (باقی صفحہ ۲۰۵ پر)

Marfat.com

پنڈت کمودا نند مصرا معروف بہ دُلّہہ مصر (दुल्लह मिश्र) نے سنسکرت زبان میں علم نجوم کی ایک معیاری کتاب "سوریہ سدھانت" یا "سورج سِدّھانت" (सूर्य सिद्धान्त) مصنفہ وَراہہ میہیر کا ترجمہ ہندوستانی کھڑی بولی میں کیا تھا۔ پنڈتوں کے درمیان یہی زبان اُس عہد میں چلی ہوئی تھی یعنی ملوان کھڑی ہندوستانی بولی۔ پنڈت کمودا نند مصرا چونکہ میتھیلی تھے لہٰذا انھوں نے میتھیلی رسم الخط استعمال کیا۔ یہ ترجمہ قریباً دو سو برس پہلے وسط اٹھارہویں صدی عیسوی میں ہوا۔ کسی بڑے علم دوست انگریز نے پنڈت دُلّہہ مصر کے سپرد علم کی یہ عظیم الشان خدمت کی تھی جس سے پنڈت جی کما حقہٗ عہدہ برا ہوئے۔ "سوریہ سدھانت" کا مذکورہ ترجمہ ایک لپیٹے ہوئے پُلندے کی شکل میں پروفیسر جے دیو مصر کے پاس موجود ہے۔ یہ قدیم مخطوطات اور تصویروں کے لپیٹنے کا چینی طریقہ ہے۔ کاغذ نیپالی ہے جسے ماڑے لیسدار بناکر (مڑیاکر) سُکھایا جاتا ہے۔ اور پھر سنکھ سے چکنا کیا جاتا ہے۔ میتھلا علاقہ تبتیوں اور نیپالیوں کے قبضہ میں رہ چکا ہے۔ وہاں چینی اثر کا پایا جانا تعجب خیز نہیں۔ دستاویزوں اور مخطوطوں میں ورق کے نیچے ورق چپکائے جاتے تھے اور لکڑی کے دستے میں اس طومار کو لپیٹ دیا جاتا تھا۔ "سوریہ سِدّھانت" کا ترجمہ بھی نیپالی کاغذ کے کئی اسکرولوں میں پیش گیا گیا تھا۔ اُسی صورت میں وہ مخطوطہ آج بھی موجود ہے۔ پروفیسر جے دیو مصر کی مدد سے میں نے اس کتاب سے عبارتیں نقل کی ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵) "سوریہ سدھانت" بھاشکر چارج بھی موسوم ہے۔ اس کے علاوہ "گرَہ لاگھو" مصنفہ برہم گپتا کا بھی ترجمہ "کھڑی بولی" میں ہے۔ ترجمہ کمودا نند مصرا ہی کا کیا ہوا ہے۔ غالباً سوریہ سدھانت (सूर्य सिद्धान्त) ۱۷۸۳ء میں لکھی گئی۔

کمودا نند مصرا کے عہد کا تعین دوسری دستاویزوں اور مذکورہ کتاب سے بھی ہوتا ہے۔ پنڈت [illegible] نے شاہ عالم ۱۷۵۹ء تا ۱۸۰۶ء بادشاہ کے عہد سلطنت اور شتاب رائے کی صوبہ داری کے دور میں علم نجوم کی یہ کتاب لکھی تھی۔ لکھتے ہیں:

"شری شری شری گوہر شاہ بادشاہ۔ شری شری شری مظفر جنگ نواب۔ شری شری شتاب رائے صوبہ (دار) شری شری مہاراجہ پرتاب سنگھ ....." (آغاز کتاب، سوریہ سدھانت)

Marfat.com

"چندر لکشا" کا پیدا اِسی کہتین ہے۔ جس روج[1] میں بوجھنے کا ہوئے۔ تس اَپا نے روج[2] میں راتی کئے چندر اودئے کال میں چندر ما کا چھایا دڑا د شانکل شنکوسین چھایا ناپنا۔ تس ہی کال مین جنتر سین چندر اسپشٹ معلوم کرنا۔ تس چندر ما کا اسپشٹ کرانتی (ایک آدمی) جیا کرنا تس سین شیتی جیا لاؤنا۔ تس سین چر جیا (دوسرے آدمی) سادھنا۔ تس کا دھنوسین چر ہوتا ہے۔ چر سین چندر ما کا دِنا ردھ کرنا ..... والخ۔"

اور:

"سورج سدھانت میں بھی کہا ہے۔ شلوک ایک سرشٹی شروع[3] سین بریہپتی کا جتنا بھگنٹر بتیا ہوئے تس کون بارہ سین پورر کرنا۔ تس مین تتنا راشی میزان کرنا۔ تس کون ساٹھ سے بھاگ ہرتے میں سیس بوجھنا۔ بجئے شروع[4] جئے اوغیرا[5] گنٹرنا کریکئے بریہسپت کا برس معلوم کرنا ....."

اور:

"جس سبب سین سوگرھ لکشا کا شٹا ماردھ چلکرن ہے۔ گنٹرت سے بھی چلکرن لاؤنا۔ اس طرح سے جو چلکرن معلوم ہوا۔ تس کا برگ مین دور جیا درگ کمی کرنا۔ تس کو جو مول سو کرٹی ہے۔ سو جو کرٹی سو مکرادکیندر مین کوٹیجا ؛ت پھلجیا اس دونوں کا میزان برد[6] بز دیکھا ....."

معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب سورج سدھانت کا آزاد ترجمہ ہے۔ کیوں کہ لکھا ہے کہ: "سورج سدھانت میں بھی کہا گیا ہے۔" یہ لفظ "بھی" قابل غور ہے۔ قرینہ ہے کہ علم نجوم کی مذکورہ کتاب "دریہ سدھانت کی بنا پر لکھی گئی ہے۔ مگر ترجمہ نہایت ہی آزادانہ ہے۔ عبارتوں کا "ریختہ پن" اور "تت سم" شبدوں کا بھوار ساتھ ساتھ دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اُردو کے مزاج میں "تدبھاؤ" شبد بار پائے ہوئے ہیں۔ لیکن "تت سم" کا قدرے استعمال

---

[1] روج۔ روز
[2] روج۔ روز
[3] شروع
[4] شروح۔ شروع
[5] اوغیرا۔ وغیرہ
[6] بردبر۔ برابر

Marfat.com

ہوتا رہا ہے۔ اگر آج اور آئندہ بھارتی اُردو میں کچھ اور ڈھب کے موزوں تت سم سنسکرت شبد سلیقے اور قرینے سے لے لیے جائیں تو سازگار ہوں گے۔ بہرکیف مذکورہ بالا تین چھوٹی چھوٹی عبارتوں میں مندرجہ ذیل عربی و فارسی الفاظ[1] استعمال کیے گئے ہیں:

پیدا۔ روز۔ آدمی۔ شروع۔ میزان۔ معلوم۔ وغیرہ۔ طرح۔ کمی۔ برابر۔ سبب۔ روز، دو بار۔ معلوم کرنا، دوبار۔ معلوم ہوا، ایک بار۔ آدمی، دو بار۔ شروع، دو بار۔ میزان، دو بار۔ (میزان اور میزان کرنا)۔ پیدا، ایک بار۔ وغیرہ ایک بار۔ طرح، ایک بار۔ کمی کرنا، ایک بار۔ برابر، ایک بار۔ سبب، ایک بار۔

پوری کتاب میں کثرت سے عربی و فارسی لفظ برتے گئے ہیں۔ مُشتے نمونہ از خروارے پیش ہو چکا۔ اس قیمتی مخطوطے سے دو نتیجے نکلتے ہیں۔ اوّل یہ کہ کھڑی بولی ہندوستانی میں "ریختہ پن" فطری اور عمومی رَو ہے اور اس میں ہندو ہندوستانی، اور مُسلم ہندوستانی کی تفریق غلط اور فتنہ ساماں ہے۔ یوروپی تحقیق کرنے والوں اور اساتذہ نے ناحق یہ تقسیم کی اور دو طرز کے لِسانی میلانوں کو فرقہ واری نام دیدیئے۔ حد یہ کہ پروفیسر گارساں دتاسی نے بھی "ہندوستانی[2] زبان کی ہندوی اور اسلامی شاخوں" کا فرق روا رکھا ہے۔ اگر ہندوستانی کی دو طرزوں کی انفرادیت تسلیم بھی کرلی جائے تو یہ بات مناسب اور غلط ہوگی کہ ایک کو ہندو طرز اور دوسرے کو مسلم طرز کہا جائے۔ یہ تو طے ہے کہ دونوں طرزوں میں ریختہ پن کم و بیش موجود ہوتا ہے[3]۔ پھر اُردو زبان ہندوؤں میں بھی مروّج ہے اور ہندی مُسلمانوں میں بھی۔

---

[1] عربی و فارسی الفاظ بھی [illegible] پراکرتی رَو سے متاثر ہوئے ہیں۔ اور ان کا بھی [illegible] روز۔ شروع۔ اوگیا

[2] خطبات گارساں دتاسی ۱۸۵۰ء تا ۱۸۶۹ء۔ دوسرا خطبہ ص۶ تا ص۱۶۔ پانچواں خطبہ ص۵۳۔ انجمن ترقی اُردو، اورنگ آباد (دکن)، ۱۹۳۵ء۔

[3] ہندی کی لغت "شبد ساگر" میں بکثرت عربی و فارسی الفاظ ہیں [illegible] ہندی ڈکشنری میں۔

دوسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسم الخط کے معاملے میں ہندوستانی جیسی وسیع الاثر اور ہندگیر زبان کو وحدانی بنانا غلط ہے۔ مذکورہ مخطوطہ میں ہندوستانی کھڑی بولی ریختہ کو میتھیلی رسم الخط میں پیش کیا گیا ہے۔ اسے ناگری رسم الخط میں پیش کیا جائے یا فارسی رسم الخط میں یا گجراتی، مرہٹی اور گورمکھی و بنگالی میں، اس تنوع کی اجازت ہونی چاہیئے اور ہندوستانی کے دو میلانات کو انتہا پسندانہ طور پر منحرف ہونے دینا نہیں چاہیئے۔ یہی سلامتی، صحت، امن اور اتحاد کا طریقہ ہے۔

بہ ہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت رامی شناسم

قبل تذکرہ ہو چکا ہے کہ معیاری اُردو زبان کی ترکیب کی دو جہتیں ہیں، کھڑی بولی کی جہت اور عربی، فارسی و ترکی الفاظ کی آمیزش کی جہت۔ عہد قدیم و عہد وسطیٰ دونوں میں بہار پر مغربی مدھ دیش کی بولیوں کا اثر پڑا اور یہاں کی بولیوں میں عربی و فارسی لفظوں کی آمیزش بھی ہوئی۔ آج بھی اس امر کا بہ کثرت ملتا ہے کہ یہاں کی بھوجپوری، مگہی اور میتھیلی بولیوں میں عوامی حیثیت سے عربی، فارسی و ترکی الفاظ داخل و شامل ہیں اور ان کا روز مرّہ استعمال ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لفظ نئے مہمان نہیں ہیں، بلکہ صدیوں پہلے بہاری بولیوں میں گھر چکے ہیں۔

میں نے بہار کے گاؤں، بستیوں، قصبوں اور شہروں سے ایسے الفاظ جمع کیے ہیں جو عربی، فارسی یا ترکی ہیں۔ مگر عوام کی بولیوں سے اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ وہ صوبہ کی مختلف علاقائی بولیوں اور مقامی روز مرّہ کا اٹوٹ حصہ بن کر زبانِ عام پر چڑھ چکے ہیں اور جنتا کے خیالات و جذبات میں گھر کر گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ عمل صدیوں قبل شروع ہوا ہوگا اور یہ الفاظ اس امر کا ثبوت ہیں کہ بہاری بولیوں میں "ریختہ پن" علاقائی لسانی تحریک و عمل ہے۔ اس عمل نے صوبہ میں معیاری اُردو زبان کے جڑ پکڑنے میں بڑی مدد دی ہے۔ ہندوستانی بولیوں کا "ریختہ" بننا بہت ہی قیمتی، فائدہ رساں اور یکسانیت و اتحاد پیدا کرنے والا عمل ثابت ہوا۔ اس "ریختہ پن" نے بھانت بھانت کی نئی ہند آریائی بولیوں کو متحد کیا۔ ملک کو ایک بین العلاقائی زبان بخشی، ہندگیر معیاری اُردو زبان کے پیدا ہونے میں مدد دی۔

Marfat.com

ایک قومی زبان کے تصور کو جنم دیا اور اس کی پرورش کا سامان بہم پہنچایا۔

اَب میں اپنے پنج سالہ لِسانی سَروے کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔ اگر زیادہ وسعت سے صوبہ میں لِسانی سروے اور تجزیہ کا کام سائنٹیفک طور پر کیا جائے تو نتیجے زیادہ بصیرت افروز ثابت ہوں گے۔ سارے صوبۂ بہار کی بولیوں میں تدبھاؤ شبدوں کا عمل دخل ہے اور ان سے مِل کر بنی ہوئی ریختہ کا۔ عربی، فارسی اور تُرکی الفاظ کے ساتھ بھی اسی طرح پراکرتی عمل (PRAKRITI ACTION) ہوا اور پھر اَپ بھرنشوں کی سی کیفیت بھی پیدا ہوئی جیسی عہد قدیم میں سنسکرت شبدوں پر گزری تھی۔ شمالی اور جنوبی بہار کے اکثر باشندوں کی زبان کا یہی ڈھانچہ۔ ڈھنگ تماش اور رنگ ہے۔ چھوٹا ناگپور میں آدی باسی قبائلی بولیاں اور تدبھاؤ الفاظ سے بنی ہوئی ملواں مگہی بُولی۔ بولی جاتی ہے۔ جس میں عربی و فارسی لفظ بھی مِلے ہوئے ہیں۔

موجودہ بہار تین حصّوں میں بنٹا ہوا ہے۔ شمالی بہار (جو دریائے گنگا کے اُتر ہمالہ تک واقع ہے)، جنوبی بہار (جو دریائے گنگا کے دکھن چھوٹا ناگپور کی سطح مرتفع تک پھیلا ہوا ہے)، اور چھوٹا ناگپور (یعنی جنوبی بہار کے دکھن کی سطح مرتفع اور کہستان۔ جو اُڑیسہ تک وسیع ہیں)۔ شمالی اور جنوبی بہار میں نئی ہند آریائی بولیوں کا غلبہ ہے۔ مگر چھوٹا ناگپور میں کول ڈرا ور آدی باسی بولیوں کا زور ہے۔ اس کے باوجود اس علاقہ میں بھی اُردو زبان اسی ڈھنگ سے پھیلی ہے جیسے وہ دکّن میں پھیلی تھی۔ حیدرآباد کا شہر تلنگانہ علاقہ میں ہے مگر وہ اُردو کا مرکز بنا۔ اسی طرح رانچی اُڑاؤں منڈا زبانوں کے حلقہ میں ہے، پھر بھی وہ چھوٹا ناگپور میں مرکزِ اُردو کی حیثیت رکھتا ہے۔ شہر عظیم آباد (پٹنہ) اس دیار میں شاہجہاں آباد (دہلی) کا ثمیل ہے۔ قدیم عہد میں جھاڑکھنڈ کا علاقہ آریائی اثرات کے تحت نہیں آیا تھا۔ شیر شاہ سوری نے اس خطّہ میں ڈرا ور قوم (چیرو قبائل) کا روز توڑا۔ اور جہانگیر کے زمانے میں چھوٹا ناگپور سلطنت دہلی کے زیر نگیں ہو کر پٹنہ کی عملداری میں آیا۔ ۱۶۶۰ء کے بعد آریائی بولیوں کا اثر تیزی سے چھوٹا ناگپور میں پڑنے لگا۔ قربت کی وجہ سے مگہی بھاشا چھوٹا ناگپور میں پھیلی شمال کے رہنے والے بھی وہاں جا کے بسے اور اپنی بولی ساتھ لے گئے۔ مقامی لب ولہجے سے متاثر ہو کر مگہی بھاشا ہی پہلے مروّج ہوئی اور بعد ازاں کٹھن بولی ریختہ

Marfat.com

کا اثر و نفوذ ہوا۔ عہد وسطیٰ میں ہی اُردو زبان چھوٹا ناگپور پہنچ گئی تھی۔ عہد جدید میں عیسائی مشنریوں کے ذریعہ کھڑی بولی کو ہندوستانی کے پھیلنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ آدی باسی قبائل کے لوگ بھی اب ہندوستانی بولنے لگے ہیں۔ انجمن ترقی اُردو (ہند) نے سہیل عظیم آبادی کو تقسیم ملک سے پہلے قبائل میں ترویج اُردو کے لیے مقرر کیا تھا۔ فی الحال رانچی، ٹاٹا نگر، ہزاری باغ، چائی باسا، پرولیا، لوہردگا، گوملا، اِٹکی ڈالٹن گنج وغیرہ کے گرد اُردو زبان پھیل رہی ہے۔ اِن مراکز میں اُردو بولنے اور پڑھنے والوں کی بڑی خاصی تعداد موجود ہے اور وہاں اُردو تحریک بھی چل رہی ہے۔ رہی ہے۔

بہاری جنتا کی بولیوں میں گھلے ملے ہوئے عربی، فارسی و ترکی الفاظ درج ذیل ہیں:

مُلک، بادشاہ، سرکار، حاکم، رعیت، فیصلہ، داروغہ جمعدار، منشی، قبالہ، حصّہ، تحصیلدار، تحصیل، وصول، قسط، مُسماۃ بقلم خاص، خاص، عام، ناظر، عدالت، عذر، عذرداری، داخل خارج جمع، جمع بندی، زمینداری، زمیندار، آبپاشی، گلِ اندازی، بارانی چاہی، زمین، جائیداد، مزروعہ، غیر مزروعہ، تعیناتی، بحث، وکیل مختار، جرح، صلح، صفائی، فیصلہ، مقدمہ، فوجداری، پیشی، دیوانی خاص محال، کاشت، کاشتکار، خود کاشتہ، مدعی، مدعالیہ، زمانہ نگاہ، زور، مضبوط، نظر، ہردم، سوال، جواب، باورچی، جہیز بیکار، بیکاری، ایمان، بے ایمان، قسمت، تقدیر، نصیب، پردہ خراب، رکاب، چابک، لگام، زین، اصطبل، عداوت، دشمن دشمنی، آسمان، چارخانہ، فیلبان، موزہ، پائتابہ، مکان، چہاردیواری حدبندی، بندوبستی، دروازہ، دربار، ناشتہ، غالیچہ، شامیانہ، قالین خیمہ، قنات، تکیہ، گاؤتکیہ، درباری، سرکاری، فانوس، چادر آرام، بیماری، علاج، خیال، پرہیز، روشنائی، تختہ، تختی حکیم، مؤکّل، دوا، روشنی، تحفت، سخت، کوشش، دری، کم

Marfat.com

بیش ، رعب داب ، بہادر ، شریف ، ہمّت ، محنت ، مزدوری ،
مزدور ، انقلاب ، دانہ بندی ، عباقبا ، جامہ ، آئین ، قانون ،
سلامت ، انتظام ، آباد ، پاندان ، قدمہ ، قلیہ ، پلاؤ ،
قاب ، طشتری ، دیوارگیر ، خوگیر ، کفگیر ، بارہ دری ، سینہ ، بازو ، دستی ،
سَر ، پاجامہ ، شیشہ ، آئینہ ، قلم ، دوات ، کاغذ ، کتاب ، دفتر ،
جلد ، دریچہ ، دریچی ، دستخط ، دستاویز ، وکالت نامہ ، عرضی ، دعویٰ ،
دعویٰ ، دائر ، مزاج ، معافی ، قبولیت ، قبولیت ، انصاف ، منصف ،
قبضہ ، تیر ، تلوار ، دخل ، دہانی ، بیع ، بنام ، عرضی ، گذار ، گواہ ،
گواہی ، دوست ، خواب ، خوب ، شان ، فقیر ، صورت ، شکل ،
خوبصورت ، بدصورت ، نام ، بدنام ، دوست ، زلزلہ ، آوارہ ،
خرچ ، تماشہ ، چشمہ ، قمیض ، ازار ، ازار بند ، اجازہ ، اجازہ دادی ،
خاکی ، بادی ، قرض ، شیرنی ، سایہ ، نشان ، پتہ ، پنجہ ، ناخن ،
کُشتی ، کشتی ، تباہ ، برباد ، خطرہ ، خطرناک ، جان ، شُبہ ،
مدد ، مددگار ، بندوق ، صندوق ، خوش پوشش ، خیرات ، مرد ،
عورت ، مردانہ ، زنانہ ، بچّہ ، حرام ، حلال ، عجیب ، تعجب ،
گناہ ، ثواب ، عزّت ، علم فعلہ ، بے عزّتی ، علداری ، معاملہ ،
قافلہ ، سرکار ، پیروی ، شاباش ، بدمعاش ، بدمعاش ، ثبوت ،
چراغ ، شیخی ، زہر ، باغ ، گلزار ، غلّہ ، ربیع ، شیر ، زبان ،
بیان ، تحریر ، تحریری ، طوفان ، دنیا ، جہان ، پرچہ ، پُرزہ ،
پَر ، حرج ، حرجانہ ، سبز ، سُرخ ، نقارہ ، چالاک ، چالاکی ،
چُست ، قلعہ ، پیوند ، پابند ، پابندی ، فریاد ، آبادی ،
خریداری ، فصل ، دوکان ، دوکاندار ، خرید ، خریدا ، [illegible] ،
اقرارنامہ ، سردار ، سرداری ، دوستی ، دریا ، سردی ، گرمی ، سرد ،
گرم ، نرم ، بستر ، محل ، مسجد ، تازہ ، سرا ، [illegible] ،
جوش ، کمال ، حملہ ، زخم ، مرہم ، مہمان ، میدان ، [illegible] ،

Marfat.com

اِنسان ، حَیا ، شرم ، سامان ، گلدان ، دربان ، پاسبان ، مزہ
مزہ دار ، تَر ، خُشک ، خُشکی ، تری ، پوشاک ، خوراک ، خوراکی ،
خزانہ ، خزانچی ، بندوقچی ، وزیر ، بادشاہی ، بیگم ، حکم ، احکام ،
ہوشیار ، ہوشیاری ، قول ، قرار ، بے قرار ، بے قراری ، دل ، بُزدل ،
خوش ، خوشی ، راضی ، رضامند ، غم ، غمی ، مُردہ ، زندہ ، قبر ،
کفن ، آتشبازی ، شکار ، میرشکار ، نشانہ ، نذرانہ ، بیعانہ ، چادر ،
غلاف ، چارپائی ، قَسم ، قِسم ، دَرد ، بے درد ، پسند ، ناپسند ،
سپاہی ، موضع ، ضلع ، ساکن ، رسید ، سکونت ، خرابی ، شَرابی ،
جائز ، ناجائز ، نازک ، قطار ، فرصت ، تلاش ، تلاشی ،
نالش ، ثالثی ، جُرمانہ ، خواہش ، گردش ، گرد ، سفید ، سفیدی (چونا)
گردانی ، محبّت ، نفرت ، جوان ، جوانی ، بیوہ ، سادہ ، ارادہ ،
مہتَابی ، جَلد ، جَلدی ، شریک ، شریک دار ، غریب ، امیر ، غریبی ،
امیری ، ناراض ، سَزا ، حساب ، پروانہ ، قُرق ، چاقو ، بدہضمی ،
شادی ، برادری ، مقام ، صبح ، شام ، درخت ، روزگار ، درجہ ،
زبردستی ، مالک ، چیز ، تاریخ ، مُلاحظ ، شوق ، شوقین ، صحیح ، غلط ،
غلطی ، کاروبار ، بَد ، بدی ، غلام ، غلامی ، آزادی ، داغ ، ذکر ،
جگر ، جگری یار ، بہار ، دماغ ، شہر ، دیہات ، دیہاتی ، سوار ،
پیادہ ، قینچی ، حِصّہ ، حصّہ دار ، حصّہ داری ، شروع ، گذارہ ،
اندر ، ظالم ، ظلم ، غضب ، حال ، حالت ، طور ، طریقہ ، راہ ، اثر ،
معلوم ، ہزار ، مزار ، گرفتار ، بازار ، گرفتاری ، بازاری ، مقابلہ ،
استعفیٰ ، طرح ، موسم ، قیمت ، سفارش ، خیریت ، خبر ، خط ، اخبار ،
بدل ، افسوس ، طرف ، طرفداری ، علاقہ ، قصور ، حضور ، ضرور ، نشہ ،
زندگی ، تیز ، چہرہ ، نقشہ ، جاہل ، رنگ ، مطلب ، غرض ، نبض ،
قارورہ ، تنگ ، تنگی ، نواب ، نوابی ، لفافہ ، لحاف ، توشک ،
جہاز ، دقّت ، سفر ، پریشان ، پریشانی ، حیران ، حیرانی ، میراث ،

درخواست ، ترقّی ، دُور ، نزدیک ، ختم ، آخر ، بخار ، علم ، رحم ، دوامی ، نامی ، گرامی ، روز ، مستی ، سُستی ، سُست ، ترازو ، کبوتر ، باز ، سُرخاب ، مرغابی ، تیّار ، تیّاری ، صوبہ ، ملکی ، گلاب ، گلابی ، شراب ، کباب ، تردہ ، ضمانت ، کارخانہ ، مُشاہرہ ، درماہہ ، صد ، صدی ، شوخ ، شوخی ، مشعل ، قلعہ ، سُرمہ ، نقصان ، محلّہ ، نتیجہ ، باقی ، اختیار ، اجازت ، حاضر ، حاضری ، غیرحاضر ، غیرحاضری ، تماشہ ، نازک ، نادان ، نیک ، نیکی ، تکلیف ، صحبت ، پاک ، ناپاک ، عیب ، ہُنر ، عیب دار ، بے عیب ، بے عزّت ، عزّت دار ، شرم ، بے شرم ، مزاج ، مشکل ، آسان ، آسانی ، نصیحت ، فضیحت ، تقدیر ، قسمت ، ہوش ، حواس ، تدبیر ، نگاہ ، بے ہوش ، مصیبت ، سال ، تنخواہ ، آہ ، خواب ، دماغ ، نوبت ، عمر ، سن ، خط ، ضد ، ضدی ، خزانہ ، خزانچی ، زندگی ، وغیرہ وغیرہ ۔

صوبۂ بہار میں قدیم اُردو کے نمونے حضرت شیخ شرف الدّین احمد رحمۃ اللہ علیہ کے عہد سعید سے ملتے ہیں ۔ حضرت ۶۶۱ھ میں بمقام منیر (ضلع پٹنہ) پیدا ہوئے اور ۷۲۲ھ میں بہ مقام بہار (ضلع پٹنہ) انتقال فرمایا ۔ تعلیم و تربیت بنگال میں پائی تھی اور بیعت دلّی جاکر حاصل کی تھی ۔ ان کے بہت سے ہندوی دوہے ہیں جن میں بعض بیماریوں کی مجرب دوائیں بتائی گئی ہیں[1] ۔ "ابتدا میں سلطان المشائخ نظام الدّین اولیاء کے مرید ہونے کی نیت سے ۷۲۵ھ میں دہلی آئے لیکن اس وقت تک اُن کا انتقال ہو چکا تھا ۔ آخر دہلی میں شیخ نجیب الدّین فردوسی کے مُرید ہو گئے ۔ بہار جاکر مدّتوں کوہ راجگیر میں ریاضت و عبادت میں مشغول رہے ۔ ۷۸۲ھ میں وفات پائی ۔ اور میرا شرف جہانگیر سمنانی نے نماز جنازہ پڑھائی ۔ تصنیفات کے سلسلہ میں آپ کے ملفوظات مکتوبات موسوم بہ معدن المعانی

---

[1] نقوش سلیمانی : علّامہ سلیمان ندوی ۔ ص ۴۵-۴۸

[2] پنجاب میں اُردو : پروفیسر محمود شیرانی ، ص ۱۲۴-۱۲۵ ۔ نیز مکتوبات صدقی ۔

Marfat.com

کتاب ارشادالسالکین اور شرح آداب المریدین مشہور ہیں۔ شرف[1] نامہ احمد منیری ابراہیم بن قوام فاروقی نے آپ ہی کے نام پر سلطان بار بکشاہ ۸۶۲ھ و ۸۷۹ھ والی بنگالہ کے عہد میں لکھا ہے۔ "شیخ شرف الدین بھاشا میں بھی شاعری کرتے تھے۔ اور شرف آپ کا تخلص تھا۔" حضرت مخدوم سے کئی فالنامے "کج منذرے، نسخے، نقش اور طلسمات منسوب کیے جاتے ہیں۔ اِن سب کے متعلق قطعیت کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ حضرت مخدوم کے قلم یا زبان سے نکلے۔ لیکن قرائن یہی کہتے ہیں کہ ملفوظات اور بیاضوں میں جو آپ کے نام سے کلام درج ہیں وہ کسی نہ کسی حد تک ضرور حضرت شرف الدین احمد بہاری کے ہی ہیں۔

"معدن المعانی حضرت کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جس کو ان کے مُرید زین بن بدر عربی نے ان کی زندگی ہی میں لکھ کر ان کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ یہ کتاب ۱۳۰۱ھ میں بہار کے مطبع شرف الاخبار میں چھپی تھی۔ اس کتاب کی پہلی جلد کے صفحہ ۲۰۳ میں مذکور ہے کہ حضرت اور اُن کے ایک رفیق خواجہ جلال الدین حافظ ملتانی میں گفتگو ہو رہی تھی

"ہمدرین محل جلال الدین مذکور گفت کہ بزبان ہندی نیکو گفتہ است ہرکہ گفتہ است۔ "باٹ بھلی پر سانکری" بعد ازاں بندگی مخدوم عظّمہ اللہ برزبان مبارک راند "دیس بھلا پردور"[2]

پروفیسر حسن عسکری اس طرز کے حوالوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ اُن کی صداقت میں شبہ کی گنجائش باقی نہیں۔"

---

[1] پنجاب میں اُردو: پروفیسر محمود شیرانی، ص۲۱۱ مولانا ابراہیم فاروقی، بنگالہ کے رہنے والے تھے۔ یہ فرہنگ انھوں نے بڑی محنت سے تالیف کیا تھا۔ اس میں عربی، فارسی الفاظ کے ہندی مرادف الفاظ دیے ہیں۔

[2] بہار میں اُردو: سلیمان ندوی، ندیم، گیا، بہار نمبر، ۱۹۳۳ء۔
نقوش سلیمانی: " " ص۴۹-۴۸۔ بحوالہ معدن المعانی مطبوعہ شرف الاخبار بہار، ۱۳۰۱ھ، مطابق ۱۸۸۳ء، جلد اوّل، ص۲۰۳۔ اور قرون وسطیٰ کے بہار میں اسلامی تصوف کی تاریخی اہمیت۔ پروفیسر سید حسن عسکری، سالنامہ ساقی، پٹنہ ستمبر ۵۲ء، ص۴۹۔

Marfat.com

باٹ بھلی پر سانکری ۔ راہ اچھی ترتنگ۔ شادی بیاہ کے گیتوں میں " سانکری رے گلیا " بمعنی گلی تنگ ہے۔ آج تک بہار کے مسلمان گھرانوں میں بھی مستعمل ہے۔ " دیس بھلا پر دور" کی ترکیب میں تدبھاؤ شبدوں کے ساتھ " دور " فارسی لفظ کی آمیزش قابل مُطالعہ ہے۔ بہار میں " ریختہ " بن چکا تھا اور یہ رَد رفتہ رفتہ آگے بڑھ رہی تھی۔ علّامہ ندوی فرماتے ہیں ۔ " اس وقت تک ایک متحدہ زبان کا قالب تیار ہو چکا تھا۔" (ندیم ، بہار نمبر ۱۹۳۳ء)

ایک دفعہ معمول کے مُطابق حضرت مخدوم بہاری شب گشت کر رہے تھے تو انھیں کسی گاؤں کے قریب رات گزارنے کے لیے پُوال سے بدن ڈھانکنا پڑا۔ جب گاؤں والوں نے آپ کو شبہ پر پکڑا تو آپ نے فرمایا :

" دو منہو ترک چھنو نا بھاتی " [1]

یعنی ، دو مجھ کو چھوڑ ، تنگ ہونا نہیں بھاتا ،

اس جملہ کی ترکیب نہایت توجہ کش ہے۔ ، دو منہو ترک ، میں فارسی ترکیب کی پیروی ہے یعنی فعل پہلے ہے۔ اُردو میں اوّل اوّل یہی وضع تھی ۔ جو فارسی اثر کے تحت دیر تک قائم رہی ۔ اور ہندی بھاشاؤں کی ترکیب سے اُسے ممیز کرتی رہی ۔ گریرسنؒ نے بھی اُردو اور ہندی کے اس فرق کو بیان کیا ہے۔ لیکن جدید اُردو میں یہ فرق باقی نہیں رہا۔ دوسری بات یہ کہ حضرت مخدوم کے اس جملے میں بھی " ریختہ پن " موجود ہے۔ یعنی لفظ " ترک " کا استعمال جو عربی ہے۔

اُوپر کی مثالوں کے علاوہ اندرون صوبہ اور بیرون صوبہ کی مختلف بیاضوں میں حضرت مخدوم بہاریؒ کا کلام ملتا ہے۔ مثلاً :

---

[1] " قرون وسطیٰ کے بہار میں اسلامی تصوف کی تاریخی اہمیت "

از ، پروفیسر سید حسن عسکری ، سالنامہ ساقی ، پٹنہ ، ستمبر ۱۹۵۲ء ۔

بحوالہ ، گنج رشیدی ، ملفوظات صوفی جونپوری حافظ دیوان عبدالرشید ۔

[2] " لگوئسٹک سروے آف انڈیا "

گریرسن ، جلد نہم ، حصہ اوّل ص ۴۷ ۔

فالنامہ : دس[1] چار کچھ اگم آوے آٹھ پانچ پہل مانگے آوے
تین اگیارہ بہنچے راج نو سو سترہ کرے اکاج

اس کے علاوہ آپ کا ایک شعر یہ بھی ہے ؎

؎ شرفا گورڈرا دن نس اندھیاری رات
دان نہ پوچھے کون تمہاری جات

"پنجاب میں اُردو" میں حضرت مخدوم بہاری کا جو "کج مندرہ" درج ہے۔ اس کے اہم ٹکڑے حسب ذیل ہیں :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اَللّٰھُمَّ صلِ علیٰ محمدٍ وآلِ محمدٍ " " " "
" " " " " " کرتا بیدن ہرتا دہی ایک سرجن ہار " "
" " " " جوک مہورت میں تمہیں ساکھی دہرت ہوں۔ جو کچھ فلانے کے پنڈ پران میں ہوئی، راہ کا، باٹ کا، کوئے کا، پو کھر کا، اندھیاری کا، اُجیالی کا، چوٹ کا، پھیٹ کا، کیے کا، کرائے کا، بھیجے کا، بھجائے کا، لانگھے کا، اُلکھین کا دیو دانو بھوت پلیت راکس بھوکس، ڈائن ڈکن سکھن کچن چوڑیل میل ملان جان بھوان" " " " "
گلٹی پھرکی باؤ گولا، سُرخ باد، سبزباد، سیاہ باد، زرد باد و ہفتاد دو باد

---

[1] و [2] بہار اور اُردو شاعری، از پروفیسر محمد معین الدین دردائی (علیگ) ص۱۳ بحوالہ ملفوظات خاندانی قلمی سید شاہ نجم الدین نجم۔ دردائی صاحب خسرو سے پہلے کے ایک بہاری شاعر کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں :

"ناصر الدین اور اس کے بیٹے معز الدین کیقباد کی جنگ کے حالات کو حضرت خسرو سے بہت پہلے ایک بہاری شاعر نے۔ .. .. قلم بند کیا تھا۔ خسرو کی قرآنِ سعدین ہر جگہ مشہور ہے۔ لیکن غریب بہاری شاعر کا بھی ایک شعر یاد ہے ؎

منگی ادجڑی نگری کو تب کریں آباد دان
ناصر دیں سے جب ملیں موجدین کیا دان

(بہار اور اُردو شاعری
از محمد معین الدین دردائی ص۲)

Marfat.com

ہر بادے کہ باشد در وجود فلاں جن آپکار دہس ہے دوہائی سلیمان
بن داؤد پیغمبر کی جل بھسمنت ہو بیک بلا جائے " " " " "
" " " " سراپ جی جی کرنت تی تی مرنت " " " " "
کالا ہنسا نرملا بسے سمندر تیر
نپکہ پسارے بکہ ہرے نرمل کرے سریر درد رہے نہ پیر
بحق لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہُ ایں دوہرہ راسہ بار بخواند "
شرف حرف مایل کہیں درد کچھو نہ بسائے
گرد چھویں در بار کی سو درد دور ہو جائے[1]

پروفیسر محمود شیرانی لکھتے ہیں : "کج مندرہ اس عہد کی اُردو کا بھی ایک اچھا خاصا نمونہ ہے۔" (پ ا ص ۱۴۴) کج مندرہ میں عربی فارسی عبارت کے علاوہ ہندوستانی عبارت کے اندر اور دوہروں میں بھی "ریختہ پن" موجود ہے۔ مثلاً 'فلانے' 'راہ' 'جان'۔ 'بلغم'۔ 'فلاں'۔ 'بن'۔ 'پیغمبر'۔ 'درد'۔ 'حرف'۔ 'گرد'۔ 'دربار'۔ 'دور' اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت شرف الدین احمد بہاری کے عہد میں اُردو زبان کی بُنیاد قائم ہو چکی تھی۔ "آپکار دہس ہے دوہائی سلیمان بن داؤد پیغمبر کی۔" کے جملے میں "دہس" بہاری زبان کی خاص علامت ہے۔ 'دہس ہے' بمعنی 'دی ہے' یا 'دیا ہے'۔ دوسری اہم بات "ہے" کا استعمال ہے۔ فعل ہے "کھڑی بولی کی خصوصیت ہے۔ یہاں اس کا استعمال اہمیت سے خالی نہیں۔ کیوں کہ یہ اُردو کی پہچان ہے۔

"دیسنہ۔ ضلع پٹنہ کے کتب خانۂ اصلاح میں ایک فالنامہ کے دو صفحے پُرانے

---

[1] 'پنجاب میں اُردو' از پروفیسر محمود شیرانی، ص ۱۴۴ تا ص ۱۴۶۔ بحوالہ بیاض مملوکۂ مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار۔ نیز 'اُردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام'، ص ۱۰۔

[2] 'قرون وسطیٰ کے بہار میں اسلامی تصوف کی تاریخی اہمیت'۔ پروفیسر سید حسن عسکری: ساقی، سالنامہ اکتوبر ۵۲ء

[3] عسکری صاحب کے نزدیک "کہے"۔ دوسری آپ بھ نسخوں میں نہیں پایا جاتا۔ اور یہ لفظ کھڑی بولی میں فارسی سے آیا ہے ؎ ساقی اگر ہوائے ہے ٭ جز بادہ میار پیش ما شئے (حافظ شیرازی)

Marfat.com

کاغذ کے ہیں۔ " " " " " اس کے سرنامہ پر اس فالنامہ کی نسبت حضرت مخدوم کی طرف کی گئی ہے۔ اس میں کُل ستائیس فقرے ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں : (نقوش سلیمانی سلیمان ندوی ص۴۹)

۱۱۱ جو من کی منسی کیا ہوئی سو ہوئی۔

۱۱۳ ناہیں کچھ کرو نصیب لاگی بات ہے۔

۱۳۱ ایہیں ، ابھین ناہین۔

۳۱۱ ابھین ناہین ، سوت رہو جائے۔

۲۳۳ ناہین ہیگا اور کام کرو۔

۳۳۱ راج پاٹ اچل کے دیا تمکون۔

۲۳۲ آگے بُرے دن گئے اب سُکھ یادہ گے۔

۲۳۲ ابھین ناہیں آگو ہو پکا۔

مجھے اپنی تحقیقات کے سلسلہ میں کتب خانہ خانقاہ بلخیہ ، فتوحہ ، ضلع پٹنہ میں ایک اور فالنامہ ملا۔ یہ بھی حضرت مخدوم بہاریؒ سے منسوب ہے۔ یہ حضرت میر جعفر حسین رحمۃ اللہ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا ہے۔ سنہ کتابت ۱۰۹۷ھ حضرت جعفر کی مزار باڑھ، ضلع پٹنہ میں ہے۔ جناب سید شاہ تقی حسن صاحب بلخی سجادہ نشین خانقاہ بلخیہ فتوحہ کے پاس اور کئی قیمتی ملفوظات و مخطوطات موجود ہیں۔ فالنامہ حضرت مخدوم بہاری کے فقرے اور جملے حسب ذیل ہیں :

ناہیں کیوں کر ہو ، نصیب لاگی بات

ناہیں ابھین ، ناھیں ابھین کچھ

جو من چنتا ہو ، سُستی پاؤ گی وغیرہ وغیرہ۔

علامہ سُلیمان ندوی نے شفاء الامراض ، حکیم محمدی دیسنوی مرحوم کے قلمی نسخہ (دیسنہ) کے حوالہ سے حضرت مخدوم کے ہندی دوہے نقل کیے ہیں[1]۔

---

[1] نقوش سلیمانی۔ ندوی ، ص۴۸۔

بہار اور اُردو شاعری ، میں پروفیسر معین الدین دردائی نے اس نسخہ کو یوں لکھا ہے : (باقی ص۱۱۹ پر)

Marfat.com

لودھ پھٹکری مردا سنگ　　ہلدی زیرا ایک ایک ٹنک
افیون چنہ بھر مرچیں چار　　ارد پھر موتھا اس میں ڈار
پوست کے پانی پوٹلی کرے　　نینا پیرا پل میں ہرے

تلاش و جستجو سے حضرت مخدوم بہاری کا اور کلام بھی مل سکتا ہے۔ مگر قطعیت کے ساتھ اُن کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ من و عن حضرت کا کلام ہے۔ پروفیسر حسن عسکری ایک ایسے دو صد سالہ قلمی نسخہ کی اطلاع دیتے ہیں۔ جو ہندی میں ہے اور محفوظ پایا گیا ہے۔ اس نسخہ میں بھی حضرت مخدوم کا کلام ملا ہے۔

حضرت مخدوم شرف الدین احمد بن یحییٰؒ (منیری) بہاری کے ارشد خلفاء میں حضرت مظفر شمس بلخی اور حضرت منہاج راستی پھلواروی بہار کے اجل صوفیوں میں سے گزرے ہیں۔ حضرت بلخی ۷۸۲ھ میں اپنے پیر حضرت مخدوم بہاری کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کا انتقال ۸۸۰ھ میں ہوا۔

حضرت بلخی کی پیدائش غالباً ۷۲۵ھ میں ہوئی تھی۔ آپ کی تصنیفات اور ملفوظات بہت ہیں۔ سو کے قریب آپ کے مکاتیب ملتے ہیں۔ جنھیں مولوی عبدالرحمٰن بہاری نے ترجمہ کرکے مع متن طبع کرانا چاہا تھا۔ تیس بتیس مکاتیب طبع بھی ہوئے۔ بقیہ قلمی مکاتیب مع ترجمہ پروفیسر معین الدین دردائی کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ آپ کا ایک مطبوعہ دیوان فارسی بھی ملتا ہے۔ مکتوبات مظفر شمس بلخی کتب خانہ مشرقیہ خدا بخش خاں بانکی پور میں بھی ہیں۔ جناب حکیم تقی حسن صاحب بلخی۔ فتوحہ (ضلع پٹنہ) کے کتب خانہ میں بھی حضرت مظفر بلخی اور شاہ یداللہ (۸۵۳ھ) کے ملفوظات موجود ہیں۔

حضرت مخدوم بہاری کے انتقال کے بعد حضرت مظفر بلخی نے خواب میں

(حاشیہ بصفحہ ۱۱۸) لودھ پھٹکری مردا سنگ　　ہلدی زیرا ایک ایک ٹنک
افیون چنا بھر مرچیں چار　　ارد برابر موتھا ڈال
پوست کے پانی میں پوٹلی کرے　　آنکھ کے پیرا پل میں ہرے

لہ دیباچہ مقدمہ شاہوی۔ پروفیسر معین الدین دردائی۔ صفحہ ۔

Marfat.com

آپ کو فرماتے ہوئے سُنا:

" آئیں رات سُہائیاں ، جن کارن ڈھیاں کھائیاں[1]"

یعنی ، وہ سُہانی راتیں آگئیں جن کے لیے میں نے اتنے دھکّے کھائے ۔

(مونس القلوب)

{حضرت مظفر بلخی کے پرپوتے ، حضرت احمد لنگر دریا بلخی کی تصنیف}

حضرت بلخی کا ایک دوہہ پروفیسر دردائی نے نقل کیا ہے :

جی[2] مگن ہے کہ آئی ہیں سُہانی رتیاں
جن کے کارن تھے بہت دن سے بنائیں گتیاں

بہار کے صوفیا کی بول چال میں کھڑی بولی کا عنصر نمایاں ہوتا تھا۔ لیکن اُن کی بھاشا کی شاعری ملی جُلی اپ بھرنشوں میں ہوتی تھی۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

دوہہ ؎ [3] آمی کوَنَ تنِ پنکھِ دا جنگل کرنہہ اُداس
کنکر چُنہہ جل بنیہہ دہنی نہ چھو و نہ پاس

دیگر ؎ [4] جیٹھ اساڑہ نہ آیا باتاں بہر ہر یا نہہ
تی بہیری بسار دہن تہکی جلتہلنا نہ

پہلے دوہے میں بنگالی اور پوربی (اودھی و بہاری) اثر موجود ہے۔ دوسرے میں پنجابی اثر بہاری اپ بھرنش کے ساتھ آمیز ہے۔

دوہہ ؎ [5] باٹ بہلی پرسانکری ، نگر بہلا پر دور — نانہہ بہلا پر پاتلا ناری کر ہر چور

دیگر ؎ [6] شانکر کوئی بتال پانی لاکہنہ بوند بکانی — بجر پرواتہہ متہرانگری کانہہ پیاسائی

دیگر ؎ [7] کہایوں آپن گہر تیہر کہایون نست بہتار — بیچ بلندیا گہر چوی بوند پری نہنہار

دیگر ؎ [8] جالوں نور چلکیں جالوں بکت کتار — جہین سروت سوتس ستاہین بہنسار

---

[1] "قرون وسطیٰ کے بہار میں اسلامی تصوّف کی تاریخی اہمیت" ، پروفیسر حسن عسکری ، سالنامہ "ساقی" پٹنہ ستمبر ۱۹۵۲ء ، ص ۴۹ اور پٹنہ یونیورسٹی جرنل جلد دہم ص ۶۶ ۔

[2] "بہار اور اُردو شاعری" ، دردائی ، ص ۱۴ ۔ [3] و [4] مکتوبات حضرت مظفر شمس بلخی ، کتب خانہ مشرقیہ ، پٹنہ مکتوب نمبر ۱۷۳ : سنہ کتابت ۱۱۵۰ھ ۔ [5] ، [6] ، [7] ، [8] مکتوب نمبر ۱۷۲ ، کتب خانہ مشرقیہ ، پٹنہ ۔ "شمالی ہند کے صوفیائے کرام کی ہندی دوستی" ، معاصر پٹنہ حصہ ۴ ۔ از سید حسن عسکری ۔

Marfat.com

خدابخش خاں کی لائبریری کے علاوہ مولانا تقی بلخی کے پاس بھی مکتوباتِ مظفر شمس بلخی کا ایک نسخہ موجود ہے۔ اُس میں بھی یہ دوہے ہیں۔

حضرت بلخی اپنے ایک سو اکیسویں[۱۲۱] خط میں فلسفۂ عشق و جان سپاری سے بحث کرتے ہوئے ایک واقعہ کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ واقعہ مختصراً یوں ہے کہ ایک "کمانچی" حضرت مخدوم بہاری کے سامنے اپنے "کمانچہ" پر تماشہ دکھلانے لگا۔ اُس نے ایک دوہرا گایا۔ حضرت کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اور آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ دوہرا یوں ہے:

ایکتَ کنڈی بیدہا بہو تر بہر کہ کائن
جتا ہین رنجیا مَرن تتھی نہائن

(مکتوب، صدو بست ویکم۔ در مُردن بکوئے دوست۔ بجانب مولانا کریم الدین مکتوب حضرت بلخی۔ کتب خانہ مشرقیہ۔ بانکی پور)

حکیم تقی حسن بلخی فتوحہ کے مملوکہ نسخے میں دوہرا کا پہلا مصرع یوں ہے:

ایکٹ کنڈی بیدھا بھوتر بھر کے کائن

اِس دوہے سے اس عہد کی زبان کا اندازہ ہوتا ہے اور صوفیوں کے مذاق و مزاج کا بھی پتہ چلتا ہے۔

حضرت بلخی کے ہمعصر صوفی حضرت سید احمد چرم پوش بہاری کے فقرے بھی ملفوظات میں ملتے ہیں۔ آپ زاہد و پارسا کا فرق بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

بیتاؤن نمونیہ شرومنی کہا ہوئے۔ اینہیں بیدہا بید مان میاں سرنکینی کوئے۔

(ضیاء القلوب)

پٹنہ یونیورسٹی کے شعبۂ مخطوطات میں ایک گرانقدر مخطوطہ[۲] کتاب "مناقب محمدی" کا ہے۔ یہ کتاب حضرت سید محمد اکبھری کے مناقب میں ہے۔ آپ سید درویش محمد تاج

---

[۱] مکتوبات دو ہزدہ نسائیں، سید حسن عسکری، مقالہ جلد ۲، صفحہ ۹۰، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

[۲] نمبر ۱۱، پٹنہ یونیورسٹی لائبریری، مخطوطات۔ اس مخطوطہ میں کاتب سید غلام یحییٰ تاریخ کتابت ہفتم ماہ جمادی الثانی مطابق ۱۲ دوازدہم ربیع الثانی ۱۱۲۱ھ ہے۔

الجیلانی کے فرزند تھے۔ حضرت اُجھری کے مرید خاص علی شیر شیرازی القادری نے کتاب لکھی تھی۔ اس میں حضرت سیّد محمد اُجھری کے بغداد شریف سے اُجھر تک کے سفر کے حالات ہیں۔ آپ نے بڑی لانبی عمر پائی۔ غالباً ایک سو بیس برس۔ تاریخ وفات ۸۵۴ھ، ربیع الاول۔ روز جمعہ ہے۔ "سال تاریخ رفتنش، عشق ست، مناقب" میں حضرت سیّد محمد کا ایک جملۂ ہندوستانی بھی درج ہے۔ اور وہ یہ ہے:

"نہ مانا جیو اینہا نرہنا ہوا"

مناقب محمدی میں سوانح نگار اپنے پیر و مرشد کے ذوق و شوقِ تبلیغ اور اس راہ میں مصائب برداشت کرنے کا تذکرہ لکھتے ہوئے بہار کے حاکم دریا خاں کی سیاسی مصلحت اندیشیوں کی وجہ سے ایک مظلوم مسلمان کی فریاد سننے سے انکار کا ذکر کرتا ہے۔ حضرت سیّد محمد نے کولی سرداروں اور گوالوں میں تبلیغ اسلام کیا تھا۔ گوالوں کے ایک نومسلم سردار کا نام صادق رکھا گیا تھا۔ حضرت گاؤں گاؤں دورہ تبلیغ فرماتے ہوئے ایک مقام پر پہنچے اور وہاں مرکز بنا کر خدا کا پیغام اکمل پہنچانے لگے۔ قادری بزرگ کی کرامت کا شہرہ سن کر حاکم نے آپ کے لیے کرشک و خانقاہ تعمیر کرادی۔ مگر اس بے لوث و سخت کوش خدا کے بندے کو یہ آرام و آسائش پسند نہ آئی۔ اور آپ نے اس جگہ کو چھوڑنے کا ارادہ فرمایا۔ مناقب محمدی میں شیرازی لکھتا ہے:

"ہمایں صادق در رسید و گفت۔ سید ایں چنیں کو شکہا آرامتہ پیراستہ گذاشتہ چرامی روی۔ ازکہ ہندی بود و نیز فہم و فراست نہ داشت از آں اور آنحضرت ہم بزبان ہندی ہمیں قدر فرمودند نہ مانا جیو اینہا نرہنا ہوا، از آں روز نام آں جنگل و چشمہ نرہنا، اُفتاد۔" باب دوازدہم ص۴۲

حضرت سیّد محمد نرہنا سے اُجھر (ضلع گیا) تشریف لے گئے اور وہیں وصال ہوا۔ یہ واقعہ غالباً ۸۴۶ھ کا ہے۔

پندرھویں صدی عیسوی کے ایک جلیل القدر بہاری[1] صوفی حضرت ابوالمنیف

---

[1] آپ بیا بسارہ، دیشالی (حاجی پور) کے رہنے والے تھے۔ معدن الاسرار کے (باقی ص۴۳ پر دیکھیں)

قاضن بن عُلا بن عالم ترہتی ثم المنیری الہاشمی جنھوں نے حضرت عبداللہ شطاری سے مانڈو میں ۴ ذی الحجہ ۸۸۱ھ کو خرقۂ خلافت پایا اپنے ملفوظ معدن الاسرار میں حضرت سید جلال بخاری علیہ رحمت المشہور بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت (متوفی ۸۸۵ھ) کا ایک فقرہ نقل کیا ہے۔

"کھندا ہے پھندا کہاں"

ایک شخص نے مخدوم جہانیاں سے یہ سوال کیا کہ آخر کیا بات ہے کہ جب میں عبادت کرتا ہوں تو میری دعائیں اتنی مؤثر نہیں ہوتیں جتنی مخدوم موصوف کی تو حضرت نے جواباً فرمایا: "کھندا ہے، پھندا کہاں" حضرت قاضن مانڈو سے آگے نہیں بڑھے اور سید جلال رحمۃ اللہ دہلی تک آئے اور پھر اوچھہ واپس تشریف لے گئے۔ لیکن ان دور اُفتادہ بزرگوں کی زبان سے ہندوستانی بولی کا ایک جملہ متفقہ طور پر ادا ہوتا ہے۔

انگریزوں کی عمل داری کے بعد جو دَور آیا اُس میں زبان اُردو کو بہار میں بڑی عمومیت حاصل ہوئی۔ امن کے قیام کی وجہ سے متحدہ ہندوستانی تہذیبی زبان یعنی اُردو مقبولِ خاص وعام ہونے لگی اور اس میں مذہب وملت کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔

پٹنہ کمشنری کے ریکارڈوں میں جناب فصیح الدین بلخی اور جناب قیام الدین احمد ریسرچ فیلو جیسوال انسٹی ٹیوٹ کی کوششوں سے نہایت قیمتی دستاویزیں ملی ہیں۔ یہ دستاویزیں اُردو میں ہیں اور رسم الخط بھی اُردو ہے۔ ان سے سرکاری کاموں میں اُردو کا عام استعمال ثابت ہوتا ہے۔ اور اس عہد کی اُردو زبان کا حال معلوم ہوتا ہے۔ قدیم ترین دستاویز ۱۸۳۹ء کی ہے۔ میں ۱۸۶۴ء تک کے نمونے درج ذیل کر رہا ہوں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۴) دو نسخے پھلواری شریف میں ہیں ایک قدیم اور دوسرا اٹھارویں صدی کا۔ سالنامہ ساتھی، پٹنہ ستمبر ۱۹۵۲ء۔ دمعاصر، پٹنہ جلد ۲، شمارہ ۶، اپریل ۱۹۵۴ء۔ دمعاصر، شمارہ ۴۔ مقالات از پروفیسر سید حسن عسکری (مجموعہ) پٹنہ کالج۔

Marfat.com

(۱) مندرجہ ذیل درخواست نیچن لعل کار پرداز و مختارِ عام نے مہاراجہ دھیرج نرائن بہادر (برادر مہاراجہ رام نرائن لعل) کے ورثا کی طرف سے سرکارِ انگلشیہ میں بتاریخ ۲۲، اپریل ۱۸۳۹ء پیش کی۔

"غریب[1] پرور سلامت!

مواضعات نورن وغیرہ متعلقہ کنکولی پرگنہ شہرام ضلع شاہ آباد ملکیت مہاراجہ دھیرج نرائن مقبوضیت رائے ہزاری لعل مورث آقائے فدوی کا بذریعہ قانون دوم کے ضبط ہوا اور بندوبست سرسری اُس کا ساتھ بے علاقگان کے ہوا۔ بامید حصول بندوبست دوامی مواضعات مذکور آقائے فدوی کار پرداز حضور میں صاحبِ مہتمم بندوبست دکار پرداز مذکور بحالت بیماری کے کمال مبتلا ہوکر چلا آیا دظاہر دریافت ہوا کہ بندوبست دوامی اس کا ساتھ رائے ہرنرائن بشرط منظوری حضور وصدر بورڈ کے عمل میں آیا۔ مسل واسطے منظوری کے صاحب مہتمم بندوبست بھیجا ہے۔ موکل فدوی کا جو کچھ استحقاق بہ نسبت حقیت ملکیت مہاراجہ دھیرج نرائن دمقبوضیت رائے بنواری لعل متوفی کے ہے۔ موافق دفعات مندرجہ ذیل کے التماس کرتا ہے۔ اوّل یہ ہے کہ دست آویزات مندرجہ ذیل واسطے ثبوت وراثت واستحقاق ملکیت کے ہے" " " "

(۱) کُرسی نامہ

(۲) چٹھیاں سکریٹری؛ بموجب کونسل بخط انگریزی دربارے تعین مُشاہرہ

(۳) ترجمہ چٹھی مذکور بخط فارسی

(۴) پروانہ کونسل امی مہاراجہ دھیرج نرائن بہادر بنا برتقرر مشاہرہ بوجہ معاش

(۵) ڈگری کونسل بہ مادہ تقرر مشاہرہ بنام .. .. بوراثت مہاراج دھیرج نرائن درائے بنواری لعل ہمشیرہ زادہ متبنی مہاراجہ ممدوح

" " " " " " " " " "

---

[1] معاصر، حصہ ۳۔ پٹنہ۔ دسمبر ۱۹۵۲ء۔ قیام الدین احمد۔

Marfat.com

خاصی بڑی درخواست ہے۔ اختتام حسب ذیل ہے :

" سوال ہٰذا شامل مسل بندوبست دوامی موضع نورن وغیرہ متعلقہ تعلقہ کنکولی پرگنہ شہسرام ضلع شاہ آباد کے ہوکر بہ تجویز استحقاق فدوی بندوبست دوامی صاحب مہتمم بندوبست کا مسترد فرماکے بندوبست دوامی ساتھ موکل صادر ہو و درصورت کہ اگر مسل ہائے بندوبست دوامی موضع مذکور حضور میں صاحبان عالیشان صدر بورڈ کے واسطے منظوری حضور کے ارسال کیا گیا ہو۔ سوال ہٰذا فدوی کا بذریعہ چٹھی انگریزی حضور میں صاحبان عالیشان صدر بورڈ کے ترسیل فرمایا جائے کہ وہاں بھی موکل تجویز سے حاکمان ممدوح کے اپنے حق کو پہنچے گا۔ فقط

فدوی بیچن لعل ملازم کا پرداز دمختار جمیع امورات رائے کیولا پرشاد نواسہ مہاراجہ دھیرج نرائن بہادر متوفی مالک مقرری دار دیہات متعلقہ تعلقہ کنکولی پرگنہ شہسرام ضلع شاہ آباد۔ ۲۲ اپریل ۱۸۳۹ء "

(ریکارڈ نمبر ۱۶، کمشنر آفس پٹنہ ڈویژن کمشنری)

(۲) ایک درخواست ۲۰ جنوری ۱۸۵۵ء کی ہے۔ شہسرام کے شہریوں نے لیفٹیننٹ گورنر کی خدمت میں شیر شاہی تالاب کی صفائی اور مرمت کے بارے میں اپنی گذارش پیش کی ہے۔ ابتدائی القاب فارسی ترکیبوں اور بندشوں میں جکڑے ہوئے ہیں نمونہ تحریر حسب ذیل ہے :

" [illegible] از شاہان سلف شیر شاہ بادشاہ اولا بہ تعمیر و تیاری تالاب کے آبادی اس شہر کا فرمایا۔

[illegible] سالنان اس مکان و مسافران وغیرہ بآسانی تمام امورات و آب نوشی وغیرہ تعلق تالاب کی ہے کہ [illegible] سالنان و مسافران یہاں کے رہتے چلتے ہیں [illegible] نہایت [illegible] ولاچاری و بے روزگاری کے گذران کرتے ہیں [illegible] تالاب کو زیادہ عرصہ تین سو برس کا ہوا [illegible] بابت [illegible] تالاب کے پانی نہایت ضرر و مکدر ہوگیا۔ واسطے اس شہر میں چاہ [illegible] پانی [illegible]

Marfat.com

شور کے نہیں ہے کہ اس پر گذارہ کریں۔ علی الخلوص گرما و طیش میں باعث
بھر جانے تالاب کے پانی خشک و مکدر مضر ہو جاتا ہے کہ مردمان و جنوران
مانند مچھلی بے آب کے حیران و پریشان رہتے ہیں " " " " "
" " " " " " " " " زیادہ حدادب آفتاب
عظمت و اقبال از مطلع اجلال کی پایان و درخشان ہو جیو۔ فقط

کاتب سوال — فدویان دلاور سنگھ و شیخ چندو۔ ساکنان
معدن زوال — قصبہ شہسرام متعلقہ ضلع شاہ آباد بیسویں ماہ
منولال — جنوری ۱۸۵۵ء
قانون گوے
قدیم پرگنہ
شہسرام

العبد لچھمن پرساد۔ العبد وزیر علی خاں۔ العبد منو سنگھ۔ صحیح امیر سنگھ
شہداد خاں " رام ٹہر داس۔ بھگوان داس "

" " " " وغیرہ وغیرہ

(ریکارڈ کمشنر آفس۔ پٹنہ۔ جلد ۱۳)

اس درخواست کے آخر میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے اردو رسم الخط میں بکثرت دستخط ہیں۔ اس امر سے اس عہد میں اردو زبان کی وسعت و ہمہ گیری کا اندازہ ہوتا ہے

(۳) ایک نہایت ہی دلچسپ دستاویز قیام الدین احمد صاحب کو گیا کلکٹری کے محافظ خانہ سے ملی ہے۔ یہ ۱۳ اگست ۱۸۵۷ء کی لکھی ہوئی ایک عرضی ہے۔ عرضی مذکور گیا سے کمشنر پٹنہ کے پاس بھیجی گئی تھی۔ انھوں نے تحقیقات کے لیے اسے کلکٹر گیا کے پاس بازگردان کر دیا تھا اور اپنا ریمارک بزبان انگریزی تحریر کیا تھا۔ عرضی ذیل میں درج ہے۔

"بحضور ملازمان عالیشان نواب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ!

عرض پرداز ہے کہ چونکہ بوجہ تشریف لے جانے حاکمان انگریزی ضلع بہار کے خلفشار عظیم و مفسدہ ضخیم اس شہر صاحب گنج اور اطراف میں اس

Marfat.com

شہر کے واقع ہوا ہے۔ اس واسطے اطلاع کرنا کل حالات ضلع کا بتصریح و توضیح تمام بحضور والا خیر خواہان سرکار پر انسب والزم معلوم ہوتا ہے۔ تصریح اس کی یوں ہے کہ بتاریخ ۳۱ جولائی ۱۸۵۷ء روز جمعہ قریب نواخت پنج گھنٹہ روز کے بلا ظہور کسی امر کے مسٹر طامس کوٹس ٹراٹر صاحب جج اور باغوائے اون کے مسٹر ای منی صاحب کلکٹر مجسٹریٹ و مسٹر ایس ایچ سی بٹلر صاحب جنٹ مجسٹریٹ و اسسٹنٹ مجسٹریٹ و حالن صاحب اوپیم ایجنٹ و صاحب اڈشنل جج مع جملہ کرانیاں اسٹیندین و دیگر صاحبان و سپاہیان گورہ و کمپنی سکھان جو اس شہر میں مقیم تھے۔ بلا دینے چارج کسی حاکم ہندوستانی کے بیکبار شہر عظیم آباد تشریف لے گئے۔ ظاہر ہے کہ وقت تشریف لے جانے صاحبان ممدوحین کے اس قدر بلوہ ہوا تھا کہ حاکمان ہندوستانی و دیگر ملازمان سرکاری و حضار کچہری تاب استقامت کا کچہری میں نہ دیکھکر اپنے اپنے ڈیرے پر بھاگتے گئے۔ اگر اوس روز سپاہیان نجیب جو حفاظت خزانہ و جیلخانہ کے کرتے تھے خیر خواہی اور نمک حلالی کو راہ نہ دیتے تو بیشک اوس روز خزانہ سرکاری لٹ جاتا و قیدیان بھاگ جاتے۔ . . . . . .

. . . . . وغیرہ وغیرہ۔

. . . . . چونکہ بندہ خیر خواہ سرکار کا ہے و قاضی شہر کا اس واسطے کل حال شرح وار عرض پرداز ہوا۔ والا مجھے کیا غرض تھی سب کی عزت و جان کے ساتھ میری عزت و جان بھی ہے۔ فقط

عرضی خواہ علی رضا قاضی
پرگنہ گیا و قاضی شہر [illegible]
مرقومہ ۱۲ اگ[illegible]
روز پنجشنبہ . .

(۴) [illegible] دسمبر ۱۸۵۷ء۔ حکم کشنر آف ریونیو بنام [illegible] تحصیلی ملک بابوان کنور سنگھ و امر سنگھ۔

Marfat.com

۳ر اکتوبر ۱۸۵۷ء

(۵) " . . . . رپورٹ داروغہ تھانہ داؤدنگر باطلاع ضبط کرنے جائداد مردخان و ممکو خان و عصمت علی و مدد خان و کن کن پانڈہ و بود ہو وغیرہ "

جو لوگ سواران باغیان سرکار کے ساتھ چلے گئے۔

" حکم ہوا۔ .. .. .. اسواسطے داروغہ داؤدنگر تھانہ کو لکھا جائے کہ وہ دریافت کرکے ثبوت بہ نسبت .. .. واحمد علی کے بھیجدیوے۔

دستخط اے موفی مجسٹریٹ — فقط العبد تیولعل محرر"

(۶) عرضی فدوی میرارشد علے داروغہ تھانہ داؤدنگر معروضہ سیزدھم ماہ نومبر ۱۸۵۷ء۔

مُہر تھانہ داؤدنگر ضلعبہار

(کمشنر آفس پٹنہ۔ ریکارڈ جلد ۱۲۔ بنڈل نمبر ۴ متفرقات فائل نمبر ۱)

(۷) پٹنہ کمشنری سے دستیاب شدہ ایک اور اہم ریکارڈ کی نقل درج ذیل ہے:

" عدالت فوجداری ضلع شاہ آباد واقع بتاریخ ۶ر جون ۱۸۵۸ء مُطابق ۱۰ر جیٹھ ۱۲۶۵ فصلی روز اطوار باجلاس کول صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ شہرام۔ بیان نشان سنگھہ باغی سرکار۔ باپ کا نام رگھو بیر سرن قوم راجپوت چوہان عمر شماری ساٹھ برس سے زیادہ ہے۔ گذران زمینداری سے۔

سوال۔ کیا بیان تمہارا ہے مفصل ظاہر کرو۔

جواب۔ عدالت دیوانے میں مقام آرہ کے ہمارا چار مقدمہ بہ نسبت موضع چناری۔ کہورتہا (صاف نہیں۔ ناقل) و سوزگاوان اور ایک مقدمہ چہارم اگست ۱۸۴۰ء کا دائر تھا۔ اوسمقدمہ کی خبرگیری کے لیے

Marfat.com

آرہ میں بسیسر سنگھ بیٹا ہمارا حاضر تھا۔ ہم کو خبر اوسکی ماندا ہونے
کا ملا تب ہم خود آرہ میں گئے وبسیسر سنگھ اپنے بیٹا کو گھر پر بھیجدیا و
ہمارا بیٹا جب آرہ کے مقام میں بیمار تھا تب اوس کا دوا بیسر دیال
گماشتہ کوئی آرہ کا کرتا تھا۔ میان جیٹھ واساڑھ وساون سنہ گزشتہ
تک ہم آرہ میں رہے۔ اس میں ملنگا سب داناپور کے بغی ہوکر آئے
وآرہ شہر کو لُوٹ لیا۔ وکنور سنگھ کے نوکروں سے کہاکہ کنور سنگھ کو
حاضر کرو نہیں تو جگدیشپور لُوٹ لینگی۔ لیکن یہ بات ہماری مقابلہ
میں نہیں کہا۔ ہم سونا ہوا یہ بات بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ کنور سنگھہ
اوسے روز یعنے جس روز ملنگا سب آئے تاریخ ۱۸ ساون کا تھا
جگدیشپور سے آرہ کے مقام میں آی۔ دو تین روز کے بعد سرکار کی
طرف سے گوروں کی فوج آئی و ملنگا سب سے داناپور کے جو باغی
تھے لڑائی ہوئی۔ وسپاہی سب کی مدد میں کنور سنگھ تھی۔ ہم بھی اپنے
ڈیرہ پر آرہ کے مقام میں رہی ہیں۔ وکنور سنگھ جب ہمکو بولا بھیجتے ہیں
تب ہم انھیں سلام کے واسطے اونکی پاس جاتے تھے اور ہمسے راہ و
رسم کنور سنگھ سے قدیم تھا۔ و ہمارے پاس کچھ حربہ ہتیار نہیں تھا۔"

" " " " " " " " " " " " " "

" " " " " " " " " " " " " "

وغیرہ " " " " " " " " " " " "

" " " " تب ہم جنگل میں جاکر رہے۔ کہ جب کچھ فرصت ہو
تب حاضر ہوں گے یا کیسے جگہہ بھاگ جائینگے۔ ایسے دو مراد سے جنگل
میں آج رات کو سوئے ہوئی تھی سرکاری سوار گئی گرفتار کرلیا۔

فقط۔

سوال۔ کنور سنگھ مرگیا یا زندہ ہے۔
جواب۔ مکان پر آکر مرگیا۔ ہم سے ملاقات نہ ہوا۔"

Marfat.com

اسی طرح کئی سوالات وجوبات درج ہیں۔ یہ بیان[1] اے۔ ان۔ کول صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ کے سامنے لیا گیا۔ اختتام پر اُن کے دستخط ہیں۔

(۸) بنڈل نمبر ۵۵۔ ضلع شاہ آباد۔ متفرق کاغذات ۱۸۶۴ء۔ متفرقات نمبر ۲۳۳ ریکارڈ جلد نمبر ۱۰، کمشنر آفس۔ پٹنہ

"بحضور خداوند نعمت بلند درجت والا حشمت دام اقبالہم!

عرض کرتا ہے۔ عرصہ دس روز سے اس قریہ میں ایک مولوی باسم عبداللہ مذہب وہابے باشندہ ملک مغرب وارد ہوئے جمعیت اکثر افغانان و قصابان جو اس مذہب کی طرف رجوع رکھتی ہے۔ ساتھ انکے مصاحب ہوئے۔ پہلے مولوی صاحب نے چند روز وعظ و نصائح جو معمول اس فرقہ وہابی کا ہے بیان کیا۔ اور یہ ظاہر فرمایا کہ ہم خلیفہ ہیں طرف سے مولوی عبدالغفور صاحب مجاہد جو ملک مغرب میں تشریف رکھتے و آمادۂ جہاد ہیں اور ہم کو اجازت ہے کہ تم اس بات کو جہاں کثرت ہمارے فرقہ کے ہو بیان کرو اور جو شخص کہ مستعد جہاد ہو۔ اس کو یہاں روانہ کرو۔ چنانچہ ہزاروں بنگالے و پورب سے بھی انکی خدمت میں روانہ ہوئے ہیں۔ " " " " " " "

وغیرہ وغیرہ

سید محمد جان و سید محمد روشن جان

ساکنان و مالکان قصبہ کواتھ پرگنہ دنوار، ضلع

شاہ آباد معروضہ ۲۹، ستمبر ۱۸۶۴ء

اس باب میں سولہویں صدی عیسوی کے اواخر یعنی عہدِ اکبری سے لے کر وسط انیسویں صدی عیسوی یعنی بہادر شاہ ظفر کے عہد تک بہار میں اُردو زبان کی کیفیتِ

---

[1] اس بیان کے بارے میں ملاحظہ ہو۔ ڈاکٹر کالی کنکر دت۔ صدر شعبۂ تاریخ، پٹنہ یونیورسٹی کا مختصر مضمون "حالیہ منکشف ریکارڈ"۔ شائع شدہ پٹنہ یونیورسٹی جرنل نمبر ۲ و ۱ جلد نمبر ۱۰۔ مورخہ جنوری ۱۹۴۸ء

"SOME NEWLY DISCOVERD RECORDS" -

Marfat.com

ارتقاء کا خاکہ پیش کیا گیا ہے اور اس کی عمومیت دکھلائی گئی ہے اب میں اس دور کے بعد کی لسانی حالت کا سرسری نقشہ اس لیے پیش کرتا ہوں۔ تاکہ ارتقائے اُردو کے تسلسل کا اثر قائم ہو۔ بعد از آں آئندہ ابواب میں اُردو ادب کے ارتقاء کی وہ منزلیں پیش کی جائیں گی جو ۱۸۵۷ء تک بہار میں طے ہوئیں۔ یوں تو بحمد اللہ اُردو کا سفر اس پورب دیس میں اب تک جاری ہے۔

ڈاکٹر کالی کنکر دت کی وساطت سے مجھے گورنمنٹ گزٹ[1] ممالک مشرقی کی ایک جلد ملی ہے۔ پہلا نمبر ۶، جنوری ۱۸۶۵ء کا اور آخری ۲۲، دسمبر ۱۸۶۵ء کا ہے سلسلۂ اشاعت کے لحاظ سے پہلا نمبر جلد نمبر ۸ نمبر ۱ ہے اور آخری جلد نمبر ۸ نمبر ۵۱۔ گزٹ بیشتر اُردو میں ہے۔ اور جہاں انگریزی عبارت ہے۔ وہاں مقابل میں اُس کا اُردو ترجمہ ضرور درج ہے۔ سرکاری نشان وعلامت کے بعد ہر نمبر پر لکھا ہے:

GOVERNMENT GAZETTE, LOWER PROVINCES

گورنمنٹ گزٹ۔ ممالک مشرقی گورنمنٹ کے حکم سے جاری ہوا۔

مقام الہ آباد۔ سائز بڑا فولسکیپ۔ چھپائی کانٹے کی۔ نسخ۔ کلکتیہ۔

یہ گزٹ ہفتہ وار ہر جمعہ کو شائع ہوا کرتا تھا۔ جمعہ ۸۔ ستمبر ۱۸۶۵ء سے اس کے سرورق میں تھوڑی سی تبدیلی ہوئی۔ اب اس کا نام "اُردو گورنمنٹ گزٹ ممالک مشرق" ہوگیا۔ ساری باتیں حسب سابق رہیں۔ غالباً یہ تبدیلی برائے نام ہی تھی۔ میں اس گزٹ سے چند حوالے نقل کرتا ہوں۔ وسط انیسویں صدی میں اُردو ممالک مشرقی میں عوام وخواص کے درمیان اور سرکار و دربار میں مقبول و باریاب تھی۔

---

[1] [illegible] سات برس پہلے بہار کا ایک اخبار "نور الانوار" آرہ [illegible] میں نکل [illegible] بعد [illegible] میں گیارہ [illegible] رپورٹ [illegible] تھا۔ اس کے علاوہ [illegible] مقامات سے نکلتے رہے۔ [illegible] بہار شریف [illegible] بھی مختلف اوقات میں متعدد اخبار نکلے [illegible] اشرف الاخبار [illegible] اخبار [illegible]

[illegible] اسلام پور [illegible] ارتقائی [illegible]

[illegible] ۱۹۲۵ء [illegible]

Marfat.com

" قواعد درباب اہتمام اور انتظام جیلخانہ ہائے ممالک مشرقی واقعہ پریزیڈنسی بنگالہ مرتبہ جناب نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر بنگالہ حسب منشاء احکام ایکٹ ۲ سنہ ۱۸۶۴ء کونسل بنگالہ۔

(تتمہ گزٹ جمعہ گذشتہ)

فصل ۱۹

مُشقّت اور کام جو قیدیوں سے لیا جائے گا۔

دفعہ ۲۴۸۔ قانون کا یہ منشاء ہی کہ قید بمنزلہ سزا سمجھی جائے پس مشقت لینے میں اول امر لائق لحاظ یہ نہیں ہی کہ اُس مشقت سے انتفاع ہو بلکہ یہ کہ مشقت کے باعث عوام الناس جیلخانہ کی بود و باش کو مقام خطرہ اور تکلیف اور لائق احتراز کر سمجھیں جیلخانہ کی تعمیل سیاست کے لیے مُشقت ایک ذریعہ مقدم ہے لہٰذا ہر ایک جیلخانہ میں دیواروں کے اندر مشقت لینے کا بندوبست مناسب کرنا چاہیئے۔ دیوار سے باہر مشقت لینا بجز اس کے کہ جیلخانہ کے باغ میں محنت لی جائے قطعاً ممنوع ہی " " " "

" "

"دفعہ ۲۵۰ مشقت جیلخانہ کی تین قسمیں ہیں وہ یہ ہیں :

قسم اوّل	1ST CLASS
۱۔ کولھوے تیل نکالنا۔	1-OIL PRESSING.
۲۔ چونا پیسنا۔	2-LIME GRINDING.
۳۔ آٹا پیسنا۔	3. FLOUR GRINDING.
۴۔ کاغذ کوٹنا۔	4. PAPER. POUNDING.
۵۔ کاغذ پر مُہرہ کرنا۔	6. PAPER POLISHING.
قسم دوم	2ND CLASS
۱۔ معمار کا کام	1. MASONRY
۲۔ سنگ تراشی	2. STONE CUTTING

Marfat.com

3. PAPER MAKING.	۳۔ کاغذ سازی۔
3RD CLASS	قسم سوم
1. TAILORING.	۱۔ درزی کا کام
2. DYEING.	۲۔ رنگریزی
SIZING AND DRYING PAPER.	کاغذ کو اھار دینا اور سکھلانا۔

گورنمنٹ گزٹ۔ ممالک مشرقی

(جلد ۸ نمبر ۱۔ جمعہ کا دن۔ جنوری مہینے کی ۶ تاریخ سنہ ۱۸۶۵ء)

گزٹ کی جلد ۸ نمبر ۴ میں قواعد جیلخانہ کی فصل ۳۲ یوں شروع ہوتی ہے:

"بہی جات اور کتب رجسٹر اور نقشہ جات

اور افراد حساب

بہی جات اور کتب رجسٹر مطابق نمونہ ہائے مقررہ مندرجہ ضمیمہ کے مرتب اور نقشہ جات انھیں نمونوں کے بموجب تیار ہو کر مرسل کیے جائینگے۔

۱۔ بہی جات اور کتب رجسٹر جو معرفت افسر مہتمم جیلخانہ کے مرتب ہوں گی۔

اس فصل میں دفتری کاموں کے لیے اُردو اصطلاحیں بکثرت درج ہیں۔ ان کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔

JOURNAL	روزنامچہ
LETTER BOOK	نقل بہی چٹھیات
VISITOR'S BOOK	وزیٹر کی کتاب
JAIL OFFICER'S APPOINTMENT AND HISTORY BOOK	جیلخانہ کے عہدہ داروں کے تقرر اور اُن کے احوال کی کتاب
MIS-CONDUCT BOOK	کتاب بداعمالی
ORDER BOOK	آرڈر بک یعنی حکم بہی

Marfat.com

CIVIL JAIL.	جیلخانہ دیوانی
RELEASE DIARY.	روزنامچہ رہائی
GENERAL ABSTRACT AND LOCK-UP REGISTER.	گوشوارۂ عام اور رجسٹر حوالات
CRIMINAL JAIL	جیلخانہ فوجداری
RELEASE AND TRANSFER REGISTER	رجسٹر رہائی اور انتقال
REGISTER OF ESCAPES.	رجسٹر فراری
" " " DEATH	رجسٹر قیدیان فوت شدہ
LABOUR REGISTER.	رجسٹر مشقت
EXEMPTION "	" معافی
PUNISHMENT "	" سزادہی
PROPERTY BOOK	" مال نامہ
SECURITY REGISTER	" ضمانت
STATISTICAL ABSTRACT	گوشوارہ حالات قیدیاں
CLASSIFICATION	درجہ بندی
CASE BOOK	بہی مقدمات
RETURN BOOK	بہی ریٹرن
LEDGER	کھاتہ بہی
CASH BOOK	روکڑ بہی
CLOTHING STOCK BOOK	حساب ذخیرہ پارچہ
PERIODICAL RETURN'S	نقشہ جات میعادی
TRANSACTION	عمل درآمد
ESTABLISHMENT	سررشتہ
EXPIRY OF SENTENCE	انقضائے میعاد
BUDGET	بجٹ

Marfat.com

REPORT — رپورٹ

CALENDAR YEAR — سال کلندرہ

اُردو گورنمنٹ گزٹ کے نمبر ۴۶ جلد ۸۔ تاریخ ۱۷، نومبر ۱۸۶۵ء سے ایک اشتہار نقل کیا جاتا ہے:

اشتہار

واضح ہو کہ بمقام پٹنہ واسطے قسمت ہائے بھاگلپور و پٹنہ نمائش کاشتکاری بماہ جنوری آئندہ ہوگی۔ نمائش جانوروں و حاصلات و آلات کاشتکاری بمقام پٹنہ تاریخ سی ام جنوری ۱۸۶۶ء و تین روز مابعد اُس کے ہوگی۔ بسفارش کمیٹی قسمتی بہ امراز حضور نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر تنقیح پایا کہ نمائش کاشتکاری برائے ۱۸۶۶ء بمقام پٹنہ ہو۔ پس یہ بات لازم ہوئی کہ قسمت ہائے بھاگلپور و پٹنہ یک جا کیا جائے بکار ہائے نمائش مذکور و اعانت بدل مطلوب ہے۔ کل باشندگان ہر دو قسمت جو اہل ولایت یا رؤسا سے اس ملک کے خصوصاً زمینداروں ذی مقدور سے جو کہ مدد کامل دے سکتے ہوں۔ واسطے کامیابی ایسے امر مفید کے اور لا سکتے ہوں واسطے نمائش کے بہتر نمونہ جانوران و حاصلات زراعت موجودہ زمینداری خود ہا وہ بھی نمائش میں خود معہ رعایان و تابعان جو بآسانی لا سکتے ہوں حاضر ہو سکتے ہیں۔ " " " " " "

مغربی علوم کی ترجمہ کے لیے مظفرپور میں ایک سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی گئی تھی۔ گارساں دتاسی لکھتا ہے:

"بہار کی سائنٹیفک سوسائٹی، کا صدر مقام مظفرپور ہے۔ اس انجمن کے معتمد ایک فاضل مسلمان ہیں۔ اس وقت انجمن میں ۲۱۸ ارکان ہیں۔ اس تعداد میں ۲۸ مسلمان ہیں، ۱۶۲ ہندو ہیں اور ۲۰ یورپین ہیں۔ انجمن کی طرف سے "اخبار الاخیار" شائع ہوتا ہے۔ تجویز ہے کہ انجمن مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لیے ایک کالج قائم کرے اور اس

کے ساتھ مغربی علوم کی اشاعت کا کام بھی انجام دے۔"

(خطبات گارساں دتاسی۔ ۶، دسمبر ۱۸۶۹ء)

دتاسی کی تصریحات کے بموجب عظیم آباد (پٹنہ) کا سب سے پہلا اُردو اخبار "چشمۂ علم" ہے۔ جو ۱۸۶۹ء سے نکلنا شروع ہوا تھا۔

"چشمۂ علم" یہ پٹنہ سے اُردو میں مہینہ میں دو دفعہ نکلتا ہے۔ اس سے پہلے اس شہر میں کوئی اخبار نہ تھا۔ اس کی پہلی اشاعت یکم جنوری ۱۸۶۹ء کو شائع ہوئی۔ یہ چھوٹی تقطیع پر ہے اور ہر صفحہ پر دو کالم ہوتے ہیں " " " " " اس کا ایک مضمون مجھے پسند آیا جس کا موضوع بنی نوع انسان کے اتحاد سے متعلق تھا۔"

(خطبات گارساں دتاسی، انیسواں خطبہ ۶، دسمبر ۱۸۶۹ء)

رسالہ معاصر، پٹنہ، حصّہ ۳، دسمبر ۱۹۵۲ء میں قاضی عبد الودود رقمطراز ہیں:

"انیسویں صدی کے اواخر میں ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار انڈین کرانکل پٹنہ سے نکلتا تھا۔ اور وہ شخص یا اشخاص جو اس کے مالک تھے، اُردو انڈین کرانکل، بھی انھیں کی ملک تھا۔"

اوائل ۱۸۸۵ء میں اس کی زندگی کا پانچواں سال شروع ہوا تھا، جس سے ظاہر ہے کہ پہلا شمارہ جنوری ۱۸۸۱ء میں شائع ہوا ہوگا۔ اوائل ۸۶ء میں اس نام کا اخبار نکلنا بند ہوگیا۔ اور ایک دوسرا اخبار "اُردو بہار ہیرلڈ و انڈین کرانکل" جاری ہوا۔ جلد پنجم میں مختلف مقامات پر خریداروں کے نام ملتے ہیں۔ ان میں ۱۹۷ ہندو ۱۶۲ مسلمان اور ۴ عیسائی تھے۔ قاضی عبد الودود کرانکل کے مقالات افتتاحی کے متعلق لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک اس زمانے کے اُردو اخباروں میں شاید ہی کسی کے مقالات افتتاحی کرانکل کے مقالات افتتاحی کا مقابلہ کرسکتے ہیں اور ان میں متعدد ایسے ہیں کہ اس زمانے میں بھی کسی کے قلم سے نکلیں تو مستحق تحسین قرار پائیں۔ اس اخبار کی ایک خصوصیت یہ بھی

Marfat.com

ہے کہ یہ ہندو مُسلمان دونوں کا اخبار تھا ۔"

کرانکل کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

"فطرت انسانی کی رو سے کسی قوم کے اخلاق و عادات، خیالات و معتقدات پر ان قصے کہانیوں کا کیسا زبردست اور لازوال اثر ہوتا ہے، ہر متنفس اپنے خاص تجربے سے اس کی شہادت دے گا۔ اس کے سوا عموماً نظم میں بھی ایک ایسی دلفریب تسخیر ہے جس کے اثر سے ممکن نہیں کہ کوئی بچا ہو . . . .

مگر افسوس ہے کہ ہماری قوم نے اگر اس کی گردن پر چھُری نہ پھیری تو اس کا گلا گھونٹا۔ دنیا کی کل شائستہ قومیں زمانے کے ساتھ ان دونوں قوتوں کو، اگر ہم ان کو قویٰ سے تعبیر کرسکیں، کیسی رونق دے رہی ہیں۔ روز بروز کیسی خوش آیند تبدیلیاں واقع ہورہی ہیں لیکن اس اُنیسویں صدی میں بھی ان کی اصلاح کی ضرورت ہمارے ملک کے قِصّہ گویوں اور شاعروں کی سمجھ میں نہ آئی۔ قصے ہیں تو انھیں عجائب اور خلاف قیاس باتوں سے بھرے ہوئے جن کو یورپ کا ایک قُلی بھی . . . . . . سرتاپا جھوٹ سمجھے اور مخربِ اخلاق کہے۔ نظم ہے تو ایسی جس کے گندہ خیالات اور گمراہ کرنے والی تاثیر سے شیطان بھی پناہ مانگے۔"

(اقتباس تبصرہ جوان بخت و شمس النہار
از مدیر[1] ۲ مارچ ۱۸۶۵ء)

"جوان بخت و شمس النہار۔ یہ ۶۳ صفحوں کا . . . ناٹک
نظم اُردو میں اوپرا کے طور پر لکھا گیا ہے . . . [illegible]

---

[1] مدیر کا نام (مولوی) سید عبد الغنی تھا انھیں ۔ ایڈیٹر اردو انڈین کرانکل لکھا ہے۔ غالباً یہ بزرگ استھانواں ضلع پٹنہ کے رہنے والے تھے۔

Marfat.com

وشمس النہار کے مصنّف مولوی محمد نواب[1] صاحب نے۔ . . . ان دونوں باتوں کا خیال رکھا ہے . . . . نہ اس میں کہیں کوہ قاف کی پریوں، طلسم کے جنجال کا بیان ہے اور نہ کہیں بدکاریوں کی ہدایت ہے۔ روزمرّے کی سادی سادی باتیں ہیں۔ . . . . ایّام غدر کا تذکرہ ہے . . . . . تناسب وقت، تناسبِ مقام اور تناسب مبحث اِن تینوں باتوں کا جو ڈرامے کی جان ہیں ہر جگہ نہایت ہوشیاری کے ساتھ پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ بیان کا پیرایہ اور زبان بھی بہت دل فریب ہے اور خاص کر آپس کی گفتگو کی زبان تو وہ بلا کی ہے کہ پناہ بہ خدا . . . . قصّے کا خاتمہ ایسے مؤثر طور سے کیا گیا ہے کہ دل دہل جاتا ہے۔

(ایضاً)

" اَپنچ . . . . . ۱۸۸۵ء میں منصّہ شہود پر جلوہ گر ہوا . . . . یہ ۱۸۸۵ء سے ۱۹۱۰ء تک نکلتا رہا۔ پہلے ایڈیٹر سیّد رحیم الدّین صاحب استھانوی تھے . . . . حضرت آزاد عظیم آبادی، حضرت رنجور عظیم آبادی . . . . پروفیسر شہباز . . . . مولوی شوق نیموی . . . . وغیرہ اس کے مستقل مضمون نگار تھے۔ اپنچ نے قومی و ملکی، اصلاح و تعلیمی امور میں خاصی جدّوجہد کی۔

(رخشاں ابدالی۔ بہار نمبر، ندیم گیا ۱۹۳۵ء)

" اَپنچ ، کے اجرا سے ایک برس پہلے جولائی ۱۸۸۴ء میں شمس العلماء مولوی محمد حسین ذبیح عظیم آبادی نے ایک اخبار "پٹنہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ" نامی جاری کیا۔"

(ایضاً)

---

[1] مولوی سیّد محمد نواب مختار فوجداری و کلکٹری۔ بادشاہی گنج۔ علاقہ تھانۂ پیر بہوڑ۔ باقی پور (بانکی پور) پٹنہ۔

Marfat.com

باب دوم

بہار میں اُردو ادب

تمہید

صوبۂ بہار میں مسلمانوں کے سیاسی و تہذیبی اثرات کا آغاز باضابطہ طور پر اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی کی فتوحات سے ہوا۔ اس کا زمانہ ۱۱۹۲ء تا ۱۲۰۴ء (۵۹۰ھ تا ۶۰۲ھ) تھا۔ لیکن بعض واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن بختیار سے پہلے مسلمانوں نے یہاں قدم جمانا شروع کر دیا تھا۔ محمود غزنوی کے بھانجے سالار مسعود غازی کے لشکر کا اطراف بنارس تک آنا ثابت ہوتا ہے۔ جن جن جگہوں میں مسعود غازی کے مجاہدین نے جنگ کی اور مقتول ہوئے وہ مقامات گنج شہیدان کے نام سے مشہور ہیں۔ اور وہاں غازی میاں کا میلہ لگتا ہے۔ سیوان۔ ضلع سارن بہار

---

[1] مخیرو بہار میں مسلمانوں کی آمد۔ فصیح الدین بلخی مصنف تاریخ گدھ۔ قدیم۔ گیا۔ بہار نمبر اگست دسمبر ۱۹۳۹ء ص ۴۸۔ ۔ محمد بن بختیار کے حالات کے لیے دیکھئے: ۔ طبقات ناصری۔ مولفہ منہاج الدین سراج۔ اور تاریخ فرشتہ۔ جلد ۲۔

Marfat.com

اور منیر، ضلع پٹنہ میں بھی ایسی جگہیں ہیں جہاں یہ میلے لگتے ہیں۔

منیر شریف کے اہل خانقاہ کے سفینوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۷۸ء (۵۷۶ھ) میں حضرت تاج فقیہہ اور قطب سالار نے راجہ منیر پر فتح پاکر اس علاقے پر قبضہ کیا۔ قطب سالار کا مزار موضع مہداواں میں منیر سے دو میل پورب، مسجد کے پس پشت واقع ہے۔ ایک لوح بھی ملی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قنوج کے راجہ گوبند چندر نے منیر کے ایک برہمن کو جاگیر عطا کی۔ لوح پر جو سنہ درج ہے وہ ازروئے حساب ۱۱۲۶ء بنتا ہے۔ اس میں یہ فرمان ہے کہ دوسرے محصولات و مالگذاری کے ساتھ ترکوں کا محصول ("ترک ڈنڈ") بھی جو ادا ہوتا رہا ہے، ادا ہوتا رہے[1]۔

بارہویں صدی کے آغاز سے صوبۂ بہار پر مسلسل مسلمانوں کی حکومت رہی اور اس علاقہ میں نئے تہذیبی اثرات گھر کرتے رہے۔ بہار اور بنگال سلطنت دہلی کے صوبے تھے۔ جب دہلی کی سلطنت کمزور ہوتی تو یہ صوبے خود مختار ہوجاتے۔ ۱۵۱۸ء میں بابر نے بنگال و بہار پر فوج کشی کی۔ بابر کی وفات کے بعد لودی اور سوری افغانوں نے اپنی جمعیت کو فروغ دیا۔ ۱۵۷۶ء میں شہنشاہ اکبر نے بہار اور بنگال کو فتح کرلیا۔ پہلے ابواب میں اس امر کی تفصیل بیان ہوچکی ہے کہ دو تہذیبوں کے میل سے شاہجہاں کے عہد تک بہار میں اُردو زبان رس بس چکی تھی۔ اور اب ادب کی پیدائش و ترقی کا وقت آگیا تھا۔ شاہزادہ عظیم الشان ۱۶۹۷ء میں پٹنہ آیا۔ اور پٹنہ عظیم آباد[2] بن کر تخت گاہ اُردو کی حیثیت سے مسلم الثبوت بنا۔ پھر فرخ سیر یہاں آیا اور امیرالامراء نواب سید حسین علی خاں صوبہ دار پٹنہ کی اعانت سے وہ یہیں شہنشاہ ہندوستان بنا۔ فرخ سیر کی تاجپوشی عظیم آباد میں ہوئی۔ سید حسین علی خاں

---

[1] بہار و اُڑیسہ ریسرچ سوسائٹی جرنل جلد ۲۔ ۱۹۱۶ء۔ ایک اور لوح ملی ہے۔ جس میں یہ عبارت ہے۔ "دین محمدی شد قوی"

[2] متصدیان دفتر شاہی کے لیے دیوان محلہ اور امراء فوج کے لیے لودی کٹرہ بسایا۔ مغلوں کے رہنے کے لیے مغل پورہ اور شاہزادوں اور امراء کے لیے محلہ کیواں شکوہ، جو اب بگڑ کر کواکھوہ ہوگیا ہے۔ عظیم آباد رشک دلی بنا چھوڑے۔ (بہار اور اُردو۔ حمید عظیم آبادی ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۹۷۰ء)

Marfat.com

نے فوج جمع کی اور اسی فوج کی مدد سے فرخ سیر دلّی پر قابض ہوا۔ سیر المتاخرین کے مؤلف سیّد غلام حسین عظیم آبادی کے قول کے مُطابق بہاریوں نے یہ فتح حاصل کی (۱۷۱۳ء)۔ اس کے بعد شاہجہاں آباد دِلّی اور عظیم آباد پٹنہ کے درمیان روابط و مراسم بہت بڑھ گئے۔ بہت سے اُمرار دلّی چھوڑ کر پٹنہ آبسے لہٰذا اُن کی زبان و معاشرت میں یکرنگی آنے لگی۔" فرخ سیر کے زمانے میں ایک امیر باتدبیر تھا جسے تاریخی زبان عمدۃ الملک اور عوام محمد امیر خاں کہتے اور انجمنِ شعرا انجام کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ یہ نواب بھی بیدل ہی کا دلدادہ اور مقلّد تھا اور جس وقت اُستاد اُردو کی طرف مخاطب ہوا، مؤدب شاگرد بھی ہمہ تن اُدھر متوجہ ہوگیا۔ اس کی اس توجہ و خیال سے اِس زبان کا وہ آوازہ بلند ہوا کہ ساری دلّی گونج اٹھی اور پھر تو گھر گھر سے اس کی صدا آنے لگی :" (نصیر حسین خیاؔل عظیم آبادی)۔ مرزا بیدل، اورنگذیب کے زمانہ میں پٹنہ سے دلّی گئے اور فرخ سیر کے عہد تک فارسی اور اُردو کو فروغ دیتے اور بہار و عظیم آباد کے نام کو روشن کرتے رہے۔ نواب لُطف اللہ خاں صادق اور مرزا معز موسوی خان فطرت دِلّی سے پٹنہ آئے۔ عظیم آباد پٹنہ نے صوبہ بہار کے دوسرے شہروں سے بہ حیثیت زبان وادب، امتیاز حاصل کیا۔ لیکن بہار کے دوسرے مراکز بھی اُردو ادب کی تخلیق و ترویج میں مشغول تھے، کیونکہ اُردو زبان سارے صوبہ میں آہستہ آہستہ مقبول ہو رہی تھی۔ شہروں اور قصبات میں اُردو کو فروغ ہو رہا تھا۔ پٹنہ، گیا، آرہ، چھپر اور مظفر پور۔ نیز اُن شہروں کے قریبی قصبات اور مفصلات کے علاوہ صوبہ کے مشرقی اور جنوبی علاقوں میں بھی اُردو زبان و ادب کی خدمت ہو رہی تھی۔ افسوس کہ بزرگوں کے ادبی سرمایہ کا اکثر حصّہ ضائع ہوگیا۔ یہاں تحقیقات علمیہ کا کام جب سے شروع ہوا ہے۔ بہار میں اُردو کی قدامت، وسعت اور ہمہ گیری ثابت ہوتی جاتی ہے۔

اب تک کی تلاش و جستجو سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ ولی دکنی کے زمانہ سے بہار میں اُردو ادب کی تخلیق ہو رہی ہے اور یہ حقیقت بھی سامنے آئی ہے کہ ادب [illegible] کے سلسلہ میں جس طرح اورنگ آباد دکن کا اثر دہلی پر پڑا ہے۔ اسی طرح اب تک عظیم آباد بہار کے ذریعہ بھی دلّی میں تحریک اُردو کو تقویت پہنچی ہے۔

عظیم آباد کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے مرکز اور دائرے میں اُردو ادب کی تخلیق
ہر دور میں ہوتی رہی ہے۔ جب دکن، دہلی اور لکھنؤ میں نوبت بہ نوبت اُردو کا
بولا تو عظیم آباد میں بھی اس کے ہم صفیر موجود تھے۔ عین ممکن ہے کہ دکن کے دو
اولیٰ کے متوازی بھی ادب قدیم کے نمونے بہار میں مل جائیں۔ لیکن اب تک
دکن کا قدیم ادبی سرمایہ سب پر بھاری ہے اور اغلب یہی ہے کہ اس کی اہمیت
غیر متزلزل ہے۔ کیونکہ خاص تاریخی تہذیبی و سیاسی وجوہ کی بنا پر وہاں "ریختہ"
کا باغ سب سے پہلے لہلہایا۔ یکا دُکا پیڑ پودے تو سارے برصغیر ہند میں سر
ہوئے۔ بہرکیف تحقیقات اور انکشافات کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ علم اد
تحقیق کی دنیا میں صوبائی عصبیت، قطعیت اور کٹرپن کی کوئی جگہ
نہیں۔

میں تحقیق و مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دور قدیم اور دور وسط
میں علی الترتیب اُردو ادب ہر دبستان میں بنیادی اعتبار سے یکساں رہا ہے۔ جدت
اختراع اور قابل ذکر تبدیلیوں کی سکت ابھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے
میں نظیر اکبرآبادی ایک استثنا رہے۔ دکن، دہلی، لکھنؤ اور عظیم آباد کے اُردو ادب
میں سطحی فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔ ادب کے عام تجربے، ہیئت، صنفیں، مزاج
روایات، تلمیحات، تشبیہیں، اور استعارات سب کم و بیش ہر دبستان میں ایک جیسے
ہیں۔ یعنی دبستانوں کی انفرادیت اور اُن کے فن کاروں کی انفرادیت ہنوز بالیدہ
اور نمایاں نہیں ہوئی۔ تھوڑے سے رنگ اور مذاق کا فرق یا بعض صنفوں کی طرف
نسبتاً زیادہ توجہ کا امتیاز ضرور پایا جاتا ہے۔ اس لیے اگر دبستانِ عظیم آباد میں
نمایاں انفرادیت نہیں تو کوئی حیرت کی بات بھی نہیں۔ عام طور پر دلی اور پٹنہ
کے میلانِ شعر و ادب میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ اواخر انیسویں صدی میں دبستان
لکھنؤ کا اثر بھی بہار پر پڑا ہے۔ اور ایک طبقۂ شعراء کا میلان اُسی جانب ہوا
نثر میں بھی ہمیں دلی اور لکھنؤ دونوں دبستانوں کا اثر ملتا ہے۔ خصوصاً ناول نگاری
میں۔ پھر عہدِ شاد میں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ دبستان عظیم آباد نے دلی اور
کے مذاق و میلان کا ایک ایسا امتزاج پیش کیا جو جیتا جاگتا، خوبصورت، اثر آ

Marfat.com

اور بار آور تھا۔ اس امتزاجی فن نے بیسویں صدی کے ادب کو گہرے طور پر متاثر کیا[1]۔

حمید عظیم آبادی لکھتے ہیں :

"اصل حقیقت یہ ہے کہ دہلی و لکھنؤ و عظیم آباد وغیرہ وغیرہ شہروں کی زبانیں ایک ہی چنے کی دو دالیں اور شاہجہانی اُردو کی بیٹیاں ہیں ایک ہی گھر میں پیدا ہوئیں، ایک ہی جگہ کھیل کُود کر بڑی ہوئیں۔ ایک ہی طرح کے جہیز پائے۔ کوئی بیاہ کر پورب گئی، کوئی پچھم، کوئی اُتر اور کوئی دکھن۔ لہٰذا فرق بھی اتنا ہی ہونا چاہیے، جتنا دو بہنوں میں ہوتا ہے[2]۔"

اگر اس تمثیل کو بہت زیادہ کھینچا نہ جائے تو میں اس خیال سے متفق ہوں۔ دبستان بہار کی خصوصیات کے مسئلہ کا ایک دوسرا پہلو بہار میں اُردو ادب کی پیدائش یا درآمد کا مسئلہ ہے۔ اس سلسلے میں بھی افراط و تفریط کو راہ دینا نہیں چاہیئے۔ بہرکیف بہار کا اُردو ادب بیرونی یا مصنوعی نہیں، بلکہ مقامی اور اصلی ہے۔" یہ شہر اپنے مذاق شاعری میں کسی کا محتاج نہیں بلکہ آپ اپنا مقلد و شاگرد رہا۔ اور یہیں کے فیض سے اپنا کشکول بھرا کیا ہے۔ بقول حضرت شاد ؏

"در اُردو پیرو آبائے خویشم"

اور : زبان مادری من ہماں است

نہ ماخوذ از کلام دیگراں است

حق یہ ہے کہ جب اُردو زبان بہار میں بالیدہ ہوگئی، تو وہ از خود اسی صوبہ کی مٹی سے رس اور جس لے کر، اسی کے پانی سے سیراب اور اسی کی ہوا سے شاداب [illegible] پھولنے پھلنے لگی اور اس ادب کی خوشبو ملک کی فضا میں پھیلی اور [illegible] شاداں و

---

[1] ملاحظہ ہو پیرا [illegible] حسرت کی انفرادیت [illegible] ادب [illegible]

از [illegible] اختر [illegible]

[2] ندیم [illegible] بہار اور اُردو [illegible]

Marfat.com

مسرّت بنی۔

پروفیسر معین الدین دردائی لکھتے ہیں:

"بہار نے دہلی اور لکھنؤ سے بہت پہلے اُردو کی طرف توجہ کی۔"

(بہار اور اُردو شاعری ص۴)۔ " " " " " " " " " " " " "

"بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بہار کی شاعری کا کوئی خاص اسکول نہیں ہے۔ بلکہ دہلی اور لکھنؤ اسکول کی پیرو ہے۔ لیکن اس کی تاویل کیوں کر کی جائے گی کہ اگر آشکی[1] اور جمالی نے خواجہ میر درد کو اپنا اُستاد بنایا تو میر تقی میر نے بھی جعفر عظیم آبادی کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا۔ ان کے علاوہ غالب نے بھی مرزا بیدل عظیم آبادی کا کلام سامنے رکھ کر مشق سخن کی ہے۔ " " " " " " " " باکمال شاعر بجائے خود ایک اسکول ہوتا ہے۔" (ایضاً ص۲۱)

پروفیسر دردائی کے برخلاف قاضی عبدالودود لکھتے ہیں:

"۱۱۵۱ھ سے ۱۱۷۰ھ تک اور اس سے پہلے صوبۂ بہار میں اُردو کے مقابلہ میں فارسی کا زیادہ چرچا تھا اور یہاں اچھے اچھے فارسی گو موجود تھے لیکن اس زمانہ میں ایک ریختہ گو شاعر بھی جسے مسلم الثبوت اُستاد مانا گیا ہو اور جس کی خوش گوئی کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہو، منظر عام پر نہیں آیا۔ وہ شعراء جو عظیم آباد سے تعلق رکھتے، دہلی کی زبان کے مقلد معلوم ہوتے ہیں " " " " " " " " ۱۱۷۱ھ سے ۱۲۲۰ھ تک کا زمانہ اس صوبہ کی اُردو شاعری کا عہد زرّیں ہے " " " " " " اس زمانے میں بھی یہاں کے تمام اساتذہ دہلی کے مقلد رہے " " " " " " زیر بحث بہاری شعراء میں کوئی نیا رنگ و آہنگ، کوئی نیا زاویۂ نگاہ نہیں ملتا۔ " " "

(بہار کی اُردو شاعری۔ عید نمبر صدائے عام ۱۹۵۳ء)

---

[1] حیات فریاد۔ شاد عظیم آبادی ص۱۵۷۔

Marfat.com

ان دونوں اقتباسات میں کچھ ایسی باتیں ہیں جن کی صحت کے متعلق مجھے کلام ہے [illegible] سے پہلے اس امر کے یقین کرنے کی کافی وجوہ نہیں کہ میر تقی میرؔ نے جعفر عظیم آبادی کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا۔ میں یہ بھی نہیں مانتا کہ عظیم آباد، بہار کا دبستانِ ادب نمایاں انفرادیت رکھتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ عظیم آباد بہار اُردو ادب و شاعری کا ایک اہم اسکول ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کہ یہاں کے سب اساتذہ دہلی کے مقلد رہے ہیں۔ دردؔ دانی نے بڑے نکتہ کی بات لکھی ہے کہ "باکمال شاعر بجائے خود ایک اسکول ہوتا ہے" چھوٹے فن کار اپنے دبستان اور اُستاد کی تقلیدِ محض کرتے ہیں اور بڑا صاحب فن ان سے بلند ہوتا ہے۔ مثلاً میرا مطالعہ یہ ہے کہ راسخ عظیم آبادی، میر دہلوی کے مقلد نہیں۔ اُن میں کافی انفرادیت پائی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ قاضی عبدالودود خود عظیم آباد کی مرکزیت کو تسلیم کرتی ہے۔ [illegible] اس عہد میں اُردو شاعری کا جو چرچا یہاں نظر آتا ہے۔ اور خوش گو شاعروں کی جو بہتات یہاں پائی جاتی ہے۔ دہلی لکھنؤ کو چھوڑ کر ہندوستان کے کسی اور شہر میں نہ ملے گی۔ [illegible] مقلد شعرا یہ دبستان میں ملتے ہیں اور مجتہد فن کار کی ہر جگہ کمی ہوتی ہے۔ بہ حیثیت دبستان عظیم آباد اور دہلی میں مماثلت ضرور ہے ویسے دہلی کا اثر لکھنؤ اور عظیم آباد دونوں پر پڑا ہے۔ لکھنؤ کی بغاوت بھی محض سطحی تھی۔ نوعی یا بنیادی نہیں تھی۔ [illegible] محض مصنوعی اور بے غایت لفظی [illegible] بنیادی تبدیلی پیدا کی۔ اصل چیز فکر کی ہے۔ عظیم آباد [illegible] نقالی میں شاعری نہیں کرتے بلکہ ان کی شاعری ان کے حال اور [illegible] صاحب حال [illegible] قاضی عبدالودود لکھتے ہیں۔

[illegible]

Marfat.com

"اگر بہار بنگالہ سے الگ ہوتا اور یہاں کا صوبہ دارالسلطنت مُغلیہ کے ضعف سے فائدہ اُٹھاکر ایک آزاد یا نیم آزاد حکومت یہاں قائم کرلیتا، تو بہ خوبی ممکن ہے کہ عظیم آباد بھی لکھنؤ کی طرح علم بغاوت بلند کرتا، یہاں کی زبان بجائے قرار پاتی اور نئی طرز کی شاعری وجود میں آتی"[1]

ممکن ہے لکھنؤ کی طرز ایک حدتک "ایجاد بندہ" ہو۔ لیکن وہ ایجاد نہ تو بڑے انحراف و اقدام فن کی دلیل ہے اور نہ مُستحسن۔ میرا خیال اس سلسلے میں یہ ہے کہ کئی میلانات ادب و شعر جو لکھنؤ میں نمایاں ہوئے اُن کا آغاز دہلی میں ہوچکا تھا۔ بلکہ بعض لکھنوی میلانات کی ابتدار دکن میں ہوچکی تھی۔ دبستانِ لکھنؤ میں برتی جانے والی شاعرانہ صنعتیں کوئی نئی نہیں۔ وہ فارسی اور عربی شاعری سے لی گئی ہیں۔ اہلِ دکن نے بھی انہیں برتا ہے اور اہل دہلی وعظیم آباد نے بھی۔ صرف یہ ہوا ہے کہ شعرائے لکھنؤ کے ایک طبقہ نے ان صنعتوں کو بے تکے پن سے برتا ہے۔ اور اپنی صناعت کو مصنوعی بنادیا ہے۔ دہلی اور لکھنؤ میں داخلیت و خارجیت کا فرق بھی زیادہ گہرا نہیں۔ دبستانِ دہلی کا عام مزاج داخلیت کی طرف مائل ہے اور لکھنؤ اسکول کا عمومی مذاق خارجیت کی جانب۔ لیکن دہلی میں بھی خارجیت کے نمونے نہ صرف نصیر دہلوی اور ذوق کی شاعری میں ملتے ہیں۔ بلکہ میر، درد، سوز، مومن اور غالب تک کے کلام میں خارجیت موجود ہے۔ اسی طرح دبستانِ لکھنؤ کے شعراء کے فن میں داخلیت بھی پائی جاتی ہے۔ مصحفی اور انشاء تو دہلی سے ہی لکھنؤ گئے۔ ان کے کلام کے علاوہ آتش، ناسخ، انیس و دبیر کے فن میں بھی داخلیت ہے۔ ہم اگر سودا اور انیس کے فن کا مُطالعہ کریں، تو ہمیں یہ حقیقت ماننی پڑے گی کہ اُن کے یہاں داخلیت وخارجیت کا اچھا خاصا توازن پایا جاتا ہے۔ میرتقی میر اور میرحسن کی مثنویوں کا آرٹ بھی امتزاجی اور متوازن ہے۔

دبستانِ عظیم آباد دلی اسکول سے مماثلت ضرور رکھتا ہے۔ مگر اس مماثلت کی وجہ اتنی سطحی نہیں کہ دہلی سے شعراء عظیم آباد آئے اور ان کا اثر پڑا۔ یا یہاں کے

---

[1] بہار کی اُردو شاعری، صدائے عام، عیدنمبر ۱۹۵۳ء صـ۱۸۔

Marfat.com

شعرار دلی گئے اور وہاں کی نقالی کرنے لگے۔ دہلی کا اثر سارے مراکز اُردو پر ملک بھر میں پڑا ہے۔ عظیم آباد اس سے مستثنیٰ نہیں۔ لیکن دلی اور عظیم آباد میں مماثلتِ فن کے اسباب اس اثر و تاثر کے علاوہ بھی ہیں۔ تاریخی وجوہ سے دہلی اور پٹنہ کی فضا ایک جیسی تھی۔ زندگی اور اس کا ماحول ایک جیسا تھا۔ دہلی میں اگر حملۂ نادر و ابدالی اور سکھ و مرہٹہ بغاوت و یورش کی وجہ سے سماج اور حکومت کی بنیادیں ڈانواں ڈول تھیں۔ اور ایک عام یاس و حسرت درد و اضمحلال جاری و ساری تھا، تو پٹنہ پر بھی بنگالے انگریزوں کی سازشوں اور حملوں نیز مرہٹہ گردی کا عذاب نازل ہوتا رہتا تھا۔ زندگی بے چین و دَرد مند تھی۔ اِن دونوں کے درمیان لکھنؤ ایک جزیرہ تھا۔ عارضی طور پر رُومان پرور۔ مگر پٹنہ اور دلی کا ایک حال تھا۔ ایک جیسے ماحول میں دونوں مقاموں کے فن کاروں کا ایک جیسا ردِّ عمل بھی ہوا۔ فن کاروں کی انفرادیت کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ عظیم آباد اسکولوں کے فن کاروں میں داخلیت اور درد و سوز، یاس و حسرت اُنہیں اسبابِ زندگی سے پیدا ہوئی۔ جن اسباب حیات سے دبستانِ دہلی میں وجود میں آئی تھی اور یہ اسباب مقامی تھے۔ عظیم آباد اسکول کے فن کاروں کے اخلاص تجربہ اور صداقت فن کی دلیل اُن کے کلام کی تاثیر ہے۔ وہ دلی کے محض مقلد اور نقال ہرگز نہیں تھے۔ یہاں کے فن میں خارجیت کے نمونے بھی ملتے ہیں اور فرداً فرداً فن کاروں میں انفرادیت و جدت کی بھی ایسی کمی نہیں۔ منفرد صناع تو ہر اسکول میں قلیل تعداد میں ہوتے ہیں۔ دبستانِ عظیم آباد کے فن کاروں میں جدت و اختراع کا مادّہ تو اتنا تھا کہ جب دَورِ آخر میں یہاں دبستانِ لکھنؤ کا رنگ جمنے لگا تو بہت جلد عظیم آباد اسکول کے اساتذہ نے مقامی اور لکھنوی رنگ و آہنگ کو ترتیب دے کر ایک تازہ کار اسلوب و طرز پیدا کر لیا۔ اُنھوں نے دہلی اور لکھنؤ کی خوبیوں کو اپنایا اور خامیوں سے کنارہ کش رہنے کی کوشش کی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انھوں نے اپنی رُوح اور مزاج کے امتیاز کو قائم رکھا۔ روایات کے محاسن میں نئی تبدیلیوں کے اچھے عناصر کو سمویا۔ اور اُردو ادب کے خزانے میں اضافہ کیا۔ خود قاضی عبدالودود صاحب کو تسلیم ہے کہ "عہد آرزو" مضمون کی ایہام بندی سے اس صوبہ کے شعرار کو کچھ سروکار نہیں رہا۔"

(بہار کی اُردو شاعری، عہد بہ عہد ۱۹۵۵ء، صفحہ عام، پٹنہ)

Marfat.com

اِس باب کے اختتام پر میں علاّمہ ندوی کے اقوال کو نقل کرتا ہوں :

"صفیر بلگرامی نے اپنے تذکرہ جلوۂ خضر میں غلط نہیں لکھا ہے کہ دلّی اور لکھنؤ کے بعد یہ شہر اُردو کا تیسرا مرکز ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دلّی کی تباہی کے بعد جس طرح لکھنؤ میں نوابی قائم ہوگئی ، بہار و بنگال میں الگ مسندیں لگیں ، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آخر میں بنگال کی نظامت سے الگ ہوکر یہ صوبہ ایک مستقل نظامت کی صورت میں منتقل ہوگیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس خود مختارانہ عہد حکومت کا بانی راجہ شتاب رائے کا خاندان تھا ۔ ۔ ۔ راجہ خود بھی شاعر تھا ۔ اور شتاب تخلّص کرتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ راجہ شتاب رائے کے علاوہ جو صوبہ دار آتے وہ بھی مرکزی کمزوری کے باعث اپنی ایک مستقل شان رکھتے تھے ، اور اس عہد کے لوازم دربار کے مُطابق شعر و سخن کی سرپرستی اور قدردانی میں بھی حوصلہ دکھاتے تھے[1] ۔"

بہار میں اُردو ادب کا سرمایہ کثیر ہے ۔ میں اُن میں سے منتخب فن کاروں کے خزانہ سے زَرد جواہر پیش کروں گا ۔ میں اُن کی ساری دولت منظر عام پر نہیں لاسکتا ۔ کیونکہ میرا دامن تنگ ہے ۔ میں انتخاب میں چند باتوں کو پیش نظر رکھوں گا ۔ اوّل یہ کہ میں اہم فن کاروں کو چُنوں گا ۔ دوئم یہ کہ انتخاب اس لحاظ سے بھی ہوگا کہ اُردو کی متحدہ وراثت اور غیر فرقہ دارانہ حیثیت ثابت ہو ۔ سوئم یہ کہ اُن ادبی نمونوں کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش کی جائے گی جن سے لوگ عمومی طور پر واقف نہیں ۔ میرا دائرہ انتخاب سترھویں صدی عیسوی کے اواخر سے اُنیسویں صدی کے قریباً وسط تک ہوگا ۔ میں پیشکش میں یہ ترتیب ملحوظ رکھوں گا کہ پہلے شعراء کا بیان ہو ، پھر تذکرہ نویسوں کا اور بعدازاں نثر نگاروں کا ۔

خطۂ بہار میں کول ، ڈراوڑ ، آریہ ، ترک ، پٹھان ، عرب وغیرہ نسل کے لوگ بستے ہیں ۔ ان کے آباء و اجداد مختلف اوقات میں یہاں آکر بسے ۔ میرے نزدیک جو یہاں

---

[1] کلام شاد پر مقدمہ ، نقوش سلیمانی ، ص ۹۵ - ۳۵۴ ۔

نیز ملاحظہ ہوں نقوش سلیمانی صفحات ۱۲۹ ، ۲۶۵ ، ۲۵۹ و ۴۰۷ - ۴۰۰ ۔

Marfat.com

آکر، یہاں کا ہو رہا وہ اسی دیار کا رہنے والا کہلائے گا اور اسی خِطّہ کی طرف منسوب ہوگا متاخرین میں تُورانی، ایرانی اور عرب خاندان مغربی ہند سے یا بیرون ہند سے براہ راست بہلکہ میں آکر آباد ہوئے۔ ان میں بھی اُردو شاعر و ادیب پیدا ہوئے۔ اور یہاں کے قدیم باشندوں میں سے بھی اٹھے۔ بعض لوگ دہلی سے عظیم آباد آئے۔ اور اپنی شاعری ساتھ لائے۔ مثلاً میر باقر حزیں اور فقیہہ صاحب درد مند۔ "درد مند دکنی تھے، مگر ان کی شاعری نے دکن نہیں دہلی کی آغوش میں پرورش پائی تھی۔"

Marfat.com

رُخ (الف)

بہار میں اُردو شاعری

○

سنہ ۱۶۷۰ء تا سنہ ۱۸۵۷ء

Marfat.com

مرزا عبدالقادر بیدل

سنہ ۱۰۵۴ھ / ۱۶۴۴ء تا سنہ ۱۱۳۳ھ

عبدالقادر " خلف مرزا عبدالخالق ۔ متوطن عظیم آباد ۔ سنہ ۱۰۵۴ھ / ۱۶۴۴ء میں پیدا ہوئے ایک مدّت تک ناظم بنگالہ شہزادہ محمد اعظم خلف اورنگ زیب کے دربار سے منسلک رہے۔ پھر دکن کی سیاحت کو نکل کھڑے ہوئے ۔ کچھ عرصہ دکن میں رہنے کے بعد دلّی چلے آئے اور عمر کا بقیہ حصّہ وہیں گزارا ۔ ماہ صفر سنہ ۱۱۳۳ھ میں انتقال کیا[1]۔"

صفیر بلگرامی "تذکرۂ جلوۂ خضر" جلوۂ پنجم میں لکھتے ہیں :

" یہ بھی مُصلحانِ اُردو میں شمار ہوتے ہیں گو کہ فارسی فرماتے تھے مگر خود اپنے طور پر اُردو میں بھی کچھ کہہ گئے ہیں۔ . . . . . .

بیدل مرزا عبدالقادر عظیم آبادی عمدہ سُخن طرازوں میں سے ہیں۔ اقسام نظم میں پایہ بلند اور اسلوب نثر میں رتبہ ارجمند رکھتے ہیں . . . . . .

بلدۂ عظیم آباد پٹنہ میں پیدا ہوئے اور ہندوستان میں نشو و نما پائی ۔ . . . . اور سوم سفر سنہ ۱۱۳۳ھ میں انتقال کیا[2]۔"

مرزا بیدل کی جائے پیدائش میں اختلاف ہے۔ اُنہیں کوئی بخاری کہتا ہے ، کوئی لاہوری ، کوئی دہلوی ، کوئی اکبرآبادی اور کوئی عظیم آبادی ۔ بندرابن خوشگو نے اپنے تذکرہ ، سفینۂ خوشگو میں بیدل کو اکبرآبادی لکھا ہے۔ علامہ آزاد بلگرامی نے اپنے تینوں

---

[1] تاریخ شعرائے بہار ، سید عزیز الدین احمد بلخی ۔ از عظیم آبادی ۔ ص ۶ ۔

[2] جلوۂ خضر ، جلد اوّل ص ۹۴-۹۵ ۔ بہ حوالہ تذکرہ سرو آزاد مؤلفہ سید غلام علی آزاد بلگرامی ۔ [illegible]

تاریخ وفات حسب ذیل ہے ،

سر بر آوردۂ ارباب سخن — از عدم آباد جہاں خود مرد رفت

گفت تاریخ وفاتش آزاد — میرزا بیدل ازیں عالم رفت

" بہار اور اُردو شاعری ۔ ورد والی ۔ ص ۱ ۔ بحوالہ پیمستان شعرا ص ۱ ۔

Marfat.com

تذکروں یعنی "یدِ بیضا"۔ "خزانۂ عامرہ" اور "سرو آزاد" میں بیدل کو عظیم آبادی بتایا ہے۔ آزاد بلگرامی۔ بیدل کی وفات کے وقت سترہ سال کے تھے۔ مصحفی کے تذکرہ "عقد ثریا" میں بھی بیدل کو عظیم آبادی تسلیم کیا گیا ہے۔ علامہ سلیمان ندوی کا خیال بھی یہی ہے کہ بیدل کا مولد و منشا صوبۂ بہار تھا۔ اس عظیم المرتبت شاعر کی طفولیت اور آغاز شباب کا زمانہ بہار ہی میں گزرا ہے۔ بیدل کے والد اور چچا مرزا قلندر نے آرہ ضلع کے ایک بزرگ شاہ کمال قادری سے بیعت کی تھی۔ وہ بھی انہی کے دامنِ فیض سے وابستہ ہوئے۔[1]

بیدل عہد عالمگیر میں پٹنہ سے دہلی گئے تھے۔ وہاں شاہزادہ اعظم و معظم کے اُستاد و اتالیق مقرر ہوئے۔ انھوں نے فرخ سیر کا زمانہ بھی دیکھا۔ ایک دفعہ شاہزادہ محمد اعظم نے اپنی مدح میں قصیدہ کی فرمائش اور منصب کی افزائش کی پیش کش کی۔ بیدل نے اسی وقت نوکری ترک کی اور گوشۂ عزلت اختیار کیا۔ باقی عمر فقر و توکل میں بسر کی۔ صوفی مشرب تھے اور شاہد معنی کے فریفتہ۔ "دن کو گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے اور شام سے آدھی رات تک شعرا اور شاگردوں سے صحبت رکھتے تھے"[2]۔ بڑے بڑے امرا اور ارکانِ سلطنت ان کے معتقد تھے اور ان کا اعزاز و اکرام کرتے تھے۔ مثلاً نواب شکر اللہ خاں، نواب آصف جاہ، امیر الامرا سید حسین علی خاں بارہہ وغیرہ۔ صدر بیگ خاں نے امیر الامرا کو خنجر سے ہلاک کیا۔ شاید یہ قتل فرخ سیر کے اشارہ سے ہوا تھا۔ اس کا انتقام امیر الامرا کے بھائی سید عبد اللہ خاں وزیر نے بادشاہ سے لیا۔ اس پر بیدل نے تاریخ کہی۔[3] ؎

دیدی کہ چہ با شاہ گرامی کردند — صد جور و جفا براہ خامی کردند
تاریخ چو از خرد بجستم فرمود — سادات بوئے نمک حرامی کردند

---

[1] رسالہ نقوش، لاہور: شخصیات نمبر ۲ ص ۱۳۴۱۔

[2] جلوۂ خضر ص ۹۵، جلد اوّل۔ [3] جلوۂ خضر، جلد اوّل ص ۹۶۔ بحوالۂ روزنامچہ تبصرۃ الناظرین۔

[4] جلوہ خضر ص ۹۵۔ مرزا بیدل محلہ پٹن دیبی کے رہنے والے تھے۔ بہ حوالۂ حمید عظیم آبادی، ندیم، بہار نمبر ۱۹۴۰ء ص ۱۵۶۔ حاشیہ۔

یہ تاریخ بہت مشہور ہوئی۔ سادات بارہہ کے خوف سے بیدل دہلی سے لاہور چلے گئے۔ عبداللہ خاں ناظم لاہور نے بہت عزت و تعظیم کی۔ جب سادات بارہہ کا دور ختم ہو گیا، مرزا پھر دہلی آئے۔

بیدل، ہندستان ایران شہرت رکھتے تھے۔ انھوں نے بیدل تخلص شیخ عبدالعزیز عزت کے دامن تربیت میں اختیار کیا[1] تھا: "بیدل ہی نے دکن کے مقابلہ میں شمالی ہند کی لاج رکھ لی[2]"۔ فارسی کی طرح اُن کے اُردو کلام میں بھی زور بیان اور پاکیزگی خیال نمایاں ہے[3]: مؤلف چمنستان شعرا لکھتے ہیں:

"حقاکہ در سرزمین ہندوستان مثل ایں سخن پناہ صاحب کمالے بقید از خواب عدم سر بر نداشتہ[4]"

میر حسن دہلوی تحریر کرتے ہیں:

"مرزا عبدالقادر بیدل صاحب طرز فارسی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دو شعر ہندی از آن بزرگوار مسموع شدہ[5] ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

ے مت[6] پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں
اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

صفیر بلگرامی نے تذکرۂ سخن شعرا، مؤلفہ عبدالغفور خاں نساخ کے حوالے سے صرف ایک شعر لکھا ہے اور وہ بھی یوں:

اس دل کے آستاں پر جب عشق آ پکارا
پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

---

[1] تاریخ شعرائے بہار، لجی ص۶۔
[2] بہار اور اُردو شاعری، ندوائی ص۲۶۔
[3] بہار اور اُردو شاعری، ندوائی ص۲۶۔
[4] چمنستان شعرا، ص۲۳۔ مؤلفہ رائے لچھمی نرائن، شفیق۔
[5] تذکرۂ شعرائے اُردو، میر حسن ص۵۹۔
[6] تذکرۂ شعرائے اُردو، میر حسن، ص۵۹۔
[7] مجمعۂ خضر، جلد اوّل ص۹۸۔

Marfat.com

اگر پہلے اور دوسرے دونوں اشعار کو دیکھا جائے تو " ہم ہیں " مناسب موزوں نہیں ثابت ہو گا۔ میرے خیال میں میر حسن کے نقل کردہ اشعار ہی صحیح ہیں صفیر بلگرامی نے ایک اور شعر سید موسیٰ کاظم بلگرامی کاظم کی بیاض سے نقل کیا ہے ؎

شہرۂ حسن سے از بسکہ وہ محجوب ہوا
اپنے چہرے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہوا

پروفیسر نجیب اشرف ندوی نے رسالہ اُردو جنوری ۱۹۲۳ء میں بیدل کی طرف ایک بھاشا کا شعر منسوب کیا ہے۔ لیکن کوئی حوالہ نہیں دیا۔ انہوں نے لکھا ہے :

" اُس عہد میں اُردو کی ابتدا تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چنانچہ جب حضرت بیدل گردش روزگار سے چلنے لگے تو اپنی مُنھ بولتی ماں کے ہاں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رخصت ہونے گئے تو کہا[1] ؎

سَر اوپر کوئی نہیں تب دشمن آپن کیس
پٹنہ نگری چھاڑ دین اب بیدل چلے بدیس

حمید عظیم آبادی لکھتے ہیں :

" بیدل جب پٹنے کو خیر باد کہتا ہے تو یہاں کے در و دیوار پر بہ حسرت نظر کرکے یہ شعر پڑھتا ہے[2] " ؎

سَر اوپر مایا رام نہیں دشمن آپن کیس
پٹنہ نگری چھوڑ دہن بیدل چلے بدیس

حمید عظیم آبادی نے بھی کوئی حوالہ نہیں دیا۔ نیز پروفیسر نجیب اشرف کے پیش کیے ہوئے شعر سے تھوڑا اختلاف بھی ہے۔ میں دردائی کی رائے سے ایک حد تک متفق ہوں وہ لکھتے ہیں :

" مجھے اس شعر کے بیدل کی طرف منسوب کیے جانے سے اختلاف ہے۔

---

[1] ، جلوۂ خضر، جلد اول ص۹۸ ۔

[2] ، رسالۂ اُردو، جنوری ۱۹۲۳ء ص۵۸ ۔

[3] ، بہار اور اُردو، ندیم، بہار نمبر ۱۹۴۰ء ۔

" " " " " " شعر کے نقل کرنے سے قبل اس کے ماخذ کا حوالہ ضرور دینا چاہیئے تھا[1]۔"

لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا بھاشا کا شعر روایتاً مشہور چلا آتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی نہ کسی شکل میں یہ بیدل ہی کا شعر ہو۔ صاحب جلوۂ خضر نے، تبصرۃ الناظرین، کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بیدل کے یہاں ایک صحبت ادبی برپا تھی۔ اُس مجلس میں چنتامن کا کبت پڑھ کر سُنایا گیا۔ مرزا بولے:

"میں ہندوی نہیں سمجھتا مجھے سمجھا دو[2]۔"

مگر یہ تو ہو سکتا ہے کہ بیدل پرانی ہندوی نہ جانتے ہوں اور آخری دور کی بھاری اَپ بھرنش سے تھوڑا بہت آگاہ ہوں اور سرراے پوربی بھاشا میں ایک پنکتی کہہ گئے ہوں۔

○

سیّد عمادُ الدّین عماد پھُلواروی

(۱۱۶۵ھ تا ۱۱۲۴ھ)

سید عماد الدین قلندر پھلواروی ۱۱۶۵ھ میں پیدا ہوئے اور [illegible] میں وفات پائی۔ پھلواری شریف کا مرکز فیض حضرت مخدوم راسخی کا قائم کردہ ہے۔ آپ حضرت [illegible] کے خلفاء میں سے تھے۔ پھلواری کا مرکز آٹھویں صدی ہجری مطابق چودھویں صدی [illegible] میں قائم ہوا۔ حضرت عماد قلندر پھلواروی اسی سلسلہ کے صوفیا میں تھے۔ پیر [illegible] صاحب مرحوم کے گھر میں اس خاندان صوفیا کے مخطوطات و تذکرہ [illegible] موجود ہیں جن سے مرحوم نے استفادہ کیا تھا۔ [illegible]

---

[1] [illegible]

[2] [illegible]

[3] [illegible]

پھلواری شریف کی [illegible] سے [illegible]

Marfat.com

بیچ نظر کے ایدھر اودھر ہردم اُدے جاوے ہے
بل بے ظالم تس پر ٹک دیکھے کو ترساوے ہے
جب ستی چھوڑس کھانا پینا تیرا دوانہ اُلفت میں
خون جگر کا پیوے ہے اور غم غصہ کو کھاوے ہے
آوے اپنے ہاتھ وہ مورکھ نہیں عمادؔ اب اس کی آس
اس کے کارن کون جتن ہم کیا جو نہیں آوے ہے

دیگرے[1] جب بیچ چمن کے فصلِ بہار آوے ہے
تب جوش جنون تلوا مرا کھلاوے ہے

رُباعی ؎ یارب نگہہ عنایت ایدھر کردو
کانٹا ہے عمادؔ تم گل تر کردو
ہے رنگ گنہ سیتی رخ اس کا کالا
تم غازۂ عفو سین منور کردو

(رسالہ معیار، پٹنہ، مارچ ۱۹۳۶ء ص۶۷ مخطوطہ کتب خانۂ خانقاہ عمادیہ، منگل تالاب، پٹنہ)

---

[1] بہار اور اُردو شاعری : قدوائی ص۷ حاشیہ۔

Marfat.com

مُلّا محمّد علیم تحقیق عظیم آبادیؒ

(سنہ ۱۰۷۰ھ تا سنہ ۱۱۶۲ھ)

میر محمد علیم تحقیق خلف میر بدیع الدین سمرقندی عُرف میر میتن[1] سنہ ۱۰۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ بانوے برس کی عمر میں سنہ ۱۱۶۲ھ میں انتقال کیا[2]۔ ان کے شاگرد لالہ اُجاگر چند الفت نے تاریخ وفات کہی۔ ع

فرمود کہ تحقیق شدہ واصل حق
۱۱۶۲ھ

پروفیسر دردائی تحقیق کے متعلق لکھتے ہیں:

"بعض مؤرخین[3] نے مرزا بیدل کے سر پر ادلیت کا تاج رکھا ہے۔ لیکن مُلّا محمد علیم تحقیق عظیم آبادی بیدل سے پہلے گذرے ہیں۔ . . . . . یہ عالمگیر کے عہد میں تھے، اور شاہجہاں کا آخری زمانہ بھی انہوں نے دیکھا تھا۔"

لیکن پروفیسر مذکور نے نہ تو تحقیق کا سنہ پیدائش دیا اور نہ سنہ وفات۔ انہوں نے تحقیق کو بلا حوالہ و دلیل بہار میں اُردو کا سب سے پہلا شاعر تسلیم کیا ہے۔ اس کے برخلاف عزیز الدین بلخی نے تحقیق کی پیدائش اور وفات کے سنہ دیے ہیں۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بیدل، عماد و تحقیق ہم عصر شعراء ہیں۔ مگر بیدل، عماد سے گیارہ سال اور تحقیق سے تولہ سال بڑے تھے۔ مرزا کا انتقال حضرت عماد کی وفات سے دو سال بعد ہوا۔ اور تحقیق کے انتقال سے انتیس سال پہلے۔ تحقیق نے اپنی عمر پائی [illegible] بیدل کو ادلیت حاصل ہے۔ ہاں یہ ثابت نہیں کہ اُردو شاعری کی طرف پہلے [illegible] یا تحقیق نے توجہ کی۔ فارسی کا ایک ضخیم دیوان تحقیق نے یادگار چھوڑا [illegible]

---

[1] پٹنہ کا محلہ میتن گھاٹ غالباً انہیں کے نام سے موسوم ہے۔

[2] تاریخ شعرائے بہار، بلخی ص [illegible] نذیر بہار نمبر سنہ [illegible] ص ۱۵۰۔ حاشیہ۔

[3] بہار اور اُردو شاعری، معین الدین دردائی، ص ۱۴۔

وہ بھی بیدل کی طرح فارسی کے مفتوں تھے۔ دردائی شاہ عماد کو تحقیق کا ہم عصر مانتے ہیں:

"ملا محمد علیم تحقیق ہی کے ہم عصر سید عماد الدین عماد (۱۰۶۵ھ تا ۱۱۲۴ھ) اور غلام نقشبند سجاد (۱۱۱۶ھ تا ۱۱۷۳ھ) ہیں۔"

(بہار اور اردو شاعری۔ ص۱۵)

ممکن ہے شاہ عماد کے سنہ وفات سے دردائی کو دھوکا لگا ہو۔ اور چونکہ بیدل کی وفات ۱۱۳۳ھ میں ہوئی۔ دردائی نے بیدل کو عماد کے بعد کا شاعر سمجھ لیا۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ بیدل مذکورۂ صدر شعراء میں سب سے بڑے تھے۔

ملا محمد علیم تحقیق کو مرزا معز موسوی خان فطرت[1] سے تلمذ تھا۔ فطرت ۱۰۸۱ھ میں ایران سے ہندوستان آئے۔ اورنگ زیب عالمگیر کا زمانہ تھا۔ عظیم آباد میں دیوانی پر معمور ہوئے۔ تحقیق نے بھی مرزا موسوی کے آگے زانوئے شاگردی تہہ کیا۔ فطرت کے پٹنہ آنے سے پہلے بیدل دہلی جا چکے تھے اور اس وقت تحقیق کا عنفوان شباب بھی شروع نہیں ہوا تھا۔

تحقیق کو سیاحت کا بھی شوق تھا۔ دلی اور بنگال کا سفر اختیار کیا۔ پھر اپنے وطن کو واپس آ گئے۔ زین الدین خاں۔ ہیبت جنگ کو ان سے بہت عقیدت تھی۔ عظیم آباد کے امراء و حکام ملا صاحب کو بہ عزت اپنے ساتھ مسند پر بٹھاتے تھے[2]۔

تحقیق عالم تھے۔ معقولات و منقولات سے آگاہ۔ فن موسیقی کے ماہر تھے اور تیراندازی، بندوق، پیراکی میں مہارت تھی۔ مرغ، بٹیریں اور مینڈھے لڑانے کا شوق تھا۔ صاحب سیر المتاخرین ان کی نسبت لکھتے ہیں:

"میر محمد علیم از مشاہیر و مشائخ عظیم آباد از جملہ شاگردان مرزا معز موسوی خان فطرت تخلص بود۔ شہرت علمش بسیار و شاعریش ہم اشتہار دارد۔"

---

[1] تاریخ ادب اردو بہار۔ عزیز الدین بلخی ص۔ بہار اور اردو از حمید عظیم آبادی۔ ندیم بہار نمبر ۱۹۵۲ء ص۱۵۲

[2] اخبار دلی، شاد عظیم آبادی۔ فرماتے ہیں: "ملا تحقیق کا مولد محلہ مغل پورہ عظیم آباد تھا۔ ندیم بہار نمبر ۱۹۵۲ء ص۱۵۲ ... حاشیہ ص۱۵۳

نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے۔[1]

سرجن تیرے مکھڑے میں سورج کی کرن دیا ہے

دیکھا ہوں جو تجھ مکھ کوں نپا مہرے چندہ [illegible]

دیگر — جھگڑا باندھ [illegible]

[illegible]

محمد عظیم آبادی نے اشعار کو یوں [illegible]

[illegible]

دیگر — سرجن تیرے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

قاضی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اور تحقیق کے دَور کا بھی اچھا خاصا حصّہ پایا۔ میرے خیال میں غفا کو سجاد کا ہم عصر کہنا مناسب نہیں۔ انہیں تحقیق کا ہم عصر زیادہ صحیح طور پر کہا جا سکتا ہے۔

نمونۂ کلام حسب ذیل ہے ؎

ظاہر دھوئے پاک نہ ہوئے　　پاک ہوئے جب باطن دھوئے
بہین معراج نمازی موے　　بن معراج نماز نہ ہوئے

کہے غفا ۔ سنسار موں دیس بدیس　　سائیں آپے آپ کو سوائے مانک بھیس

آگ پڑے تن پیم کے جل بل بوجھا جو　　کہے غفا تم آگ موں دے جیو پایا پید

کہے غفا سُن کان دے ایسے آیا ہاتھ　　مورت صورت رنگ ہالے گیا سائیں ساتھ

کہے غفا سبھ خوب سے جگ موں ایہی پاپ　　پرگٹھ ہوا پیو اور کچھ لوگ کہا دیں آپ

غفا سمدر پیم کا دیکھ اغوطہ مار　　جو تھے موتی بھید کے آئے ہمارے ہاتھ

کہے غفا جنھ دیکھ دوئی　　پیم پتھ موں مشرک ہوئے

کہے غفا جنھ آپے بھلایا　　تن سائیں کا درشن پایا

بھیجا پڑھتی پریم کی ناؤں دھرا قرآن　　مانک ہاتھ سمائے کے آپی ماجھے آن

اُٹھ پردیسی کیا سوا تین پیم جل دھوئے　　ڈوب گئے سبھ سنگ کے تون رہا اکیلا موئے

[illegible] یا ایک موں پانی رے جو کوئے　　ڈارے بوٹی پریم کی تب جلئے کچن موئے

Marfat.com

[illegible] بار مل سودا کینھ ہاٹ کوئی سودا لے پھرا کوئی بھولا باٹ

پیم پنتھ مون ایک ہے سُن مسجد اور دیر جب دیکھا تب پیا کون نین نہ آیا غیر

سائیں کا کوئی اور نہ پاوے پل پل لاکھ بھیس دکھاوے

باسن مانٹی کہے نہ کوئے آخر باسن مانٹی ہوئے

لوگ باورے پیہ کون ڈھونڈیں دیس بدیس پیہ پرگھٹ تگ ماتھ [illegible]

اللہ اللہ من جپے جیون کوئی دن رین جہت اللہ [illegible]

(بہار اور اُردو شاعری [illegible])

غفا کے کلام میں صوفیانہ خیالات اور [illegible]
زبان و بیان کے لحاظ سے ایسی فضا بندی [illegible]
مالک اور کبیر کی دنیائے جذبات میں پہنچ جاتے [illegible]
[illegible] کی زبان خاصی صاف ہے۔ البتہ [illegible]
زبان [illegible] بہت زیادہ شامل ہے [illegible]

Marfat.com

مجھے زبان کے مسئلہ میں مذکورہ بالا بیانات سے اختلاف ہے۔ میرے خیال میں غفا کی زبان ملی جلی زبان ہے۔ اس پر کھڑی بولی، اودھی اور برج بھاشا کا اثر بھی ہے۔ مرہٹی گجراتی کا اثر کبیر، خود کبیر کی زبان کا بھی یہی حال ہے۔ اس عہد کی صوفیانہ بھگتی شاعری میں ایک ایسی ملی جلی زبان مروج ہو چکی تھی جو کم و بیش ملک ہند کے بہت بڑے علاقے میں سمجھی جاتی تھی۔ ہندوستان میں ایک ہمہ گیر ادبی زبان کا ہیولیٰ تیار ہو رہا تھا۔ میری رائے ہے کہ غفا کے کلام میں مگدھی عنصر نسبتاً کم ہے۔ اپ بھرنش کی آخری منزل میں مگدھی یا مگہی بھاشا کا زوال ہو چکا تھا۔ اس کی ادبی حیثیت گویا ختم ہو چکی تھی۔ کچھ دیہاتی گیت تھے۔ لیکن اس دیار میں اعلیٰ قسم کی شاعری نہیں ہو رہی تھی۔ گو برج کا بھی یہی خیال ہے۔ اسی وجہ کے معاً بعد اردو زبان و ادب کا ہندوستان کی تقریباً اردو شاعری میں لسانی اعتبار سے مگہی بولی کا عنصر کم شمار ہوتا ہے۔ اب میں غفا کے کلام کا تجزیہ پیش کرتا ہوں:

"بھوم"، "پھول"، "ماٹی" ان الفاظ کی ساخت برج بھاشا کی ہے۔ افعال کی ساخت بیشتر کھڑی بولی کی ہے۔ مثلاً "پایا"، "آیا"، "لے گیا"، "دیکھا"، "آئے"، "دیکھا"، "بھلایا"، "دھرا"، "بھیجا"، "رہا"۔ ذرا مندرجہ ذیل جملوں اور فقروں کی ترکیب دیکھئے:

"کہے غفا من کا دے ایسے آیا ہاتھ"، "لے گیا سائیں ساتھ"، "دیکھا خوب بار"، "ایسے ہمارے ہاتھ"، "سائیں کا درشن پایا"، "بھیجا پوتھی پریم کی"، "ناون دھرا تران" وغیرہ وغیرہ یہ سب ٹھیٹھ اودھی اور خالص کھڑی بولی کے ہیں۔ اسی طرح الفاظ، جملوں اور افعال کی ترکیب و ساخت پر اودھی یا عام پوربی رنگ بھی ہے۔ مثلاً "مون"، "کا"، "تون"، "ہوئے"، "دھوئے"، "جائے"۔ میری رائے میں مگہی اور بہاری اثرات صرف لفظوں کی ساخت میں ہیں۔ مثلاً "مانگے"، "پیم"، "سبھ"، "ابھی"، "جنھ"، "تن"، "کینھ"، "پیے"۔ الفاظ میں "ھ" کی آواز پر تاکید مشرقی ہند اور ایک حد تک مغربی ہندی کی خصوصیت بھی ہے۔ ہاں پنجابی، راجستھانی، بنگالی وغیرہ زبانوں میں "ھ" کی آواز گرتی ہے۔ "مانگ" اور "پیم" کے الفاظ مگہی، میتھلی اور بنگالی میں مروج ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر میں یہی سمجھتا ہوں کہ غفا کی زبان پر مغربی ہندی یا کھڑی بولی کا

Marfat.com

اثر نمایاں [illegible] غالب سے ملتا ہے

کوئی سودا ہے پھرا کوئی جنوں ہے [illegible]

مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اشعار ریختہ میں [illegible] اور مگدھی زبان میں فارسی اور عربی الفاظ کے [illegible] باطن، معراج، نمازی، صورت، سمندر، غوطہ، مشرک، قرآن [illegible] اور ساتھ ہی ساتھ نئی ہند آریائی بولیوں کے اندر سنسکرت کے [illegible] استعمال بھی ہوا ہے۔ مثلاً: سنسار، جگ، پاپ، پرگٹ [illegible] غفا کی زبان اردوئے قدیم کے دور وسطیٰ کا نمونہ ہے۔

غلام نقشبند سجاد

(۱۱۱۶ھ تا ۱۱۸۳ھ)

آپ کا نام محمد سجاد اور خطاب غلام نقشبند تھا۔ [illegible] کے صاحبزادے اور حضرت شاہ مجیب اللہ پھلواروی [illegible] پھلواری، متصل عظیم آباد ۱۱۱۶ھ عہد عالمگیر میں پیدا ہوئے [illegible] شاہ عالم میں وفات پائی۔ حضرت شاہ مجیب اللہ پھلواروی [illegible] پھلواروی، میرے چھوٹے بھائی تھے۔ اول الذکر [illegible] ان کے خلیفہ بھی۔ شاہ عماد کے انتقال کے وقت جناب سجاد [illegible] تھی۔ جب بڑے ہوئے تو آپ کی شادی شاہ مجیب اللہ کی [illegible] سجاد کی طرح حضرت شاہ آیت اللہ جو ہر بھی شاہ مجیب اللہ [illegible] تذکرہ بعد میں آئے گا۔ شاہ مجیب اللہ پھلواروی کا مزار [illegible] میں اب تک مرجع خاص و عام ہے۔

حضرت سجاد پھلواروی نے فارسی اور اردو دونوں میں شعر [illegible] کلام قدامت کے لحاظ سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ آپ کا کلام [illegible] عمادی پھلواری کے ذریعہ حاصل ہوا اور رسالہ معاصر پٹنہ میں چھپا [illegible]

Marfat.com

بجی زار عظیم آبادی مؤلف تاریخ شعرائے بہار نے مندرجہ ذیل کلام نقل کیا ہے۔

صدقے ترے ساقیا آج لگا دے سبیل
واردِ میخانہ ہے زاہدِ پرہیزگار
آپ الگ ہیں خفا دل ہے جدا بے کہا
آپ ہی ٹک سوچئے کیا کرے سجّاد زار

(تاریخ شعرائے بہار بلخی ص۲۲)

رسالہ معاصر، پٹنہ، ماہ نومبر ۱۹۴۱ء میں حضرت سجّاد کا جتنا کلام شائع ہوا تھا وہ درج ذیل ہے:

(۱)

دم بھی گھوٹے ہے غم ستی نکلے نہیں ہے جان بھی — ہائے زمین سخت ہے، دور ہے آسمان بھی
ایسے ہی غیروں کے تئیں کہدیو اپنے جان نثار — لاؤ گے قتلگہ کے بیچ، لیوگے امتحان بھی
بیچ تمہارے جمع ہے، رنگ جلال و ہم جمال — آنکھ ستی ستم شعار، دل ستی مہربان بھی
ہووے جو اختتام وہ جب کہیں ہووے یہ بھی ختم — قصّہ غم پر رہا، ہجر کا داستان بھی
آج وہ اپنے گھر ستی، نکلے ہیں فاتحہ پڑھے — جبکہ نہ میری قبر کا باقی رہا نشان بھی
ہووے ہزار جی پہ غم شرط وفا یہ ہے مگر — آنکھیں بھی خشک ہی رہیں، بند ہے زبان بھی
تم ہی تو ہو ہماری جاں، تم ہی ستی تو ہے جہاں — کیونکہ نہ ہم منادیں خیر جان ہے تو جہان بھی
جی کے تئیں دبا کے واں جاویں کسو طرح سے پر — منہ ستی اون کے روبرو ہو سکے ٹک بیان بھی

سجدہ گذارِ آستاں تیرا غلام نقشبند
رحم کا خواستگار ہے، رحم ہے تیری شان بھی

(۲)

بیداد کون جانے ہے، بیداد کے تئیں — صیّاد مت کہو مرے صیّاد کے تئیں
گلچیں سے بڑھ کے جانے نہ صیاد کے تئیں — اتنا جتا دو مرغ چمن زاد کے تئیں
جنت ہی کی ہوس نہ تھی آخر وہ شیخ جی — دوزخ میں جو کہ لے گئی شداد کے تئیں
آساں نہیں تجھ ایسے کی تصویر کھینچنی — آئینہ کو نہ دیوے یہ بہزاد کے تئیں
غم خوش رہے کہ ایک یہی تو فراق میں — رکھتے ہے شاد خاطرِ ناشاد کے تئیں

Marfat.com

کیسے ہو آج کوئی مسلمان دیندار — جب لوگ دین سمجھے ہیں الحاد کے تئیں
ہیں طفل اشک مردمِ دیدہ کے نورِ چشم — ٹپکے ہے کون خاک پہ اولاد کے تئیں
عارض گلاب، زلف ہے سنبل، تو نرگس آنکھ — گلشن ہی ہم تو پاویں ہیں صیاد کے تئیں
طوفان اشک اور جوانی کی تاؤ، ہائے!
سمجھا دو ٹک کوئی مرے سجّاد کے تئیں

(۳)

جب موسمِ گل آن کے تائید کرے ہے — تب جوشِ جنوں عقل کی تردید کرے ہے
پرویز و قیس، وکو بکن و وامق و مجنوں — جو ہے وہ مری بات کی تقلید کرے ہے
اُٹھے گا یہاں پھر نہ کبھی شورِ تمنّا — دل بیچ یہی یاس اب امید کرے ہے
جو بیچ محبت کے فنا ہووے ہے اے دل — حاصل وہی تو ہستیٔ جاوید کرے ہے
جس روز کہ پہنچے ہے نئی کوئی مصیبت — اُس روز ترا خوگرِ غم عید کرے ہے
رکھّے ہے جبیں در پہ ترے گنبدِ گرداں — سجدہ ترے دروازے پہ خورشید کرے ہے
گردِ سُمِ رہوار ترا پہونچے ہے جس جا — ہیبت سے وہاں خنگِ قمر لید کرے ہے
قاصد کے تئیں چاہیے کہدے جو کہن ہیں — کیوں اپنی طرف سے کوئی تمہید کرے ہے
سجّاد، جو سمجھا ہے خود اپنے تئیں موجود
وہ فہم نہیں، معنیٔ توحید کرے ہے

(۴)

ہجر کی رات بہت بھاری ہے — عشق کی بات بہت بھاری ہے
بھیج دیویں نہ کلیجا اپنا — یہ ہی سوغات بہت بھاری ہے
اُلٹی جاوے ہے بساطِ دل اب — ایسی تو مات بہت بھاری ہے
نامۂ شوق کا آیا یہ جواب — اب ملاقات بہت بھاری ہے
نفی کے بعد ہے اثبات صحیح — خالی اثبات بہت بھاری ہے
کل جو بوجھا تھا بہت ہی ہلکا — آج میہات بہت بھاری ہے
خوگرِ غم سے تسلّی بھی سجّاد
غم مافات بہت بھاری ہے

Marfat.com

(۵)

جو گھڑی جاوے گذر دو رسنے و جام کے بیچ — یہ از عمر خضر گردشِ ایام کے بیچ
خوگر غم کے نہیں یاد بھی آوے ہے — لطف رنج جو تھا مدت آرام کے بیچ
بیچ اوان اکھڑیوں کے اُسے ہے ایسی مستی — موج مے جوش کرے جیسے کبھو جام کے بیچ
مجھ سی سن لے ارے نام و نشاں کے طالب — بے نشانی ہی رہے ہے ہوس نام کے بیچ
یا تو اس کے بیچ وہ گل مل کے ہوئی یاس کے رنگ — کوئی حسرت جو رہی تک دل ناکام کے بیچ
دل ہی جاتے ہے جو ہووے ہے ادا خاص اُن کی — عالم جلوہ فروزی میں سر بام کے بیچ

جب سنی اوس بت خود کام ستی کام پڑا
جی نہیں بھلے ہے سجاد کسو کام کے بیچ

(۶)

میاں خدا کو پاوے کوئے — جب خود کو یا خودی کو کھوئے
ہوش و خرد رکھے جو کوئے — تجھ مکھڑے پر عاشق ہوئے
جی جو نہ دیکھے کاہے کو رے — بیٹھا بیٹھا سسکے روئے
دُنیا ہے عقبیٰ کا کھیت — وہ کاٹے دہقاں جو بوئے
خاک آوے عاشق کے نیند — دل تڑپے تو کیسے سوئے
ہم تو کیا جو کرے کو تھا — اب صاحب جو ہوئے سو ہوئے
تمرے تئیں بھی ہووے عشق — تب بتلا دو کیسا ہوئے

قطعہ

پڑھے عاشق جب کہ نماز — دیر طرف مُنہ اوس کا ہوئے
بیچ وضو کے جی ستی ہاتھ — آنسو ستی وہ مُنہ کو دھوئے
نالہ تم کھینچو سجاد
اب چاہے کچھ ہوئے نہوئے

(۷)

مری حسرتیں دل میں گھبراتیاں ہیں — نکلنے کی راہیں نہیں پاتیاں ہیں
تری مست آنکھوں کی یہ پُتلیاں تو — تماشا قیامت کا دکھلاتیاں ہیں

Marfat.com

اُدھر بدلیاں ہیں ، اِدھر میری آنکھیں
وہ پانی تو یہ اشک [illegible]

سلاح اپنی آنکھوں کی اے دل نہیں کیا
کوئی کام کا [illegible]

خدارا بتادیں تو ہم کو سائیں
کہاں [illegible]

ارے پاس یہ حسرتیں ہیں جو میری
[illegible]

نہیں جو کہ تیرِ بلا کا نشانہ
فقط اہلِ دل [illegible]

سرِ بزم دکھلادیں ہیں بسلہ خوشی
وہ آنکھیں جو [illegible]

اُمیدیں جو میساں ہیں میرے دل میں
[illegible]

سُنا ہوں کہ اکثر نگاہیں تمہاری
مرے قتل کے [illegible]

مُوا جائے سجّاد ہے جن کے غم میں
وہ شکلیں نگاہوں میں پھرتی آتیاں ہیں

(۸)

بھٹی کو چلا کیا ہوتے سحر پوچھو تو کوئی بیداد سے
[illegible]

ٹک میری طرف سے باد صبا جا کر کہہ صیاد سے
[illegible]

[illegible]

تنہائی فرقت میں کیا کیا اپنا نہ یہ دل گھبراوے ہے
[illegible]

جب آگ دھند تکتی ہو اس پر ست چھینٹو [illegible]
[illegible]

اے باد سحر اے موج صبا ، لے جلد ہماری آنے خبر
[illegible]

[illegible] ہے اوس نے ، دل میرا کعبہ ہے ، گھر اللہ کا ہے
[illegible]

جو دیکھ کے ہم کو ہاتھ ملے ، پچھتاوے اور افسوس کرے
بتلاؤ کوئی کریں شکوہ کیا ایسے ستم ایجاد سے

Marfat.com

مٹانا تو بہت ، اب جاویں گے ، ہرگز نہ کسو کے کوچے میں
ہر بار مگر مجبور رہے ہم اپنے دل ناشاد ستی
توڑا ہے وہ کب کا تقویٰ کو بھٹی میں تو اوس کی گذرے ہے
سجّادہ و مسجد کی بابت مت پوچھو کچھ سجّاد ستی

(۹)

سمجھاؤں ہوں یہی دلِ ناکام کے تئیں
آغاز بیچ سوچ لے انجام کے تئیں
چرخِ بریں فرود ہے زینے ستی ترے
بولیں ہیں عرش لوگ ترے بام کے تئیں
کیا جاوے گا بگڑ کہیں قدرت کا ہاتھ ٹک
دیوے پلٹ جو گردشِ ایّام کے تئیں
سودا کرے ہے غم کا جو بازارِ عشق بیچ
سو دُکھ کے بھاؤ بیچے ہے آرام کے تئیں
واعظ سُناوے سدرۂ طوبیٰ کی گفتگو
ہم چاہیں اپنے سرو گل اندام کے تئیں
بولے ہے شیخ مجھ ستی ساقی کو کہدو تم
ایدھر کو بھی بڑھاوے کسو جام کے تئیں
زاہد کرے ہے کعبۂ میخانہ کا جو حج
رنگے ہے مئے میں جامۂ احرام کے تئیں
بھاوے نہیں ہے شیخ کی صحبت یہ میکشو
بیٹھا دو ساتھ مت کسو بدنام کے تئیں
سجّاد کا ہے کھینچے ہے تو آہ نارسا
توڑے ہے کوئی بھی ثمرِ خام کے تئیں

(۱۰)

جب چال چلے انڈ لاوے ہے
جب بولے تب اتراوے ہے
میں دل کو یوں سمجھاؤں ہوں
گھبراوے مت. وہ آوے ہے
اندھیارے میں جگ مگ، جگ مگ
کچھ دور ستی دکھلاوے ہے
جی دیوے کا ہے بھوک ستی
عاشق بیٹھا غم کھاوے ہے
اِک دم پیلا ، ہڈی ہڈی
پہچان بھی کوئی پاوے ہے
فرقت بھی ترے دیکھا دیکھی
اب میرے تئیں تڑپاوے ہے
بن بن جو پھرے مارا مارا
سجّاد وہی کہلاوے ہے

(۱۱)

یہ بولے کہ کیا رہے گھر میں بھی کوئی کہ نہیں
ملے حضور سے اب در میں بھی کوئی کہ نہیں

جنون عام ہے ایسا بہار سے پوچھو
کہ رہنے پا دیگا اب گھر میں بھی کوئی کہ نہیں

تھی اوس کے فوج بھی، نوکر بھی اور چاکر بھی
گیا مزارِ سکندر میں بھی کوئی کہ نہیں

سُنا تو وامق و فرہاد و قیس کے قصے
مُوا ہے عشق پیمبر میں بھی کوئی کہ نہیں

اُڑے جہاں میں لاکھوں کے مُرغ جاں لیکن
ہے دامِ زلف معنبر میں بھی کوئی کہ نہیں

غریب جان کے سجّاد کو جو مارے ہو
تو تم سے پوچھے گا محشر میں بھی کوئی کہ نہیں

(۱۲)

زہد ریا سے زاہد توبہ نہیں کرے ہے
نادان اپنے حق میں اچھا نہیں کرے ہے

کچھ بن کہیں پڑے ہے، دل کی ہوس کے آگے
اپنے تو جانتے یہ کیا کیا نہیں کرے ہے

یوں ڈوبتا جو ہووے دریا کے بیچ کوئی
غرّاک بیٹھا بیٹھا دیکھا نہیں کرے ہے

ہوجاوے ہے محبّت خود اپنے آپ ناصح
کوشش سے تو کوئی پیدا نہیں کرے ہے

سجّاد یاد آیا تو بیٹھے بیٹھے بولے
اب کوئی در پہ آکے رویا نہیں کرے ہے

رسالہ نگار، لکھنؤ، بابت ماہ جنوری ۱۹۳۵ء کے حوالہ سے پروفیسر معین الدین دردائی نے اپنی کتاب "بہار اور اُردو شاعری" کے صفحہ ۱۶ و ۱۷ پر سجّاد کی وہ غزل درج کی ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے ؎

بھٹی کو چلا ہوتے ہی سحر پوچھو تو کوئی سجّاد ستی
تھا رات تلک تو کام اُس کو اشغال ستی اوراد ستی

یہ غزل معاصر میں بھی شائع ہوئی ہے۔ اشعار کی تعداد برابر ہے لیکن ردیف میں خفیف اختلاف پایا جاتا ہے۔

بعض افراد سجّاد اور عماد کے کلام کو قابل اعتماد نہیں سمجھتے لیکن یہ غلط ہے وہ سب اصلی ہیں۔ حکیم شعیب صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ حضرت نواب اسحٰق خاں پھلواروی نے حضرت سجّاد کے کلام کی نقل کی تھی۔ خاں شاہ نجیب اللہ پھلواروی

Marfat.com

کے پوتے اور حضرت سجّاد کے داماد تھے۔ نورالحق تپاں کی تحریریں خاندانی دستاویزات میں ملتی ہیں اور پھلواری کے شاہ صاحبان میں معروف ہیں۔ میں نے اور پروفیسر عسکری صاحب نے بھی تپاں کی تحریریں حکیم شعیب صاحب مرحوم کے پاس دیکھی ہیں۔ تپاں کے بہت سے خود نوشت مرثیے پھلواری میں موجود ہیں اور ہم نے دیکھے ہیں۔ پھلواری کے مرثیوں کا کلام ہرگز الحاقی نہیں۔ اگر تذکروں میں ان میں سے بیشتر کا ذکر نہیں، تو تذکرہ نگاروں کی نارسائی ہے۔ اب جو مخطوطات و مسوّدات ہمارے سامنے آرہے ہیں، نورالحق پر سے پردے اٹھ رہے ہیں۔ داخلی شہادت بھی کوئی ایسی نہیں جس کی وجہ سے ہم انہیں جعلی یا الحاقی سمجھیں۔ بزرگوں کے کلام کو شاہ نعمت اللہ (۱۱۶۰ھ تا ۱۲۲۹ھ) پھلواروی نے بھی مرتب کیا ہے۔ قدیم منقولات بھی موجود ہیں اور بعد میں ان قدیم منقولات سے نقلیں ہوئی ہیں۔ حکیم شعیب صاحب مرحوم نے شواہد کے ساتھ مبرہن اور پروفیسر حسن عسکری صاحب کے سامنے اس مسئلہ پر تشفی بخش روشنی ڈالی تھی اور ہم مطمئن ہو گئے تھے۔ حضرت عبّاد اور حضرت سجّاد کے کلام کے مخطوطات یا منقولات پھلواری سے باہر اب تک دستیاب نہیں ہوئے۔

○

حضرت بی بی ولیہ متوفی ۱۱۳۹ھ

حضرت بی بی ولیہ بنت سیّد شاہ عزیز الدین اجہری شاہ آیت اللہ شورش (جوہری و مذاقی) کی والدہ ماجدہ تھیں۔ شاہ محمد مخدوم کی پہلی شادی ولیہ سے ہوئی تھی جس سے صرف ایک صاحبزادے شاہ آیت اللہ ہوئے۔ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۱۳۹ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ بڑی زاہدہ و مرتاض تھیں اور علم تصوّف میں دستگاہ رکھتی تھیں۔ اُن کے معلومات و مکاشفات اُن کے وقت ہی میں بہت شہرت پا چکے تھے۔ جس کے متعدد مجموعے پھلواری کے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں۔ عربی کی تھوڑی اور فارسی کی بہت معقول لیاقت رکھتی تھیں۔ حضرت مولانا محمد وارث رسول نما بنارسی قدس سرہٗ کی شان میں اُن کا ایک مشہور قصیدہ ہے، جس کا مطلع ہے ؎

Marfat.com

ندانم کہ در روز محشر کہ باشد
کہ جرم و گناہم گذشتہ است از حد

اُردو میں دو ہوں کے وزن پر ان کے بعض اشعار بہت مشہور ہوئے۔

کون ہستی تدبیر بنا دیں اون اپنے کرن ہمکو بلا دیں
حضرت کی ڈیوڑھی جو پا دیں سیر جھکا کے آنکھ لگا دیں

مدیم بہار نمبر ۱۹۳۵ء میں "شاعرات بہار" ایک گرانقدر مقالہ میں بہار کی
احمد تقی بہاری سابق مدیر رسالہ "مورخ سیتم" پٹنہ (حال مقیم کراچی) نے
پروفیسر [illegible] نے اپنی کتاب کے لیے اس مقالہ سے بھی مواد لیا ہے۔

(بہار نمبر [illegible])

لالہ اُجاگر چند اُلفت

لالہ اُجاگر چند اُلفت، پسر مہابلی، متوطن عظیم آباد، قوم کا [illegible]
تھے کیا کہ پہلے غربت تخلص کرتے تھے۔ پروفیسر حسن عسکری اُلفت اور غربت تخلص کے
[illegible] سے اُلفت کی مشابہت کی وجہ سے اشتباہ پیدا ہوا [illegible]
شاگرد تھے۔ فارسی و اُردو دونوں میں کہتے تھے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے [illegible]
فارسی میں ہندوؤں کا حصہ میں بھی اُلفت کا مختصر تذکرہ درج ہے۔ [illegible]
غزل پروفیسر عسکری صاحب کی تلاش و جستجو سے ملی ہے۔ [illegible]
یہ غزل کسی شخص کو خط کے ساتھ بہ نظر اصلاح بھیجی گئی تھی۔ خط ان کے [illegible]
مکاتیب میں ہے۔ جس کے کچھ منتشر اوراق ملے ہیں۔ اس [illegible]
لیکن ایک خط جو اس کے قریب ہے فخر الدولہ ناظم بہار کے نام ہے [illegible]
کتابت ۲۵ شعبان [illegible] مطابق [illegible] نواب [illegible]

[illegible] قلمی [illegible] خوشنویس [illegible]

دسمبر ۱۹۵۳ء [illegible] اُجاگر چند اُلفت [illegible] عسکری [illegible]

Marfat.com

۴۲-۱۱۳۷ھ / ۳۰-۱۷۲۵ء ہے۔ یہ نواب صوبہ بہار میں سلاطین مغلیہ کا آخری صوبہ دار تھا ۱۱۶۲ میں معزول ہوا۔ بہار، بنگالہ میں شامل کر دیا گیا اور مشرقی صوبہ داروں کی منصوبہ بازیوں کی آماجگاہ بن گیا۔ سلطنتِ مغلیہ میں بھی اتنا دم نہ تھا کہ ناظموں کی خود سری کی روک تھام کر سکے۔ بعد ازآں فتنۂ فرنگ نے عظیم آباد کو شہرِ "فتنہ" پٹنہ بنا دیا۔

اُلفت کا نمونۂ کلام ملاحظہ ہو :

خلوت نشین غم کون تماشا سین کام کیا — مخمور جام عشق کو صہبا سین کام کیا
دیوانۂ محبّتِ بے اختیار کون — تکلیف حال صحبت دانا سین کام کیا
مستِ مئے الست کو ہے تشنۂ دگر — جام شراب کہنہ و مینا سین کام کیا
آباد باد ملک قناعت و مردمی — ویرانۂ خرابی دُنیا سین کام کیا

" "

پَرورده آفتاب محبّت کون روزِ حَشر — باغ نعیم و سایۂ طوبیٰ سین کام کیا
جس کو ہے داغ سینہ و آتش تمام دل — سیر گل و تفرج لالہ سین کام کیا
لیا متاع دل کا کفِ اختیار سون — سودائے عشق ہے سرِ سودا سین کام کیا

" "

" "

یارب غریب ملک معانی کو رہ نما — شکل مہیب وصورت زیبا سین کام کیا

رسالہ معاصر میں پندرہ اشعار شائع ہوئے ہیں۔ میں نے آٹھ اشعار نقل کیے ہیں۔ اس غزل میں فارسیت کا غلبہ ہے۔ بعض مصرعوں میں کاتب کا تصرف معلوم ہوتا ہے اور اس وجہ سے ناموزونیت جا بجا ملتی ہے۔ مکتوبات کا ــــ کوئی دوسرا نسخہ نہیں کہ مقابلہ کر کے تصحیح کی جا سکے۔ پروفیسر عسکری صاحب کو چند منتشر اوراق جو اُلفت کے چند ابتدائی خطوط اور ایک نادر غزل ریختہ پر مشتمل ہیں، ملے ہیں اور ایک دوسرا مجموعۂ مکاتیب یعنی انشائے اُلفت (فارسی) جس میں ۱۱۶۲ھ تک کے خطوط شامل ہیں اور اُلفت کے ایک ناقص دیوان فارسی کا قلمی نسخہ دستیاب ہوا ہے۔

نوٹ : آغا حسین قلی خان عاشقی تذکرۂ نشترِ عشق میں لکھتے ہیں کہ اُلفت

Marfat.com

"از سکنۂ عظیم آباد بود" لیکن سفینۂ خوشگو میں ہے کہ "از مدتے در عظیم آباد ماند" غالباً وہ اوائل عمر میں اپنے والد کے ساتھ دہلی سے پٹنہ آئے۔ ان کے بھائی حکیم چند دلّی ہی میں رہے۔

ایک اور اُلفت تھے۔ منشی منگل سین۔ باشندہ عظیم آباد۔ قوم کائستھ شاگرد جرأت۔ دوسرے تھے۔ اُلفتؔ، راجہ پیارے لال۔ دہلی سے عظیم آباد آئے۔ منگل سین کا شعر ہے ؎

ہر قدم پر یاں تلک آنے میں سو سو ناز ہے
کیونکہ گھر جانے لگے شام و سحر دو چار کے

(تذکرۂ شعرائے بہار)

مہاراجہ رام نرائن موزوںؔ (متوفی [illegible])

مہاراجہ رام نرائن دیوان رنگ لال کے بیٹے اور قوم کا [illegible] تھے۔ اُن کا آبائی وطن سہسرام ضلع [illegible] میں کشمی پور موضع [illegible] تاریخ [illegible] ہے۔ مختلف عہدوں پر فائز رہنے کے بعد [illegible] عظیم آباد و بہار پر فرماں روائی کرتے تھے۔ ان کی [illegible] متوسلین میں تھے اور رام نرائن لال کو [illegible] والد کی جگہ دیوان بھی [illegible] کے بعد [illegible] کی صوبہ داری میں [illegible] علاقہ بنگال و بہار و اڑیسہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

میں دربار اور قلعہ کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ہر طرف تفتیش، افترا پردازی اور سازشوں کا بازار گرم تھا۔ کلائیو، ایسٹ انڈیا کی طرف سے فریب، جعلسازی، دجل و مکر میں لگا ہوا تھا۔ سلطنت دہلی کمزور ہو کر شکست و ریخت اور بغاوتوں کا شکار ہو رہی تھی۔ انگریز ہر طرف لوٹ مچا رہے تھے۔ اور سلطنت پر قبضہ کرنے کی تاک میں لگے ہوئے تھے۔

جب سراج الدولہ نے والئ پلاسی، شوکت جنگ کے خلاف چڑھائی کی تو نام نہاد وفادار امراء نے عظیم آباد کی فوج کے ساتھ نواب کی مدد کی۔ نواب سراج الدولہ کو اس لئے ان سے پہلے سراج الدولہ کلکتے کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ ایسٹ انڈیا کمپنی والوں کا علاج کریں۔ انہوں نے انگریزوں کو شکست فاش دے کر کلکتے پر قبضہ کر لیا۔

کرنل کلائیو نے مدراس سے آکر کلکتہ کی شکست کا بدلہ لیا۔ چندن نگر پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ سراج الدولہ نے تاوان دینا قبول کر لیا لیکن کلائیو کی یلغار جاری رہی۔ اس زمانہ میں انگریز اور فرانسیسی بھی رہتے تھے۔ نواب کے پاس چندر نگر کے شکست خوردہ فرانسیسی افسر پناہ گزین تھے۔ کلائیو نے اعتراض کیا تو بھی لا فرانسیسی کو اپنی جماعت کے ساتھ عظیم آباد روانہ کیا گیا۔

ادھر یہ حال تھا کہ میر جعفر کو نواب سراج الدولہ نے فوج کی بخشی گری سے نکال دیا تھا۔ اور دوسرے اہل اقتدار بھی سراج سے بیزار تھے۔ کلائیو تو نواب کے استیصال کی فکر میں تھا۔ سب نے مل کر سراج کے خلاف دجالی منصوبہ باندھا۔ کلائیو مختصر سی فوج لے کر پلاسی چلا آیا۔ نواب کے لشکر کے مقابلہ میں اس کے مخالفوں کا گروہ بہت ہی حقیر تھا۔ لیکن نواب کی فوج اور عہدہ دار میر جعفر کی سازش میں تھے۔ کلائیو نہایت آسانی سے کامیاب ہوا۔ (۲۳ جون ۱۷۵۷ء)

نواب سراج الدولہ، پلاسی سے نکل کر عظیم آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ راہ میں ایک مکار پیر دانا شاہ نے انہیں مہمان رکھ کر بھی میر جعفر کے داماد میر قاسم کے حوالے

لہ ۲۰ جون ۱۷۵۷ء۔ تاریخ گواہ۔ فصیح الدین بلخی بحوالہ سیر المتاخرین۔ و یاض السلاطین۔

کر دیا۔ میر قاسم نے نواب کو میرن پسر میر جعفر کے پاس مرشد آباد بھجوا دیا، جہاں نواب سراج الدولہ ،بے دردی سے قتل کر دیئے گئے۔ میرن نے نواب کی ماں ، خالہ ، بھائی اور معصوم بچے کو بھی قتل کر دیا۔ (۴، جولائی ۱۷۵۷ء[1])۔ راجہ رام نرائن سراج کی بالکل مدد نہ کر سکے۔ اور جلد ہی انگریزی فوج عظیم آباد میں متعین کر دی گئی۔

پلاسی کے بعد میر جعفر نواب بن بیٹھا۔ کلائیو نے خوب خوب رشوت لے کر میر جعفر کی مدد کی۔ علامہ اقبال نے اسی جعفر کے متعلق کہا ہے ؎

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ ملت ، ننگِ دیں ، ننگِ وطن

بنگالے میں حکومت قائم ہو جانے کے بعد میر جعفر نے راجہ رام نرائن کو مطیع کرنے کے لیے عظیم آباد دلجوئی کے خطوط لکھے۔ یہاں راجہ سُندر سنگھ (ٹکاری) اور دوسرے اُمراء و رُؤسا نواب سراج الدولہ کے خون کا بدلہ لینا چاہتے تھے مگر حالات اتنے غیر یقینی تھے کہ راجہ موصوف نے کوئی کارروائی نہ کی اور اپنے حفظ و بقا کے لیے ساز باز کرتے رہے۔

میر جعفر ۱۷۵۸ء میں عظیم آباد آیا اور چند دن عیش و عشرت میں بسر کیے۔ اس نے راجہ رام نرائن سے صوبے کے مداخل کا محاسبہ کیا۔ مگر راجہ نے برطرفی کے ڈر سے پہلے ہی کلائیو کی مدد حاصل کر لی تھی ، لہٰذا بچ گئے۔

۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء میں شاہزادہ عالی گوہر (جو بعد کو شاہ عالم بادشاہ ہوا) نے عظیم آباد پر حملہ کیا۔ شہزادے کے آنے سے راجہ رام نرائن بہت گھبرائے۔ وہ شکنجے میں گرفتار تھے ایک طرف میر جعفر اور انگریز تھے۔ دوسری جانب شاہزادہ عالی گوہر ولیعہد سلطنت۔ اُنھوں نے انگریزی فوج متعینہ عظیم آباد کے افسر میجر کوٹ سے بھی مشورہ کیا۔ اور شہزادے کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ اُس طرف میر جعفر اور کلائیو کی فوج راجہ رام نرائن کی کمک کو آ رہی تھی۔ یہ معلوم کر کے راجہ رام نرائن قلعہ بند ہوئے اور لڑنا شروع کیا۔ شہزادے کی مدد میں محمد قلی خاں صوبہ دار الہ آباد تھے۔ ان کی غیبت میں

---

[1] تاریخ مگدھ، فصیح بلخی ص۲۳۵۔ بحوالہ سیر المتاخرین جلد ۲ ص۲۸۶ تا ص۲۸۸ و ریاض السلاطین ص۲۰۰۔

Marfat.com

شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ نے قلعہ آباد پر قبضہ کرلیا اور اس گھبراہٹ میں محمد قلی خاں مین دوران جنگ عظیم آباد، الہ آباد کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور شاہزادہ علی گوہر نے لڑائی ملتوی کردی۔

شہزادہ علی گوہر عالمگیر ثانی کے بعد شاہ عالم کے لقب سے بادشاہ ہندوستان ہوئے۔ لوگ میر جعفر اور اس کے بیٹے میرن کی حرکات سے بیزار تھے۔ انہوں نے بادشاہ کو دوبارہ حملہ پر اُبھارا۔ راجہ رام نرائن سے دوبارہ لڑائی ہوئی۔ گھمسان کا رن پڑا۔ کپتان کاکرین راجہ کی مدد کررہا تھا۔ اس لڑائی میں کامگار خان نے راجہ کے ہاتھی سے اپنا گھوڑا ملادیا، اور اتنے تیر اور نیزے مارے کہ راجہ کو اپنی دانست میں مار ڈالا۔ لیکن راجہ رام نرائن نے زخمی ہوکر ہودج کے اندر اپنی جان بچائی۔ اس جنگ میں انگریزوں اور راجہ کو شکست فاش ہوئی۔ مگر بادشاہ نے گرفتاروں کو ازراہِ نوازش معاف کردیا۔ بعدازآں بادشاہ نے بنگالہ کا رُخ کیا۔ شاہ عالم بادشاہ تھوڑی دُور ہی گئے تھے کہ میرن اور انگریزوں کی فوج سے مقابلہ ہوگیا۔ انگریزی فوج نے شاہی فوج کو توپ خانہ سے پسپا کیا۔ بادشاہ عظیم آباد کی طرف واپس ہوگئے۔ یہاں کا رنگ پھر دگرگوں ہوچکا تھا۔ راجہ رام نرائن اور راجہ شتاب رائے انگریزوں سے مل گئے۔ قلعہ عظیم آباد کا پھر محاصرہ ہوا اور شہر فتح ہوتے ہوتے رہ گیا۔ انگریزوں کی کمک پہنچی۔ شاہی فوج پیچھے ہٹ گئی (۲۹، اپریل ۱۷۶۰ء)۔ لیکن خادم حسین خاں فوجدار پورنیہ عظیم آباد کے سامنے گنگا کے اُس پار آپہنچے تو راجہ رام نرائن کھُل کر جنگ کرنے سے گریز کرتے رہے۔ اُنھوں نے راجہ شتاب رائے کو بھی کپتان ناکس کا ساتھ دینے سے منع کیا۔ تاہم شتاب رائے نے کپتان مذکور کا ساتھ دیا۔ دریا پار جاکر جنگ کی اور کامیاب ہوئے۔

میر جعفر کی معزولی کے بعد میر قاسم کو انگریزوں نے بنگال، بہار و اڑیسہ کی مسند نظامت پر بٹھایا ۱۱۷۴-۷۸ھ / ۱۷۶۱-۶۴ء۔ اس زمانہ میں انگریزوں نے شاہ عالم بادشاہ سے صلح کی۔ مہاراج شتاب رائے بیچ میں پڑے۔ اور بادشاہ بہ نفس نفیس شہر عظیم آباد تشریف لائے اور انگریزی کوٹھی میں تخت نشینی کا انتظام ہوا۔ میر قاسم ناظم بنگالہ

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ ص ۲۶۳۔ [2] گلزار باغ۔ اس عمارت میں فی الحال سرکاری چھاپہ خانہ اور سروے آفس ہے۔ جلوس ۱۲، مارچ ۱۷۶۱ء۔

Marfat.com

نے بھی حاضر ہوکر نذریں گذاریں۔ راجہ رام نرائن بھی شرف یاب ہوئے۔ بادشاہ کے تشریف لے جانے پر میرقاسم نے راجہ رام نرائن سے صوبے کے محاصل کی حساب طلبی شروع کی۔ بعض خیانتوں کا پتہ چلا۔ راجہ صاحب قید کردیئے گئے۔ سات لاکھ روپے اور جنس گھر سے برآمد ہوئی۔ دوسرے مجرمین بھی محبوس ہوئے۔ راجہ شتاب رائے بھی لپیٹ میں آئے۔ وہ بے قصور تو ثابت ہوئے مگر انگریزی کونسل نے انہیں میرقاسم کی حکومت سے نکل جانے پر مجبور کیا۔ میرقاسم نے ان سے عظیم آباد کی دیوانی اور رہتاس کی قلعہ داری لے لی۔[1]

تھوڑے ہی دنوں میں نواب میرقاسم عالی جاہ کی انگریزوں سے بگڑ گئی۔ وہ انگریزوں کی دخل اندازی، بے عنوانی، بددیانتی، غارت گری اور غداری کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ لیکن خود ہندوستانی اُمرار انگریزوں سے سازش کررہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میرقاسم کی مقصد برآری نہ ہوسکی اور وہ نامُراد و پریشان حال تباہ برباد ہوئے۔

نواب عالی جاہ نے راجہ رام نرائن وغیرہ کو پہلے سے قید کررکھا تھا۔ انگریزوں سے سخت لڑائی ہوجانے اور پیچیدگی و سازش بڑھ جانے سے حالات خراب تر ہوگئے میرقاسم عالی جاہ مونگیر سے عظیم آباد کی طرف فرار کرتے ہوئے آرہے تھے۔ اُنھوں نے باڑھ کے قریب پہنچ کر محبوسین کو غرق دریا، یا قتل کرادیا۔ راجہ رام نرائن کے گلے میں ریت سے بھرا گھڑا باندھ کر انھیں گنگا میں ڈُبا دیا گیا تھا۔[2] یہ واقعہ ۱۱۷۷ھ/۱۷۶۳ء میں گزرا۔

راجہ رام نرائن فارسی میں خوب کہتے تھے۔ ان کا مطبوعہ دیوان فارسی میں موجود ہے۔ شیخ علی حزیں کے شاگرد تھے۔ حزیں ۱۱۰۳ھ میں اصفہان میں پیدا ہوئے ۱۱۴۷ھ میں دہلی آئے اور ۱۱۷۸ھ میں بنارس میں انتقال کیا۔ راجہ صاحب ان کی مدد بھی کیا کرتے تھے۔ راجہ رام نرائن ریختہ بھی بہت صفائی سے کہتے تھے۔ لیکن اس زبان

---

[1] تاریخ گڈھ، فصیح الدین بلخی ص۳۵۵ بحوالہ سیرالمتاخرین جلد ۲ ص۳۹۴۔

[2] سیرالمتاخرین جلد ۲ ص۴۲۴، و ریاض السلاطین ص۲۸۵۔

Marfat.com

میں انھوں نے بہت کم شعر لکھے ہیں۔ میر حسنؔ نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے سراج الدولہ کے قتل پر صرف ایک شعر اُردو میں کہا تھا اور بس۔ لیکن اور تذکروں میں دوسرے اشعار بھی ملتے ہیں۔ مُلاحظہ ہوں :

ے غزلاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دِوانا مرگیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری (گذرا ؟)

(تذکرۂ میر حسنؔ)

ے کچھ گرانی نہیں مجھ کو وہ ستم گار کے ساتھ
دِل پگھل چو ہی پڑا اَشک سُبک بار کے ساتھ

(چمنستانِ شعرا)

ے اَبر ہوگا تو خجالت سیتی پانی پانی
مَت مقابل ہو مرے دِیدۂ خونبار کے ساتھ

(تذکرۂ گلزار ابراہیم)

تاریخ شعرائے بہار، بلخیؔ میں آخری شعر کو یوں لکھا ہے :

ے اَبر تو خود خجالت سے ہے پانی پانی
کب مقابل ہو مرے دیدۂ خونبار کے ساتھ (ص ۶۰)

معلوم ہوتا ہے کہ (کے ساتھ) کی ردیف اور "ستم گار"، "سُبک بار"، "خونبار" وغیرہ قوافی میں پوری غزل موزوںؔ نے لکھی تھی۔

ایک اور شعر موزوںؔ کا ہے ے

بھولی نہیں ہے مجکو بتوں کی اَدا ہنوز
دِل کے نگیں پہ نقش ہے نامِ خدا ہنوز

(تاریخ شعرائے بہار، ص ۶۰)

پروفیسر حسن عسکری صاحب کو پٹنہ سٹی کی ایک قلمی بیاض سے موزوںؔ کا مندرجہ ذیل دوہہ ملا ہے۔

جب میر قاسم راجہ رام نرائن کے باغ میں خیمہ زن ہوئے، اور اُن کے فوجیوں نے باغ کے درختوں کو نقصان پہنچانا شروع کیا، تو موزوںؔ نے برجستہ ایک

Marfat.com

ہندی دوہہ کہا ؎

اَمبا اَمرت پہل دیت ہیں سدا رہت ہیں مون
ناہرتے ناہرلے باگ بیرتے کون

جس وقت راجہ رام نرائن موزوں کو گنگا میں غرق کرنے کے لیے کشتی پر بٹھا کرلے جانے لگے، تو انھوں نے مندرجۂ ذیل اشعار پڑھے :

موزیوں کے قول پر ہرگز نہ کیجے اعتبار
جونک اگر مٹی ملے تو بھی لہو پیتی رہے
چادر تقدیر کی ہرگز رفو ہوتی نہیں
تا قیامت سوزنِ تدبیر گر سیتی رہے
بُلبلِ بے درد کو مطلب ہے کیا پروانے سے
وَصل میں مرجائے یہ، وہ ہجر میں جیتی رہے

یہ اشعار بھی پروفیسر حسنؔ عسکری صاحب کو مذکورہ بالا بیاض میں منقول ملے ہیں۔ غالباً یہ اشعار موزوںؔ کے نہیں سوداؔ کے ہیں، جو موزوںؔ کے حسب حال ہوگئے تھے۔

○

شاہ آیت اللہ جوہریؔ و مذاقیؔ

(۱۱۲۶ھ تا ۱۲۱۰ھ)

حضرت غلام سرور، المعروف بہ شاہ آیت اللہ پھلواروی اُردو اور فارسی دونوں زبان میں شاعری کرتے تھے۔ اِن کا فارسی میں "شورش" تخلص تھا۔ گارساں دتاسی غالباً غلطی سے "سوزش" لکھتا ہے۔ آپ مولانا شاہ محمد مخدوم کے بیٹے اور جانشین تھے۔ ۱۱۷۳ھ میں اپنے والد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ صاحب دیوان فارسی تھے۔ "جوہریؔ پھلواروی کا مختصر حال و کلام شورش و عشقیؔ کے تذکروں

۱؎ تاریخ شعرائے بہار، بلخی ص۲۴ و ص۶۳۔
۲؎ بہار کی اُردو شاعری، قاضی عبدالودود، صدائے عام۔ حیدرآباد ۱۹۵۳ء ص۱۰

Marfat.com

میں ہے۔ لیکن مفصل حال اور وافر کلام حکیم محمد شعیب صاحب نے اپنے تذکرے میں دیا ہے۔" جوہری کا اُردو کلام جو اَب دستیاب ہوتا ہے۔ اس میں مثنوی، مرثیہ، منقبت، شہر آشوب، اور قصیدہ ہے۔ مثنوی میں جوہری تخلص برتتا ہے۔ اور مرثیہ میں مذاقی۔ فارسی دیوان، جس میں تخلص شورش ہے، کلکتہ امپریل لائبریری میں موجود ہے۔ ؎

گردشِ چشمِ بتاں گردش جام ست اینجا
غیر ازیں بادہ دگر بادہ حرام ست اینجا

گریند ملایک ہمہ برحالتِ شورش گر نیم شبے آہ بہ گردون رود از دل

شاہ آیت اللہ حضرت شاہ مجیب اللہ پھلواروی کے داماد تھے۔ اس طرح اول الذکر شاہ سجاد پھلواروی کے ہم زُلف ہوئے۔ پھلواری شریف کے شعراء کا ایک "سلکِ مروارید" ہے۔ یہ سب ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ رُوحانی تعلق کے علاوہ ان کے جسمانی رشتے بھی ہیں۔ کبھی کبھی ان کے درمیان چشمکیں بھی چلتی تھیں مثلاً:

شاہ نورالحق تپاں، جو شاہ سجاد کے داماد تھے، اور غلام مخدوم ثروت، جو شاہ آیت اللہ کے شاگرد اور خلیفہ تھے، ان دونوں کے درمیان چشمک چلتی تھی۔ ملاحظہ ہو ذیل کا سلسلہ:

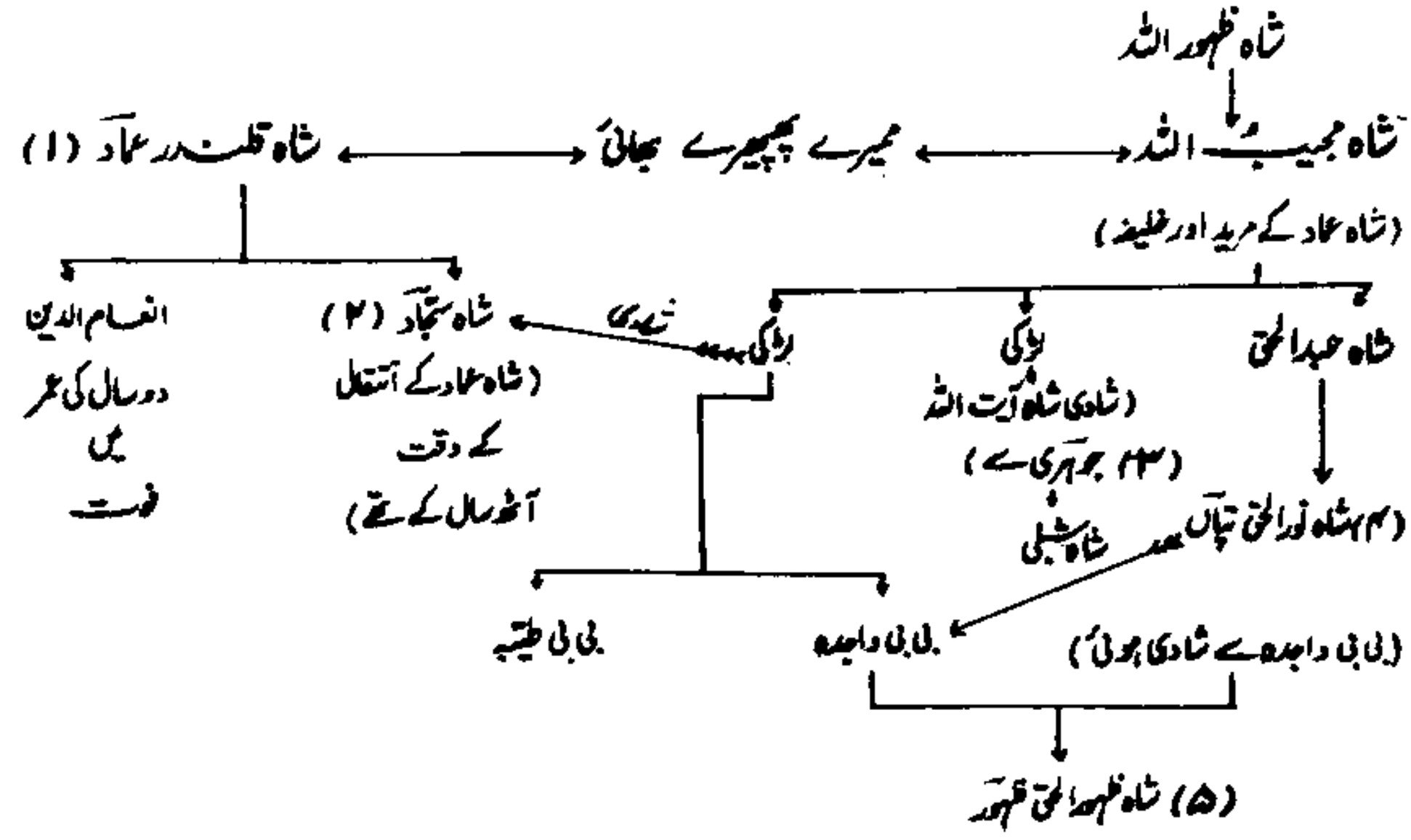

سلہ تجلیات الانوار، تذکرۂ شیوخ بہار۔

شاہ نُورالحق تپاںؔ بھی اپنے پھوپھا شاہ آیت اللہ جوہری سے فارسی میں اصلاح لیتے تھے اور ان کے شاگرد تھے۔

پروفیسر حسن عسکری صاحب، صدر شعبۂ تاریخ، پٹنہ کالج نے شاہ آیت اللہ جوہریؔ کی "مثنویٔ گوہر" کا انکشاف کیا اور رسالہ اُردو، دہلی، اپریل ۱۹۴۰ء میں ایک تفصیلی مضمون مثنوی کے متعلق سپرد قلم فرمایا۔ مثنویٔ گوہر جوہری کا ایک قلمی نسخہ پروفیسر موصوف کو اپنے ایک ہندو شاگرد کے ذریعہ حاجیؔ پور کے علاقے سے ملا تھا۔ پھلواری شریف میں کوئی نسخہ اب تک غالباً نہیں ملا۔ ۱۹۵۴ء مئی میں پروفیسر عسکریؔ صاحب نے، اور میں نے ایک نامکمل نسخہ قلمی، مثنوی گوہر جوہریؔ، کا شاہ مجتبیٰ حسنؔ صاحب کے کتب خانہ بہار شریف میں دیکھا تھا۔ عسکری صاحب کا نسخہ فی الحال پٹنہ یونیورسٹی لائبریری، شعبۂ مخطوطات کی ملکیت ہے۔ ۱۹۴۰ء میں عسکری صاحب کا یہ خیال تھا کہ بجز دیوان فارسی اور مثنوی گوہر کے شاہ آیت اللہ کا کلام مفقود ہے۔ لیکن اکتوبر ۱۹۵۱ء میں مجھے اور پروفیسر عسکری صاحب کو پھلواری شریف کے متعدد قدیم[1] مراثی ملے جس میں شاہ آیت اللہ کے مراثی بھی ہیں۔ بعد ازآں حکیم شعیب صاحب مرحوم سے مجھے شاہ آیت اللہ کی "شہرآشوب" کی نقل بھی ملی۔

شاہ آیت اللہ بقول صاحب تذکرۃ الصالحین، شوال ۱۱۲۶ھ کو پیدا ہوئے قصبۂ بیّن میں زندگی کے ابتدائی ایام گزارے۔ بنارس بھی گئے۔ سیر و سیاحت کا شوق تھا۔ حضرت شاہ مخدوم کے سجادہ نشین ہوئے۔ چوراسی برس کی عمر میں بتاریخ یکم رجب روز سہ شنبہ ۱۲۱۰ھ کو انتقال فرمایا[2]۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے شاہ شبلی سجادہ نشین ہوئے۔ تذکرۂ[3] شورش (میر غلام حسین شورشؔ عظیم آبادی) میں لکھا ہے:

"مولوی آیت اللہ، جوہریؔ تخلص، متوطن پھلواری۔ شاعرِ فارسی است۔

---

[1] ملاحظہ ہو "بہار کے اُردو مراثی" از اختر اورینوی: سالنامہ ساقی، کراچی، ۱۹۵۲ء۔

[2] صاحب تذکرۃ الصالحین اور حکیم شعیب صاحب مرحوم نے مندرجہ بالا تاریخیں ہی درج کی ہیں

[3] برٹش میوزیم، فولیو ۳۵۔ اس تذکرہ کو فوٹو اسٹیٹ پٹنہ یونیورسٹی لائبریری میں آگیا ہے۔

Marfat.com

صاحبِ علم و فضل۔ درویشِ مکمل۔ مزاجِ عالیش سوئے ریختہ میل تمام دارد۔ ازوست :

لگایا عشق نے آ مجھ دلِ بیتاب میں آتش
کہ دے ہے جون مہوس بوتۂ سیماب میں آتش

تذکرۂ عشقی عظیم آبادی (شیخ محمد وجیہہ الدین) میں درج ہے کہ :

"جوہری تخلص، اسمش مولوی آیت اللہ۔ مردے فاضل از بزرگان قصبۂ پھلواری ست۔ پیشتر فکر مرثیہ و سلام ہندی می کرد۔ ودر مقطع مرثیہ مذاقی و در غزل فارسی شورش تخلص می آورد۔ گاہ گاہ بہ نظم پردازی ریختہ نیز جوہر طبع خود بہ عنوان فاضلان آشکارا می ساخت۔"

عشقی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ آیت اللہ نے پہلے مرثیہ و سلام میں طبع آزمائی کی ہے۔ لہٰذا میں مراثی کی مثالیں پہلے پیش کروں گا۔ اور بعد ازاں مثنوی سے حوالے درج کروں گا۔ میں قاضی عبدالودود صاحب کی اس رائے سے متفق ہوں کہ "اُردو غزلیں انھوں نے غالباً بہت کم لکھیں۔" فارسی غزلوں میں تو وہ صاحب دیوان تھے۔

ہمیں خانقاہ سلیمانیہ (چھوٹی خانقاہ) سے مراثی کی یک قلمی کتاب ملی۔ یہ کتاب مجلد ہے اور اس میں صوفیائے پھلواری شریف کے مرثیے درج ہیں۔ شاہ آیت اللہ کا حسب ذیل مرثیہ اسی مخطوطہ سے لیا گیا ہے۔

○

مرثیہ برہان قدیم از اُستاد کل حضرت شاہ محمد آیت اللہ قدس سرہ متخلص بہ مذاقی

(۱)

آل نبی نہیں جینے پایا ہائے حسین بیدسی پنتی
کٹا بتولؑ و علیؑ کا جایا ہائے حسین بیدسی پنتی
تیغ ستم کو تن پر کھایا ہائے حسین بیدسی پنتی
خنجر سے گردن کٹوایا ہائے حسین بیدسی پنتی

(۲)

تن کو سرسے ہے نہ پہرا وا سر اوس تن سے دور ہے دور
سر نیزہ پر جھوم رہا ہے تن مانٹی میں گھاؤ سے چور
ہائے نبی کا خاصہ نواسا داے بتول علی کا پور
کیا کیا ظلم نہ اوس پر آیا ہائے حسین بیدیسی پنتی

(۳)

بعد شہید ہونے سرور کے خیمہ بیچ در آیا قاتل
لوہو بہراو دخنجر بران کف میں لے چمکایا قاتل
گھر میں اساسا جو کچھ پایا پیادوں سے لٹوایا قاتل
سب نسوات سے نالہ بر آیا ہائے حسین بیدیسی پنتی

(۴)

قتل کیتئ عابد کے ہے ہے جب قاتل نے ارادہ کیا
اوس بیمار کے سر کٹنے کو جب کہ تعین پیادہ کیا
خواہی نخواہی غصہ ہو کر قتل پہ زور زیادہ کیا
پھوپھی نے اوسکو روک بچایا ہائے حسین بیدیسی پنتی

(۵)

اہل حرم کے مقتل اوپر جس دم ہائے سواری آئی
لاش کے پاس آئی سب بی بی رونے غم کی ماری آئی
خاص کہ دو بہنیں سرور کی کرتی نالہ و زاری آئی
بے بانو کو غم نے رولایا ہائے حسین بیدیسی پنتی

(۶)

بہن حسین کی روئے زینب بی بی زہرا جی کی جائی
آنکھ سے بوندیں ٹپک گرت ہے مانو ساون کہیں برسائی
لاش کے نال کہڑی وہ روئے ہائے رے بھائی ہائے رے بھائی
مٹا بہن کے سر کا سایا ہائے حسین بیدیسی پنتی

Marfat.com

(۷)

اور کلثوم حسین کی خواہر روئے کاندے پیٹے پچھڑے
کوئی نہ بیکس کا حامی ہے کون کرے مظلوم کی پچھ رے
کوفی شامی کٹھن کٹھور ہے کہاں ایہوں کو دیا اور چھڑے
کب زموہے کو موہ اور مایا ہائے حسین بیدیسی پنتی

(۸)

روئے بانو شاہ کی بی بی ہائے رے سیاں ہائے رے سیاں
تو جیتا اور میں مرجاتی رہتی جگ میں تیری نیاں
ہون قربان اور صدقے واری چھڈی ٹڈی تو پر گیاں
آیہہ بن میں سیس کٹایا ہائے حسین بیدیسی پنتی

(۹)

رن ہے ڈرونا بن ہے بھونا کوئی نہیں ہے ہیتا ور سنگی
دُرجن کی سینا ہے بھاری چارو دِس سب فوج ہے جنگی
بچے پیاسے بھوک مرت ہیں پانی کا ٹکڑا دانے کی تنگی
یہاں میں اپنا مول گنوایا ہائے حسین بیدیسی پنتی

(۱۰)

کون سُنے ہے بتھا ہمارو کاسے کہیوں دُکھ کی کہانی
اے میرو کنت اور اے میرو بالم توری صورت خاک سمانی
اے میرو جانی اے میرو جانی اے میرو جانی اے میرو جانی
دُرجن موے توہ چھوڑا یا ہائے حسین بیدیسی پنتی

(۱۱)

ہوں میں اپنے نصیب کی کونٹی پھوٹی کیا کہوں قسمت کی خوبی
جی جینے سے ناک پر آیا گل میں سانس روکی میں ڈوبی
جہہ مورت سے چاند لجاتا سو صورت لوہو میں ڈوبی
کاٹ گلا لوہو سے نہلایا ہائے حسین بیدیسی پنتی

Marfat.com

(۱۲)

مجکو کس پر چھوڑ گئے ہو تم ہوئے جا فردوس کے باسی
حور نے نلو پلایا پیالہ میں رہی ویسی بھوکی پیاسی
تم بن کون کہبریا لیوے تو میرا والی میں تیری داسی
خلد بریں میں جا گھر چھایا ہائے حسین بیدیسی پنتی

(۱۳)

رہا نہ والی کوئی سر پر ہم بیکس کا حال بتر ہے
دیکھیں آگے کیا پیش آوے دشمن کا اب خوف و خطر ہے
لاش پڑی ہے خاک کے اوپر کفن جدا لو ہوے تر ہے
غسل شہید نے خون سے پایا ہائے حسین بیدیسی پنتی

(۱۴)

کاسے کہئے کون سُنے ہے کوئی غم خوار نظر نہیں آوے
اے میرے سئیاں تیرا جنازہ کون مدینہ لے پہنچاوے
گور کھندا کر لحد بنا کر جد کے روضہ پاس گڑا دے
یہاں ہے دُشمن کا ہمسایا ہائے حسین بیدیسی پنتی

(۱۵)

ٹپک ٹپک کر گرتے آنسو لاش کے جاتی واری پھیری
تو میرا مولیٰ تو میرا خاوند میں تیری باندی میں تیری چیری
کیا کروں بس بوسائی نہ اپنا ہوں بے بس میں دکھ کی گھیری
درد نے مجکو آگھیرا یا ہائے حُسین بیدیسی پنتی

(۱۶)

دیکھ آ اپنا نورد و دیدہ جس کو کچھ نہیں تاب تواں ہے
گل میں اوس کی طوق پڑی ہے دونوں پاؤں میں بند گراں ہے
حفظ خدا ہی اوس کو بچاوے بچنے کی امید کہاں ہے
بچی کو تیری کلپایا ہائے حُسین بیدیسی پنتی

Marfat.com

(۱۷)

قتل کر اوس کے کوئی دہرا دے غضب سے دیکھ تکر نکالے
تیغ علم کیے ہے کوئی کوئی کف میں تولے بھالے
ہائے یہ پیارا بیٹا تیرا پڑا ہے کس ظالم کے پالے
کس شدت میں ہے تیرا جایا ہائے حسین بیدیسی پنتی

(۱۸)

لاش شہید کے گرد بگرد آسب بی بی دکھیاری روئی
اماں اور پھوپھیاں کو روتے دیکھ سکینہ باری روئی
ہائے یتیم وہ بھوکی لڑکی شاہ کی بیٹی پیاری روئی
چپ نہ ہوئی وہ گو بہلایا ہائے حسین بیدیسی پنتی

(۱۹)

کہتی اماں مت رو بیٹی تجھ یتیمی کا دن آیا
اس بچپن میں تیرے سر سے مٹ گیا بابا جی کا سایا
بالی لڑکی دولاری کو اب کیوں کر پالوں بار خدایا
جس کے باپ نے سر کٹوایا ہائے حسین بیدیسی پنتی

(۲۰)

روئے سے وہ چپ نہیں ہوتی جس روئے سے تڑکے سینا
جب جب سبکو روتے دیکھے روئے پوکار پوکار سکینا
اور غذا کچھ تھی نہیں حاضر خون جگر تھا کھانا پینا
تیرا غم کس طرح کھایا ہائے حسین بیدیسی پنتی

(۲۱)

جاگ پڑی وہ خواب سے جس دم بابا بابا کہہ کر روئی
نالہ کری بادیدۂ پرنم بابا بابا کہہ کر روئی
تازہ ہوا زنداں میں پھر غم بابا بابا کہہ کر روئی
ہوگیا نالہ بلند و بکایا ہائے حسین بیدیسی پنتی

Marfat.com

(۲۲)

رونے سے خاموش نہ ہوتی شام تلک وہ روتی جاوے
ڈھونڈھے ہے بابا جی کو نہ پاوے آپ روئے اماں کو رولاوے
دیکھی بابا جی کی صورت ایک شب اوس کو خواب جو آوے
خواب میں اُوس کو آ بہلایا ہائے حسین بیدیسی پنتی

(۲۳)

تھا وہ نالہ ایسا بھاری، جس کے سُنتے پھٹے کلیجا
پر بیدرد کی سنگ تھی چھاتی کچھ نہیں سینا اوسکا پسیجا
اوس دختر کے کھانے کے لیے سر کو طبق میں دھر کے بھیجا
تیرا سر کھانے کو آیا ہائے حسین بیدیسی پنتی

(۲۴)

کرکے نظر بابا کے سر کو مرگئی ہائے بیچاری سکینہ
بھوکی تھی دیدار پدر کی سیر ہوئی ہائے دولاری سکینہ
اماں روئی اماں پیٹی ہائے رے ہائے ہماری سکینہ
غم کے اوپر پھر غم آیا ہائے حسین بیدیسی پنتی

(۲۵)

قصہ غم کا دور دراز ہے کہہ مت آگے اس کے نذاقی
قلم کا دل رقت میں آیا بہت رہا لکھنے کو باقی
روز جزا میں پانی پلانا اے کوثر کے حوض کے ساقی
نالہ و آہ سے دل بھر آیا ہائے حُسین بیدیسی پنتی

ع۱ شاہ آیت اللہ نذاقی کا دوسرا مرثیہ حسب ذیل ہے:

جس کا پدر کٹا ہو نہ روئے تو کیا کرے
تَن خاک میں پڑا ہو نہ روئے تو کیا کرے
مقتل میں خون بہا ہو نہ روئے تو کیا کرے

Marfat.com

نیزہ پہ سر چڑھا ہو نہ روئے تو کیا کرے
جس کا بابا مر گیا چھوری کو کہائے حسین
تِسکا بیٹا عابدین روَت ہے دن رین

۲ے اماں یتیم خستہ کی بانو شکستہ دل
مرنے سے شاہدین کے گئی خاک بیچ مل
کیونکر نہ روئے چھاتی پہ غم کی دہری ہو بل
جس پر کے دُکھ پڑا ہو نروئے تو کیا کرے

نینان مون انجھوان بھرے بکھرے سیس کے بال
رُوَت پی پیارے اُوپر مکھ پر انچرا ڈال

۳ے روتی تھی شہربانوئے ناچار ہائے ہائے
کرتی تھی آہ و نالہ جرس وار ہائے ہائے
کہتی تھی رو بدیدہ خونبار ہائے ہائے
دیدہ میں خون بھرا ہو نہ روئے تو کیا کرے

جیسے بَن کا پپیہرا رٹت رہے پی پی
ویسے میں پی پی رٹوں جو لہ گھٹ میں جی

۴ے ہی حضرت امام کی دو محترم حرم
بانو ستم رسیدہ کو کیا کیا نہ تھا اَلم
اوڑتا تھا مرغ نالہ کا سینہ سے دمبدم
جس کا کہ شوکتا ہو نہ روئے تو کیا کرے

آگ لگے جہہ سیس مون کیسے کل ہو واہ
جیسے تڑپہت لاش ہے ویسے تڑپہت یاہ
(صفحہ ۸ مجلد مخطوطات پھلواری)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرثیہ نامکمل ہے۔ کیونکہ ناقل نے چار صفحات (۹، تا ۱۲،) سادہ چھوڑے ہیں۔ کسی وجہ سے مرثیہ مندرجہ بالا کی پُوری نقل نہ ہو سکی۔ یہ مرثیہ خاصہ بڑا ہو گا۔ کم از کم سو بند اور نقل ہونے سے رہ گئے۔

Marfat.com

شاہ آیت اللہ کا تیسرا مرثیہ حسب ذیل ہے :

لوٹ لیو بنجارا بَن میں ٹانڈ لدا ہوا سارا بَن میں
ہائے حسین بچارا بَن میں بیکس کر کے مارا بَن میں

بَن میں کھڑی بنجاری روئے گھر جو لُٹا گھر باری روئے
بانو دُکھیا بچاری روئے راول جس کا مارا بَن میں

بٹماروں نے بَن میں گھیرا لُوٹ لیا سب خیمہ ڈیرا
ہائے حسینا راول میرا سیس بدن سے اتارا تَن میں

جو جھا سارا کمبارن میں لوتھ پڑی ہے کالے بَن میں
جیسے برسے مینہہ ساون میں اُلٹ لہو کا بھہارا بَن میں

بانو دکھیا کو کے دُکھ سے اکبرؔ کا ہے سوئے ہو سُکھ سے
میٹھے بچن کچھ بولو مُکھ سے جاگو سانجھ سکارا بَن میں

اکبر ہمرا راج دلارا اکبر ہمرے نینوں کا تارا
ہائے مسے ہمرا اکبر پیارا تو ہے کس نے مارا بن میں

زینبؔ دُکھیا سوگ کی ماری لوتھ پہ بھائی کی کرے ہے زاری
بھائی تم پر زینبؔ واری اب رہا کون سہارا بن میں

سوگ بچن کا کو ہے سُنو تیا رکت سے بھرگئی تال تلیا
یہ لوتھ پڑی ہے بھیا بہا سوندی دھا تن میں

Marfat.com

بیری لوگ نے بَن میں گھیرا　　اجڑا دیس مدینہ میرا

. . . . . .

(عطیہ جناب حکیم محمد شعیب صاحب پھلواروی)
(مطبوعہ معاصر پٹنہ حصہ ۲، دسمبر ۱۹۵۲ء ص ۱۴۴)

پہلے مرثیہ کے اختتام پر قلمی نسخہ میں یوں لکھا ہے :

"تمت المرثیہ من تصانیف مولیٰ الموالی استاد کل ادنیٰ و اعالی حضرت مذاقی الملقب بشاہ محمد آیت اللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ العزیز کتبہا محرم الحرام عفی عنہ ذنوبہ و اینمرتبہ در ۱۲۰۶ھ یک ہزار و دو صد وشش ہجری در تعزیہ خانہ سید فیض علی صاحب علیہ الرحمۃ خواندہ شد وشنیدہ ام کہ در خواندن اینمرثیہ آثار قبول ازگریہ وزاری عام وخواص چناں بظہور رسیدہ بود کہ عالمی از اندوہ وغم تاری شد تا آنکہ مستمعان از غایت حُزن بیہوش و حواس بودند۔"

(مجلد قلمی نسخہ پھلواری ص ۷)

ہو سکتا ہے کہ یہ مرثیہ اور قبل کا لکھا ہوا ہو اور ۱۲۰۶ھ میں بھی اسے پڑھا گیا ہو۔ اگر یہ مرثیہ ۱۲۰۶ھ کا لکھا ہوا ہے تو "مثنوی گوہر" کے بہت بعد کا ہے (۱۱۶۱ھ)۔ مگر عشقیؔ لکھتے ہیں کہ "پیشتر فکر مرثیہ و سلام ہندی می کرد" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ آیت اللہ نے ۱۲۰۶ھ سے بہت پہلے بھی مرثیے اور سلام کہے تھے۔ کیونکہ ۱۲۱۰ھ میں تو اُن کا وصال ہوتا ہے۔

اب میں "مثنوی گوہر جوہری" کا جائزہ پیش کرتا ہوں :

مثنوی مذکور ۱۱۶۱ھ مُطابق ۱۷۴۸ء کی لکھی ہوئی ہے۔ جوہری کہتے ہیں :

کہا ریختہ بیچ یہ مثنوی　　رکھا نام میں گوہر جوہری
کرے جس کی تاریخ کا گر خیال　　رتن جوت منکا، سین تو جو نکال

پروفیسر عسکریؔ صاحب کے حاصل کیے ہوئے قلمی نسخے ۱۱۶۱ھ کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

۵؎ شعبۂ مخطوطات، پٹنہ یونیورسٹی لائبریری

تو ہی آپ کر میری ساقی گری
کہ مخمور مدّت کا ہے جوہری

اس مثنوی میں جا بجا نا اہل کاتب کی وجہ سے اِملا کی غلطیاں ملتی ہیں۔ حروف ایک حد تک پختہ وصاف خط شکستہ میں ہیں۔ اردلی کاغذ کی چھوٹی تقطیع کے ایک سو اڑتالیس صفحے موجود ہیں۔ ہر صفحہ ۱۸ انچ لمبا اور ½ ۴ انچ چوڑا ہے۔ عموماً ہر صفحہ میں ۱۶ سطریں ہیں۔ اوّل و آخر کے ورق غائب ہیں۔ کاتب کا نام اور کتابت کی تاریخ معلوم نہ ہو سکی۔ مثنوی میں جو اشعار موجود ہیں ان کی مجموعی تعداد ۲۳۰۱ (دو ہزار تین سو ایک) ہے۔ فصیح الدین بلخی صاحب کا قیاس ہے کہ اوّل ورق میں چھ شعر ہوں گے۔ اور آخر ورق میں چار شعر۔ پوری مثنوی میں دو بحریں ترتیب وار استعمال کی گئی ہیں۔ بحر متقارب مثمن محذوف الاخر (فعولن فعولن فعولن فعل) اور بحر ہزج مسدس مقصور العروض والضرب یا محذوف الاخر (مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن یا فعولن)۔

جوہری نے اپنی زبان کو ہندوی اور ریختہ سے موسوم کیا ہے ؎

ہمن کی بات سُن خاموش مت رہ
زبانِ ہندوی میں مثنوی کہہ

اور ؎

کہا ریختہ بیچ یہ مثنوی
رکھا نام میں گوہر جوہری

حضرت جوہری کے ہم وطن معاصرین میں خواجہ امین الدین امین نے ایک مثنوی لکھی جس کے انیس شعر مرزا علی لطف نے "گلشن ہند" میں نقل کیے ہیں۔ اسی طرح "گلزار ابراہیم" اور "گلشن ہند" میں محمد سلیم سلیم عظیم آبادی کا مثنوی ریختہ مشتمل بر سانحہ عجیب واقعہ ناحیہ عظیم آباد لکھنا درج ہے۔ عظیم آبادی نے مثنویاں لکھیں جو بقول حسرت موہانی بالکل [illegible] ہیں۔ اس کے بعد چودھویں صدی ہجری کے وسط تک شوانے بہار نے متعدد مثنویاں لکھیں۔

مثنوی گوہر۔ بارہویں صدی عیسوی کے وسط کی مذہبی زبان کا نمونہ اور عامل

Marfat.com

نمونہ ہے۔ یہ ایک عہد کی لسانی تکمیل کو آشکار کرتی ہے۔ اس مثنوی کا کوئی نسخہ پھلواری شریف کے کتب خانوں میں نہیں۔ اس کے انکشاف کا فخر پروفیسر حسن عسکری صاحب کو حاصل ہوا۔ ان کے ایک عزیز شاگرد رائے شیوندر بہادر ایم۔اے رئیس وزمیندار قصبہ بھکرا ضلع مظفرپور نے اپنے بزرگوں کے قیمتی کتب خانہ کا ذکر کیا۔ اور دو تین بستوں میں متعدد کتابیں پٹنہ یونیورسٹی لائبریری میں بھجوا دیں۔ انھیں خستہ کتابوں میں مثنوی گوہر جوہری دستیاب ہوئی۔

میں نے شاہ مجتبیٰ صاحب بہار شریف کے کتب خانہ میں "مثنوی گوہر جوہری" کا ایک نامکمل نسخہ دیکھا ہے۔ نسخہ میں بارہ ماسہ کا حصہ موجود ہے۔

مثنوی گوہر جوہری، مختلف داستانوں پر مشتمل ہے۔ پیش رو داستان کے آخری اشعار بعد میں آنے والی ملحق داستان کی طرف بلیغ و واضح اشارہ کرتے ہیں۔ مثنوی کی کہانی روایتی رنگ کی ہے۔ آخری داستان اکبرآباد کے رام راجہ اور کنول دی کی رُودادِ عشق ہے۔ پریشانیوں اور دقتوں کے بعد دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ شادی کے بعد فراق کا دور آتا ہے۔ اساڑھ سے جیٹھ تک کنول دی برہ کی آگ میں تڑپتی رہتی ہے۔ بارہ ماسہ، کنول دی کی زبانی پیش ہوا ہے۔ وصلِ مکرر کے بعد کنول دی بیمار پڑتی اور مرجاتی ہے۔ کنول دی کی چتا کی راکھ سے پھر شعلۂ عشق بلند ہوتا ہے اور 'رام راجہ! رام راجہ' کی صدا آتی ہے۔ رام راجہ اس شعلۂ محبت کی طرف بیتا بانا جاتا ہے اور اس سے ہم آغوش ہو کر بھسم ہو جاتا ہے۔ مثنوی کے آخر میں صوفیانہ کیف وحال پیدا ہوتا ہے اور محض روایتی رنگ کی جگہ تخلیقی قوت پیدا ہو جاتی ہے ؎

دکھو کثرت میں وحدت کا تماشا
دو شعلے جون ہوا اِک شعلہ پیدا

کنول دی بارہ ماسہ میں مختلف پرندوں کو اپنا پیامبر بناتی ہے۔ مثلاً: بھنگم، کوکلا، کنچن، سبزک، سُرخاب، سارس، کبوتر، بسنتا، بُلبل، کاگ اور طوطا۔ آخر میں طوطا کامیاب قاصد بنتا ہے ؎

اَساڑھ آیا لگا بادل گرجنے اندھیری رات میں بجلی چمکنیں

Marfat.com

گگن پر برق نیَن ہے گا چمکتا　　مرا شوقون ستین ہے دِل پھڑکتا

گھٹا ساون کی کاری جب پڑی جھوم　　مرے جی بیچ برھا آکرے دھوم
زمین کون ہے قبائے سبز در بر　　سمین ایسے میں پیو میرے ہیں باہر

پیا بِن ہے ہماری سیج سونی　　ہوئے رَہ رَہ مجھے دُکھ درد دونی
پیا کے وصل کی ہوں ایسی بھوکی　　کہ جوں سورج کے پیچھوں سورج موکھی
کنول ہوں میں کنول دی ہے مِرا نام　　مجھے جَل بیچ بن سورج نہ آرام
نہ سورج بن ہوں میں آرام وَکل میں　　کھڑی جلتی ہوں نِت آنسو کے جَل میں
اکارت جائے ہے میری جوانی　　پیا پردیس کیا یہ زندگانی

ارے کاتک کے ایسی دُودھ کی رات　　میں کہوا روکے کیجن سن مِری بات
میں بے پر ہوں گی بے بس تو ہے پَردار　　مرا قاصد تو ہیں تجھ پر مرا بھار

رکھا دن تجھ کون دل کی آگ کیوں کر　　کروں میں آہ تو تیرا جلے پر

گیا پھاگن چڑھا اب چیت سر پر　　جلی ہولی ہماری آگ لے کر

رہا ہے پھول سُنبل آج بن میں　　لگی ٹیسو کے دیکھے آگ تَن میں

پھری پھرتی ہوں اس گُل بن ڈنوا ڈول　　کروں کیا لیکے غنچہ کیا کروں پھول
مرے غم سیں کوئی گُل چاک دامان　　مری حسرت ستیں غنچہ ہے حیراں

تجھے تو گرمیٔ بازار ہے گُل　　مری آنکھوں میں آتش زار ہے گُل
جلے گا گُل لگے گی باغ میں آگ　　ارے بُلبل شتابی بھاگ تو بھاگ

Marfat.com

نمونہ ہے۔ یہ ایک عہد کی لسانی تکمیل کو آشکار کرتی ہے۔ اس مثنوی کا کوئی نسخہ پھلواری شریف کے کتب خانوں میں نہیں۔ اس کے انکشاف کا فخر پروفیسر حسن عسکری صاحب کو حاصل ہوا۔ ان کے ایک عزیز شاگرد رائے شیوندر بہادر ایم۔اے رئیس وزمیندار قصبہ بھکرا ضلع مظفرپور نے اپنے بزرگوں کے قیمتی کتب خانہ کا ذکر کیا۔ اور دو تین بستوں میں متعدد کتابیں پٹنہ یونیورسٹی لائبریری میں بھجوا دیں۔ انھیں خستہ کتابوں میں مثنوی گوہر جوہری دستیاب ہوئی۔

میں نے شاہ مجتبیٰ صاحب بہار شریف کے کتب خانہ میں "مثنوی گوہر جوہری" کا ایک نامکمل نسخہ دیکھا ہے۔ نسخہ میں بارہ ماسہ کا حصہ موجود ہے۔

مثنوی گوہر جوہری، مختلف داستانوں پر مشتمل ہے۔ پیش رو داستان کے آخری اشعار بعد میں آنے والی ملحق داستان کی طرف بلیغ و واضح اشارہ کرتے ہیں۔ مثنوی کی کہانی روایتی رنگ کی ہے۔ آخری داستان اکبرآباد کے رام راجہ اور کنول دی کی رُودادِ عشق ہے۔ پریشانیوں اور دقتوں کے بعد دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ شادی کے بعد فراق کا دکور آتا ہے۔ اساڑھ سے جیٹھ تک کنول دی برہ کی آگ میں تڑپتی رہتی ہے۔ بارہ ماسہ، کنول دی کی زبانی پیش ہوا ہے۔ وصلِ مکرر کے بعد کنول دی بیمار پڑتی اور مرجاتی ہے۔ کنول دی کی چتا کی راکھ سے پھر شعلۂ عشق بلند ہوتا ہے اور 'رام راجہ! رام راجہ' کی صدا آتی ہے۔ رام راجہ اس شعلۂ محبت کی طرف بتیا بانا جاتا ہے اور اس سے ہم آغوش ہوکر بھسم ہو جاتا ہے۔ مثنوی کے آخر میں صوفیانہ کیف وحال پیدا ہوتا ہے اور محض روایتی رنگ کی جگہ تخلیقی قوت پیدا ہو جاتی ہے ؎

دکھو کثرت میں وحدت کا تماشا
دو شعلے جون ہوا اِک شعلہ پیدا

کنول دی بارہ ماسہ میں مختلف پرندوں کو اپنا پیامبر بناتی ہے۔ مثلاً: بھنگم، کوکلا، کنچن، سبزک، سُرخاب، سارس، کبوتر، بسنتا، بُلبل، کاگ اور طوطا۔ آخرش طوطا کامیاب قاصد بنتا ہے ؎

اَساڑھ آیا لگا بادل گرجنے اندھیری رات میں بجلی چمکنیں

Marfat.com

گگن پر برق نیَن ہے گا چمکتا　　مرا شوقون ستین ہے دِل پھڑکتا

گھٹا ساون کی کاری جب پڑی جھوم　　مرے جی بیچ برھا آکرے دھوم
زمین کون ہے قبائے سبز در بر　　سمین ایسے ہیں پیو میرے ہیں باہر

پیا بِن ہے ہماری سیج سونی　　ہوئے رَہ رَہ مجھے دُکھ درد دونی
پیا کے وصل کی ہوں ایسی بھوکی　　کہ جوں سورج کے پیچھوں سورج موکھی
کنول ہوں میں کنول دی ہے مِرا نام　　مجھے جَل بیچ بن سورج نہ آرام
نہ سورج بن ہوں میں آرام وَکل میں　　کھڑی جلتی ہوں نِت آنسو کے جَل میں
اکارت جائے ہے میری جوانی　　پیا پردیس کیا یہ زندگانی

ارے کاتک کے ایسی دُودھ کی رات　　میں کہوا روکے کیجن سن مِری بات
میں بے پر ہوں گی بے بس تو ہے پَردار　　مرا قاصد تو ہیں تجھ پر مرا بھار

رکھا دن تجھ کون دل کی آگ کیوں کر　　کروں میں آہ تو تیرا جلے پر

گیا پھاگن چڑھا اب چیت سرپر　　جلی ہولی ہماری آگ لے کر

رہا ہے پھول سُنبل آج بن میں　　لگی ٹیسو کے دیکھے آگ تَن میں

پھری پھرتی ہوں اس گُل بن ڈنوا ڈول　　کروں کیا لیکے غنچہ کیا کروں پھول
مرے غم سیں کوئی گُل چاک دامان　　مری حسرت ستیں غنچہ ہے حیراں

تجھے تو گرمیٔ بازار ہے گُل　　مری آنکھوں میں آتش زار ہے گُل
جلے گا گُل لگے گی باغ میں آگ　　ارے بُلبل شتابی بھاگ تو بھاگ

ستارے ہوگئے جل کر کے اخگر　　نکلتا ہر سحر خورشید جل کر
بگولہ جیٹھ کا آتش فشاں ہے　　غبار خاطر سرگشتگان ہے

لکھوں اس بے وفا کوں کیوں کہ پاتی　　بھر آتی آنکھ اور پھٹتی ہے چھاتی
لکھوں تو جَل کے کاغذ خاک ہوئے　　قلم غم سُن کے سیناں چاک ہوئے

طوطا کی زبانی کنول دی کو رام راجہ کے آنے کی خبر ملتی ہے ؎

مُشاطہ مجھکون آرائش ہے درکار　　ہمارا آج کلہہ گھر آچلا یار
شتابی کر مری زُلفوں کو شاناں　　کہ آتا ہے چلا میرا دیواناں
جب آدیگا میں دیونگی اسکوں زنجیر　　نکر تو شانہ کرنیں میں ذرا دیر

آخرکار رام راجہ آن ملا ؎

سکھی جس وقت میرا یار آیا　　اری مُردے نین پھر کر جان پایا
سکھی میں کیا کہوں سُکھ کی کہانی　　پڑا موئے دھنوں میں جاکے پانی

اب کنول دی کی بیماری کا حال سُنیے ؎

گئی وہ اس قدر نازک بدن ہو　　کہ یک گلبرگ کا سو پیرہن ہو
نہ چُن سکتی زرُخ زلفوں کا دامن　　گلے میں ہوگئے چوں طوق آہن
ابتی نازک ہوئی اور ناتواں حال　　نظر آتی نہ آئینے میں تمثال
نہ آتا لب تلک بھی شعلۂ آہ　　نفس کپتی تھی چوں شمع سحرگاہ

کنول دی کی علالت کے غم سے رام راجہ کا حالِ زار سُنیے ؎

پریشان خاطر و آشفتہ اطوار　　گیا ہو مُضطرب چوں نبضِ بیمار

Marfat.com

سراسیمہ ہوا اور اشک ریزاں گیا بستر تلک اُفتاں و خیزاں
دم آخر وہ شوریدہ تصویر ہوا معشوق سے جاکر بغل گیر
لگی کہنے کہ اے دیوانہ میرا میں تیری شمع تو پروانہ میرا
کوئی ساعت میں آوے گی قیامت میں جاتی ہوں سدا تورہ سلامت
ترے تئیں دیکھ کر آتی روائی کہ دے گی اب اَجل داغِ جدائی
ہوا اس فکر میں میرا جگر آب کہ دوری کی تجھے کیوں کرکہ ہوتاب

آخر کار کنول دی کی رُوح پرواز کرگئی ؎

اُڑی بو اور گیا بے آب ہوگُل پَری سا اُڑ گیا شیشے سیتن مل

مثنوی گوہر کا بیشتر حصہ "بحر ہزج" میں ہے۔ "بحر متقارب" کا بھی استعمال ہوا ہے۔ مثنوی میں شاعرانہ محاسن قدم قدم پر ہیں۔ منظر نگاری، جذبات نگاری سوزو درد، محاکات، تخیل، نادر، موزوں اور نفیس تشبیہات، اور استعارات کا استعمال یہ سب مثنوی کو پُرتاثیر بناتے ہیں۔

چند پُرتاثیر و نادِر تشبیہیں دیکھئے:

مرے جی بیچ کیا کیا درد بانٹا کسی کانٹے گلے کا ہے خراٹا

بھنواں خمدار تیری اے پیارے لگے ہے ناؤ دریا کے کنارے

تری یو مست ہیں آنکھیں گلابی شرابی ہیں، شرابی ہیں، شرابی

چو نوبت وصل کی اس مہ کے آئی دیا دل کا نگیناں مُنہہ دکھائی

واردات اور کوائف کا لطیف بیان ملاحظہ ہو ؎

ترے آنسو کے تئیں دامن ہے منزل میرا آنسو گرے بر دامن دل

Marfat.com

کرے ہے تو گریباں دردے چاک　　میں جی ہی بیچ جَل کرکے ہوئی خاک

مَرد اور عورت پر غمِ عشق کا اَثر جُدا جُدا حال پیدا کرتا ہے۔ اس نفسیاتی فرق کو کتنے لطیف و نفیس انداز میں پیش کیا ہے۔

قاضی عبدالوَدود صاحب کا یہ خیال صحیح ہے کہ "اس میں افضَل کی بکٹ کہانی کے رنگ کے اشعار بکثرت موجود ہیں"۔ پروفیسر حسن عسکری صاحب نے بھی اس مُشابہت کو نوٹ کیا ہے۔ یہ مُشابہت بارہ ماسہ کے حصّہ میں ہے۔ مگر افضَل جھنجھانوی کا بارہ ماسہ مکمل دستیاب نہیں ہوتا۔ پروفیسر محمود شیرانی نے اپنی کتاب "پنجاب میں اُردو" میں افضَل کے بارہ ماسہ میں سے کچھ حصّے نقل کیے ہیں:

افضَل	جوہَری
گھٹا کاری اُمد چھاتی سون آہی	گھٹا ساون کی کاری جب پڑی جھوم
برہون کی فوج نے کینی چڑھاہی	مرے جی بیچ برھا آکرے دھوم

پھئی جَل تھا پھیا سرسبز عالم	زمیں کون ہے قبائے سبز دربز
نہیں جُز وصل کا سوکھا نہالم	سَیں ایسے میں پیو میرے ہیں باہر

ہندولی جھولتی سبھ نار پہ سنگ	سکھی سب جھولتے پیو سنگ جھولا
جبد کی آگ نے جارا مرا رنگ	جھولاتا چرخ مجھ کون چرخ ہنڈولا

اندھیری رین جگنوں جگ مگاتا	ارے جگنوں کا ایسا جگمگانا
اری جلتی اوپر تیں کیا جلاتا	ہوا نیئں اس سمئے میں پیو کا آناں

. . . . .	نہ جگنوں میرے اس دردوں کے مارے
. . . . .	فلک سے آئے ٹوٹے ہیں ستارے

Marfat.com

جوہری کے ہمعصر سجاد پھلواروی، تپاں پھلواروی، راجہ رام نرائن موزوں وغیرہ تھے۔ شیخ محمد روشن جوشش۔ شیخ محمد عابد دل، خواجہ امین الدین امین، شیخ غلام علی حضور، میر غلام حسین شورش، شاہ رکن الدین عشق، وغیرہ بھی جوہری کے ہمعصر یا قریب قریب ہمعصر تھے۔

اُس دور میں بہار کی ادبی زبان بہت شستہ و صاف ہو چکی تھی۔ لیکن اس کے باوجود شاہ آیت اللہ کی مثنوی کی زبان پر افضل جھنجھانوی کی زبان کا اثر ہے۔ بھاشا کا استعمال بھی کثرت سے ہوا ہے اور ساتھ ساتھ فارسی ترکیبیں بھی اسی انداز کی ہیں۔ مثنوی کی زبان فضا، مزاج اور اسلوب قدیم (ARCHAIC) ہے۔ اس کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ صوفیوں نے مزاجِ ہندی کا بڑا پاس کیا ہے۔ کنول دی اور رام راجہ کے قصہ کی مناسبت کے لحاظ سے بھی ہم آہنگ فضا نگاری کی تکمیل کے لیے بھاشا کا خوب خوب استعمال ہوا ہے۔ یوں تو اُردو کا قدیم نام ہندی ہی ہے۔ خود جوہری کہتے ہیں۔ ع

بھرا ہوں درد شعر ہندوی مون

جوہری کے مرثیوں کی زبان بھی بھاشا آمیز ہے۔ وہ اُن میں سوز و درد، غم و الم، رقت و بکا نرم و گداز ہندی لفظوں کی مدد سے ہی پیدا کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ آیت اللہ کو بھاشا کے عام پسند لفظوں سے ہم آہنگی محسوس ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ وہ فارسی ترکیبوں سے گریز کرتے ہیں۔ بلکہ فارسی ترکیبوں کے خوبصورت استعمال سے بھی وہ اپنے کلام کو رنگ اور آہنگ عطا کرتے ہیں۔ قدامت کا رنگ غالباً افضل کی پیروی کا نتیجہ ہو۔ یا ممکن ہے قدیم رنگ اور روپ مثنویوں کا خاص ذریعہ اظہار بن گیا ہو۔ لسانی خصوصیات کا مختصر تجزیہ حسب ذیل ہے:

نئی، نئیں۔ نہیں + سین۔ سے + کون۔ کو + مون۔ میں + کیتا۔ کیا + لیتا۔ لیا، کدھوں، کدھیں۔ کہیں، کبھی + تدھین۔ تبھی + جدھین۔ جب بھی۔ یا جب کبھی + دوکھ۔ دُکھ + لاؤنا۔ لانا + پاؤنا۔ پانا + آؤنا۔ آنا + یو۔ یہ + نین۔ نے۔ گگن۔ آسمان

پیچھوں ۔ پیچھے ۔ مرون ہوں ۔ مَرتا ہوں ، مرتی ہوں ۔ جیونکر ، جیونکہ ۔ جس طرح ۔ کناں ۔ کرنا ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ نیز : کیف سے کیفوں ، خمار سے خماروں ، دَرد سے دَردوں ، جمع بنا لیتے ہیں ۔ ' بھنویں ، اور ' بھنواں ' یہ دونوں جمع آتی ہیں ۔ کلمہ کی جگہ کلمان بہ قافیہ مُسلمان بھی لکھتے ہیں ۔ ' ر ' اور ' ڑ ' ' اوتار ' اور ' پہاڑ ' ۔ ' دوڑ ' اور ' چور ' ' توڑی ' اور ' چوری ' کو ہم قافیہ لاتے ہیں ۔ ہائے ہوز جا بجا تقطیع میں گرتی ہے ۔ جا بجا فارسی فقرے اور مصرعے کے مصرعے ملتے ہیں ۔ ' ہوتا ہے ' کی جگہ ' ہوہے ' ۔ ' کھاتا ہے ' کی بجائے ' کھاہے ' مستعمل ہیں ۔ غالباً یہ بہاری بولی کا مقامی رَنگ ہے ۔ آج تک بہار میں یوں ہی بولتے ہیں ۔ فارسی اضافت کے ساتھ ساتھ ' کا ' اور ' کی ' کا استعمال بھی ہوتا ہے ۔ گویا دُہری اضافت لگتی ہے ۔

اِتے ۔ اتنی ۔ باورا ۔ باؤلا ۔ مندل ۔ مندر

مغربی پراکرتوں میں جہاں ' ر ' کی آواز ہوتی ہے وہ مشرقی پراکرتوں میں آکر ' دل ' کی آواز سے بدل جاتی ہے ۔ جیسے تَر ـــــ تَل ، ترے ـــــ تلے ، مندر ـــــ مندل ، باورا ـــــ باؤلا ، بادَر ـــــ بادل ، جراؤ ـــــ جلاؤ ، کاری ـــــ کالی ، کر ـــــ کل (پہلو) وغیرہ وغیرہ ۔ اندھلا ۔ اندھا ، سُوا ۔ سُگا (طوطا) ۔ فارسی ' ان ' سے جمع کی مثالیں زیادہ ملتی ہیں اور پنجابی اثر کے تحت ' ان ' سے جمع کی مثالیں نسبتاً کم ۔ یعنی اسم ہندی اور فعل ہندی کی جمع ' ان ' سے کم ملتی ہے ۔ مگر ' ن ' کا اضافہ کثرت سے ملتا ہے ۔ بھنواں ۔ بھنویں ، باتاں ۔ باتیں ۔ کون ۔ کو ، سین ۔ سے ، ' روپ ' ' سندر ' ۔ ' سلونا ' ۔ ' پیو ' ۔ ' پیا ' ۔ ' کنت ' ' کنچن ' وغیرہ الفاظ کا استعمال عام ہے ۔

اب میں مرثیوں کا لِسانی جائزہ لیتا ہوں :

مثنوی کی بُنیادی لِسانی ساخت کھڑی بولی کی ہے ۔ اس پر صرف قدامت کا رنگ چڑھا ہوا ہے ۔ مگر مرثیوں کی زبان طوان ہے ۔ اس کا لِسانی ڈھانچہ بے شک کھڑی بولی کا ہی ہے ۔ لیکن بیچ بیچ میں اور بولیوں کی لِسانی ترکیب نظر آجاتی ہے ۔ مثلاً :

' آل نبی نہیں جینے پایا ' ۔ ' سر نیزہ پر جھوم رہا ہے ' ۔ ' کوئی نہ بیکس کا حامی ہے '

،آیہہ بَن میں سیس کٹایا ،۔ ، زن ہے ڈردنا بَن ہے بھونا ،۔ کوئی نہیں ہے ہیت اور سنگی ،
،کاٹ گلا لوہوے نہلایا ،۔ پہلے مرثیے میں کھڑی بولی کی اس دُھج کے ساتھ ،آنکھ سی
بوندیں ٹپک گرت ہے مانو ساون کہیں برسائے ، کی ترکیب وساخت دیکھئے اَودھی
بولی کا رنگ صاف نظر آتا ہے۔ نیز:

بچے پیاسے بھوک مرت ہیں ؛ پنجابی اثرات بھی ملتے ہیں۔ مثلاً: ،لاش کے نال
(ساتھ) کھڑی وہ روئے ،۔ ،کون کرے مظلوم کی پُچھ رے ، وغیرہ۔ زبان میں
بھاشاؤں کے استعمال کے باوجود ریختہ پَن موجود ہے۔ عربی و فارسی الفاظ اور
بھاشاؤں کے شبدوں کے استعمال میں توازن پیدا کیا گیا ہے مثلاً،

تم بِن کون کھبر یا (خبر) لیوی۔۔۔

اب دوسرے مرثیہ کا لسانی تجزیہ کیجئے:

اس مرثیہ کی ترکیب مُسدّس کی ہے۔ ہر بند کے پہلے چار مصرعے کھڑی بولی
میں ہیں اور اس میں ریختہ پَن نُمایاں ہے ، چوتھے اور پانچویں مصرعے بلوان بولی
میں ہیں اور ان میں بھاشاؤں کا رنگ گہرا ہے۔ ان ٹیپوں کی زبان پر اَودھی
بولی کی چھاپ زیادہ ملتی ہے۔ مثلاً،

جس کا پدر کٹا ہو نہ روئے تو کیا کرے
تن خاک میں پڑا ہو نہ روئے تو کیا کرے
مقتل پہ خوں بہا ہو نہ روئے تو کیا کرے
نیزہ پہ سر چڑھا ہو نہ روئے تو کیا کرے
جس کا بابا مرگیا چھوری کو کہائے حسین
تسکا بیٹا عابدین روت ہے دن رین
اماں یتیم خستہ کی بانو شکستہ دل
مرنے سے شاہدیں کے گئی خاک بیچ بل
کیونکر نہ روئے چھاتی پہ غم کی دھری ہوئل
جس پر کہ دُکھ پڑا ہو نہ روئے تو کیا کرے
نیناں مون انجھوان بھری بکھرے سیس کے بال

روت پی پیاری اومکھ پر انچرا ڈال

شاہ آیت اللہ کے علاوہ اور متعدد صوفیائے پھلواری شریف نے اُردو مرثیے لکھے۔ اِن کا ذکر آگے آئے گا۔ یہ مرثیے دکنی مرثیوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ قماش بندی میں وُسعت و نُدرت پیدا کی گئی ہے۔ شاعرانہ معیار بھی بلند تر ہے۔ واقعہ نگاری، محاکات، جذبات نگاری، پروازِ تخیّل، مصوّری، درد و سوز، سادگی، مقامی رنگ اور بھاشا کے برمحل و پُر اثر استعمال سے یہ مراثی حُسن و تاثیر کے مخزن ہیں۔ زبان و بیان کی پختگی سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۰۶ھ سے بھی پہلے پھلواری شریف میں مرثیہ نگاری ہوئی ہوگی۔ افسوس کہ مجھے اس سے قبل کی بیاض دیکھنے کی سعادت اب تک نصیب نہیں ہوئی۔

شاہ آیت اللہ کے تذکرہ کے اختتام پر میں ان کی ایک شہرآشوب درج ذیل کرتا ہوں۔ یہ نظم بھی مجھے پھلواری شریف کے مخطوطات میں ملی۔ میں اس سلسلہ میں حکیم شعیب صاحب مرحوم کا ممنون کرم ہوں۔

کہاں ہے دین کی شوکت گئی کیدھر مُسلمانی
کیا ہے کفر نے اس دَور مون از بسکہ طغیانی
خراب ہیں مسجد محراب بنتے ہیں صنم خانہ
نہوئے۔ ۔ ۔ یہ ابلیس کو ہے میر سامانی
خدا کا گھر اندھیرا اور چراغِ دیر ہے روشن
رواج کفر پھیلا مضمحل ہے نورِ ایمانی
جیدھر دیکھو اودھر بتخانہ مو ناقوس بجتا ہے
سنی مسجد مون کم۔ ۔ ۔ ۔ اب گلبانگ اذانی
برہمن قشقہ کش توقیر رکھتے ہیں ۔ ۔ ۔ زاہد
رواج مالا اکثر ہے زرسم سبحہ گردانی
سواری لالہ و بابو کی کس بولش سین جاتی ہے
کہ صوبہ دار ہندو اور ہے ہندو کو دیوانی
مُسلما کو نہیں توقیر کچھ ہی ان کی مجلس مون

Marfat.com

سلام اس طور سین یں سرسین جون کرتے گمس رانی
دریغا پلّہ کفار کا ہے اِس قدر بھاری
کہ ہیں اب یہ مُسلماں سب کم از پاسنگ میزانی
حمیّت دین کی نہیں ہی ہے مُسلمانو کو عالم مون
زہے غیرت زہے عارو زہے ننگِ مُسلمانی
ہراک کافر کو ہے سرموانا الدجّال کا دعویٰ
نہ عیسیٰ چرخ سے اترے مٹے جو کفر کے بانی
نہ مہدی آتے جو یہ کفر سب مِسمار ہوجائے
چراغِ کشتۂ اسلام ہر گھر ہوئے نُورانی
جہاں اب قاف سے ہے قاف تک ظلمت کدہ سارا
کہ دورِ ظلم سے روزے شبِ دیجور ظُلمانی
مگر زلف پری رویان کو گھرے خواب مون دیکھا
کہ کرتی ہے درو دیوار سے بارش پریشانی
رَباب و چنگ سے جانسوز تر ہے آہ مظلوماں
ہوا بیشہ نیستان اور دِل عالم نیستانی
رگیں نالاں ترہیں تارِ رباب و چنگ بربت سے
کہ دست گو شمال چرخ سے عالم ہے افغانی
ہوا گوشِ فلک کا کرّ فغاں داد خواہاں سے
نہ کھولے کان گُل کا نالۂ ہائے مُرغِ شبانی

. . . . . .

. . . . . .

جہاں سے اُٹھ گئی ہے اے عزیزو خیرو برکت سب
گئی مِہرو محبت اور بڑھی ہے حرص حیوانی
نہ شفقت باپ کو بیٹے سے نہ مادر کو دُختر سے
حسد بھائی کو بھائی سے کہاں ہے درد اخوانی

قناعت ہے کہاں عالم مون اب عنقائے مغرب ہے
لجالجت اور سماجت کی پنٹ ہے گرم دُکانی
دہانِ مردمِ دانا کھُلا رہتا ہے فاقہ سے
جو ناداں ہیں اونھوں کی ہے کمر مون زرہمیانی
بجا ہے صاحب معنی جو نا پُرساں ہو عالم مون
کرے کیوں کرکے ناداں مَرد دانا کی قدردانی
نہیں پوچھے ہے کوئی پاکون کو ہرگز اس زمانہ میں
موقر ہیں کلوخ و سنگ استنجائے شیطانی
کمینوں کی بنی ہے اور بخیلوں پہ حالت ہے
زمانہ منقلب برعکس ہے تاثیر دورانی
چمن میں کیوں نہ نرگس سب کی مقبول طبائع ہو

میر اور سودا کی شہر آشوبوں کی طرح آیت اللہ کی شہر آشوب سے بھی اُس عہد کی حالت کا پتہ چلتا ہے۔ عظیم آباد و بہار پر اس عبوری و طوفانی دَور میں کیا گزری اُس کا کسی قدر حال ہمیں مندرجہ بالا نظم میں ملتا ہے۔

شاہ آیت اللہ کے مُرید اور شاگرد بہ کثرت تھے۔ چند کے نام حسب ذیل ہیں:
سیّد شاہ وارث علی، مفتی غلام مخدوم ثروت، امان علی ترقی، غلام شبلی وسعت، غلام جیلانی محزوں وغیرہ۔

نور محمد دلدار

قاضی عبدالودود صاحب لکھتے ہیں: "دلدار کے حال یا کلام سے تذکرے خالی ہیں" (صدائے عام ص۱۸، عید نمبر ۵۳ء پٹنہ) پروفیسر سید حسن عسکری صاحب نے سب سے پہلے دلدار کے کلام کو ڈھونڈ نکالا۔ اِن کے مختصر دیوان کا واحد نسخہ بہار ہسٹوریکل ریسرچ سوسائٹی کی ملک ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ

Marfat.com

ا عروض عربی و فارسی کی رو سے ہوسکتی ہے۔ لیکن یہ
ئے کہ یہ عروض ہندی کے مطابق ہیں۔ یہ سوال
الذکر سے متاثر ہوا ہے یا نہیں۔" دلدار نے کسی
کہے۔ ہر مصرع میں قافیہ ہوتا ہے اور چاروں
ہوتے ہیں۔ دلدار، صوفی شاعر تھے، ان کے اندر
روحانیت پائی جاتی ہے۔ دلدار کی زبان پر
ہاریت اور مقامی رنگ کی جھلک زبان و بیان
ہے۔ اس لحاظ سے دلدار کی شاعری کی بڑی
ہے ؎

م کے ہل سے جوت کے چوکی درد کی کھینچ
کے ساری کر وحدت کا کا دو کھینچ
دلدار فنا کا پانی سینچ
اس کا خلل نہ ہوگا اس کو پہنچ

ہدی ہیں اک مائی کے جائے ہیں
ھوں نے ایک خواب کھائے ہیں
ہودی، کوئی ہنود کہائے ہیں
ہیں اور دلدار ہے ...

Marfat.com

یاد کی انجمن سے پھر روشن دل کے کرے رتن رتن کو
ایسے جتن سے دیکھے تو تب اپنے مدن موہن کو

جس میں ہوئے سکھی بھلا سو کرلے اے مدھ ماتا
کہنا میرا دل میں تیرے کچھ بھی نہیں سماتا
وقت پڑے پر بھائی بیٹا کوئی کام نہیں آتا
ہوگا اے دلدار انہوں سے جیتے جی کا ناتا

انھیں چوپائی یا قطعہ یا رُباعی کہہ لیجئے۔ بہ ہرحال کلام منظم، مربوط، سادہ پُراخلاص اور پُر اثر ہے۔

○

میر وارث علی نالاں متوفی ۱۱۹۹ھ

علی ابراہیم خاں لکھتے ہیں: "نالاں عظیم آبادی، میر وارث علی خلف میر آزانی، موطنش قصبۂ بہار ست، اما سکنے در عظیم آباد اختیار کردہ بہ سرداری بشیشہ گران اعتبار دارد۔ جوان سنجیدہ اطوار از تربیت یافتگان مرزا اشرف علی خاں فغاں ست ..... سال وفات ۱۱۹۹ھ ہے ؎

جوشش اس کے وفات کی تاریخ
میر وارث علی نالاں ہے

مطبوعہ گلزار ابراہیم میں، نالاں کے اشعار نہیں۔ لیکن جس قلمی نسخہ سے انجمن ترقی اُردو کا شائع کردہ تذکرہ مرتب ہوا ہے اُس میں حسب اطلاع مرتب پچیس اشعار نالاں کے موجود ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار کتب خانۂ مشرقیہ کے قلمی نسخہ

۱؎ معاصر، پٹنہ۔ اگست ۱۹۴۱ء ص ۳۷، ۳۸۔ ۲؎ یہ تذکرہ مسخ شدہ شکل میں انجمن ترقی اُردو کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ دو قلمی نسخے پٹنہ میں ہیں۔

غلام جیلانی محزوں پھلواروی

۱۱۳۸ھ تا ۱۲۰۲ھ

غلام جیلانی نام۔ تخلص محزوں۔ پیدائش ۱۱۳۸ھ[1]۔ وفات ۱۲۰۲ھ۔ غزلیات فارسی میں سرشار تخلص کرتے تھے۔ فارسی میں صاحب دیوان۔ حضرت آیت اللہ کے شاگرد۔ مجھے خانقاہ سلیمانیہ سے جو مجلد مخطوطات ملے تھے ان کی ابتداریوں ہوتی ہے:

مجید عالم (۱۲۶۶)[2]

"فہرست مراثے مندرجہ و مرقومہ ایں کتاب بقید اعداد صفحات و نام مصنف آں بنظر برو آوردن ہر مرثیہ خواستہ باشد بسہولت و آسانے بروقق عدد صفحہ کہ بالائے آں نوشتہ می آید۔"

فہرست مجلد قلمی نسخہ مراثی پھلواری شریف

(۱) شاہ محمد آیت اللہ نذاقی ص۱، ص۸ ایضاً منہ (مرثیہ ۱۲۰۶ھ)

(۲) مولوی غلام جیلانی محزوں ص۱۳ (غزل مرثیہ ۱۲۰۶ھ)

(۳) مولانا شاہ عبدالغنی مدظلہ، ص۱۵، ایضاً ص۱۷، ایضاً ص۱۹، ص۲۳، ص۲۵، ص۲۸ و ص۲۹ (مراثی ۱۲۲۱-۴۲ھ)

(۴) شاہ امان علی ترقی، ص۳۱، ص۳۶، ص۳۹، ص۴۲ و ص۴۸ (مراثی ۱۲۲۵-۳۴ھ)

(۵) مفتی غلام مخدوم ثروت، ص۵۱ (مرثیہ ۱۲۱۲ھ)

(۶) شاہ امان علی۔ ص۵۴، ص۵۷، ص۶۳، ص۶۵ و ص۶۷ (مراثی ۱۲۲۵-۳۴ھ)

(۷) مولوی احسان علی تودد۔ ص۶۹ (سلام ۱۲۳۵ھ)

(۸) شاہ امان علی ترقی۔ ص۷۱

---

[1] ان تاریخوں کی اطلاع حکیم شعیب صاحب مرحوم کی مہربانی سے ہوئی۔

[2] کاتب مجید عالم نامی کوئی صاحب تھے۔ مکتوب (م) ۱۲۶۶ھ کا ہے۔

Marfat.com

(۹) مولوی جواد علی صاحب۔ ص۷۶، ص۷۹ (مراثی ۱۲۲۶-۳۴ھ)

(۱۰) شاہ محمد حسین صاحب وحدت۔ ص۸۱، ص۸۳ (مرثیہ ۱۲۴۴ھ)

(۱۱) مولوی علی وارث۔ ص۸۵ (مرثیہ ۱۲۴۲ھ)

(۱۲) مولوی محمد وجیہہ۔ ص۸۷ (مرثیہ ۱۲۳۴ھ)

(۱۳) مولوی سید ابراہیم علی۔ ص۸۹ (مرثیہ ۱۲۳۷ھ)

(۱۴) مولوی قطب الاولیاء۔ ص۹۱ (مرثیہ ۱۲۶۱ھ)

(۱۵) مولوی کمال علی صاحب۔ ص۹۵ (مرثیہ ۱۲۳۴ھ)

(۱۶) مولوی رضی الدین احمد ص۹۶ (مرثیہ ۱۲۶۰ھ)

(۱۷) مولوی محمد طالع مغموم۔ ص۹۹ و ص۱۰۱ (مرثیہ ۱۲۲۳ھ)

(۱۸) قاضی غلام حق۔ ص۱۰۳ (مرثیہ ۱۲۲۸ھ)

- مندرجہ ذیل نام فہرست میں درج نہیں ہیں، نسخہ میں موجود ہیں

(۱۹) مرثیہ شاہ غلام علی وسعت۔ ص۱۰۷، ص۱۱۰، ص۱۱۲، ص۱۱۵، ص۱۱۷ (مراثی ۱۲۳۲-۱۲۰۶ھ)

(۲۰) مولوی سید واحد علی واحد، عرف محمد خیراتی، المعروف بہ خیرات علی۔ خلف قاضی مولوی غلام قادر۔ ص۱۱۹، (مرثیہ ۱۲۲۳ھ)

(۲۱) مولوی احسان علی قزد۔ ص۱۲۲۔ دو اوراق سادہ، ایک ورق غائب

(۲۲) مولوی محمد علی سجاد۔ ص۱۳۱ (مرثیہ ۱۲۳۹ھ)

(۲۳) مولوی محمد یونس، مرثیہ بہ اصلاح حضرت فرد مدظلہ العالی۔ ص۱۳۳ (مرثیہ ۱۲۳۶ھ)

(۲۴) مولوی جانعلی۔ ص۱۴۳

اکثر و بیشتر مرثیوں پر سنہ تصنیف یا سنہ خواندگی درج ہے۔

محزوں چلاوی کا نمونۂ کلام حسب ذیل ہے:

غزل مرثیہ محزوں

ملا چلا خنجر کٹا جس دم گلا شیر سوار کا زمیں لرزی فلک کانپا اٹھا شور محشر کا

سلہ قسمت ملا مرثیہ از مولوی محمد یونس مرحوم برادر خورد مولوی نوازش علی صاحب طیب الرحمۃ ۱۲۳۳ھ یک ہزار و دو صد ملی کوشش ہمری بہ اصلاح استادی و مرشدی حضرت فرد مدظلہ العالی، (ص۱۳۳۔ جلد سوز چلاوی)

Marfat.com

ع۲ عزیزو قصۂ اندوہ و طومار جفا کہئے — کہیے کیا غم سے ہوا ہے گریباں چاک دفتر کا
ع۱۸ ہوا خورشید محشر کا جہاں میں ہر طرف روشن — بدن سے کاٹ تیرہ پر رکھا جب سیس سر کا
ع۲۴ اگرچہ دست کوتاہ ہوئیں یہ محزوں بچارا ہے — نہ چھوٹے گا قیامت بیچ دامن سبط سرور کا

تمام شد غزل مولوی غلام جیلانی صاحب علیہ رحمۃ متخلص بہ محزوں و در غزلیات فارسی کہ دیوان مرتب شدہ ست تخلص ایشاں سرشار ہ فقط۔

(قلمی نسخہ مجلد، پھلواری شریف، سنہ تصنیف ۱۲۰۶ھ)

شیخ غلام یحییٰ قدس سرہٗ حضور متوفی ۲۰۶ھ

جناب غلام یحییٰ کا شمار عظیم آباد کے مشائخ میں تھا۔ مذہب حنفیہ، مشرب چشتیہ۔ طبابت میں بھی مہارت تھی۔ آپ کے مرید و معتقد بہ کثرت تھے۔ آپ شاہ محمد مظہر بن شاہ محمد اطہر کے بیٹے تھے۔ تاریخ وفات ۸ جمادی الثانی روز جمعہ ۱۲۰۶ھ آپ نے کسی کی شاگردی نہیں کی۔ تجارت کرتے تھے۔ انھوں نے درگاہ شاہ ارزاں کی توصیف میں ایک مثنوی تقریباً ۱۱۹۰ھ میں لکھی تھی۔ چند شعر حسب ذیل ہیں ؎

مزار اوس کی پہ گنبد نہیں، ہے قبہ نور — وہاں ہے جلوہ نما کچھ عجب طرح کا ظہور
وہاں جو حوض نظر آتے ہیں وہ حوض نہیں — میں دیکھا چشم صداقت سے آج اوسکے تئیں
اور ایک طرف سین پری رو ہیں مایۂ تسخیر — لیے دلوں کو پھنسانے کو زلف کی زنجیر
عجب طرح کی ہے اون کی نگاہیں کیا کہیے — وہ کھپ رہی ہے مرے دل میں آہ کیا کہیے

جب اون کے چاہ ذقن کا خیال آتا ہے
تو کیا کہوں مرا جی ڈوب ڈوب جاتا ہے

حضور کی غزلوں سے اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

۱؎ قلمی نسخہ میں "ہے" چھوٹ گیا ہے۔ ۲؎ "تذکرۃ الصالحین" مؤلفہ مولوی محمد حبیب اللہ، اور "تذکرۂ گلزار ابراہیم"، ۳؎ تاریخ شعرائے بہار، بلخی ص ۱۴-۱۵۔

Marfat.com

(۱)

جو ہوں آپ بیرونِ در جائیں گے　　خدا جانے کس کس کے گھر جائیں گے

. . . . . .

مُسافر ہیں لیکن نہیں جانتے　　کہاں سے ہم آئے کدھر جائیں گے
تمنّا میں بوسہ کی کہتا ہے جی　　بدن سے نکل بھی اگر جائیں گے
تو ہے ایک دم اور ہزاروں اُمید ق　　لبوں پر کوئی دم ٹھہر جائیں گے
یہ حرمت نبھی اب تلک جس طرح
حضورؔ اتنے دن بھی گذر جائیں گے

(۲)

آبرو اُلفت میں اگر چاہیئے　　رکھیئے سدا چشم کو تر چاہیئے
دِل تجھے دے ہی چکے، جان بھی　　لیجیئے حاضر ہے اگر چاہیئے

. . . . . .

دل بھی جو ا ہر ہے ولیکن حضورؔ　　اِس کے پرکھنے کو نظر چاہیئے

(۳)

منعم نہ ہو مغرور، سُدا پاس کسو کے　　سیم و زرو گوہر نہ رہا ہے نہ رہے گا
گر عیش میسر ہو تو کر لیجے کم و بیش　　سب وقت برابر نہ رہا ہے نہ رہے گا

(۴)

ہے افسوس اے عمر جانے کا تیرے　　کہ تو میرے پاس ایک مدت رہی ہے
یہ طوفانِ اشک اس میں آنکھوں کی کشتی　　تعجب ہے کیوں کر سلامت رہی ہے

خانقاہ عادیہ، منگل تالاب، پٹنہ سٹی کے سجادہ نشین مولانا صبیح الحق صاحب کے پاس حضورؔ کی چند مثنویاں ہیں۔ ایک کا عنوان "مثنوی در تعریف درگاہ شاہ ازرل" ہے۔ اس کے ۸۴ اشعار محفوظ ہیں۔ چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

---

[1] معاصر، پٹنہ، دسمبر ۱۹۴۰ء ص ۶۷-۶۸

Marfat.com

خُدا اگر مری آنکھوں کو دیوے بینائی — تو کیجئے عالمِ کثرت میں سیر یکتائی
گُلِ ظہور سے اُس کے ہے یہ جہاں گلزار — جو چشم ہووے تو ٹک دیکھئے یہ باغ و بہار
بندھی ہے کیا ہی تہِ آسمان یہ صورتِ دہر — بسے ہیں صفحہ روئے زمیں پہ کیا کیا شہر

رَواں کروں ہوں میں اس کو سوئے عظیم آباد — کہ وہ بھی زور ہے بستی رکھے کریم آباد

جو لوگ بولتے ہیں صوبۂ بہار ہے یہ — بکسر بے غلط اِنعام ہے بہار ہے یہ

غرض جو ہے تو یہی ہے کہ اسکو لوگ پڑھیں — گناہگار ہوں شاید دُعائے خیر کریں

حضورؔ کی دوسری مثنوی ہجو یہ ہے۔ یہ ناقص الاخر ہے۔ کُل ۳۱ اشعار ملے ہیں ؎

گر ولایت سے رزالا بھی یہاں آتا ہے — اپنے تئیں عُمدہ و اشراف ہی کہلاتا ہے

وہاں کے درزی کے کتر بیونت کی باتیں جو سُنو — اس کی قینچی سے زباں چلتے جو دیکھو تو کہو
ایسا کوئی صاحب تقریر نہ ہووے گا بشر — جامۂ طرزِ سخن قطع ہوا ہے اُس پر

حضورؔ کی تیسری مثنوی ایک مہاجن کی ہجو میں ہے۔ اِس کے ۲۲ اشعار ملے ہیں ؎

مہاجن ایک ہے گر ذکر اس کے نام کا کیجئے — تو ساری عمر پچھتانے سے اپنا ہاتھ دھو لیجئے
کسو کو وقت کھانے کے اگر اس کا خیال آوے — تو ہر چاول کا دانہ پارۂ الماس ہو جاوے

اپنے گھر بیچ جو پالے ہے وہ مُرغا مرغی — دانہ کھانے کے تئیں پاتی ہے کچھ کیا مُرغی
تھوکتا جا ہے زمین پر کہ غذا ہو اُس کی — صبح سے شام تلک رینگی یہی خُو اُس کی
مُرغی اس وقت نہ ہو اور کنکھار آجاوے
جمع کر مُنہ میں لیے رہتا ہے جبتک آوے

Marfat.com

اصالت خاں ثابت متوفی ۱۲۰۶ھ

اصالت خاں، تخلص ثابت، متوطن عظیم آباد۔ قوم افاغنہ میں سے تھے۔ سنجیدہ وضع، خوش اخلاق، گرم جوش و ثابت قدم۔ اواخر میں مرزا۔۔۔ فدوی۔۔۔۔ کے شاگرد ہوئے۔ ۱۲۰۸ھ میں وفات پائی۔ کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے:

روشن ہے میرے سینۂ سوزاں میں داغ ایک
تاریک گھر میں جلتا ہو جیسے چراغ ایک

زلف و رُخ سے دُور پڑے ہیں، کہ دل اب کیا کام کریں
شام سے رو رو صبح کریں، یا صبح سے رو رو شام کریں

اب پیار کرو ہو ہمکو کیا ہے پیارے کہیں دل تو نہیں لگا ہے

ہیبت قلی خاں حسرت متوفی ۱۲۱۱ھ

نام میر محمد حیات، عظیم آباد کے رہنے والے۔ مرزا مظہر جانجاناں دہلوی کے شاگرد پہلے میر باقر حزیں کے شاگرد تھے۔ ایک دیوانِ ریختہ جس میں قریباً دو ہزار اشعار ہیں، ان کی یادگار ہے۔ فلن صاحب کے بقول ایک قصہ "طوطی نامہ" بھی ان کا تصنیف کیا ہوا تھا۔ حسرت کا دیوان حسرت موہانی کے پاس تھا۔ اور انھوں نے اس کا انتخاب بھی شائع کیا ہے۔

تاریخ شعرائے بہار میں بلخی صاحب ان کا لقب ہیبت قلی خاں لکھتے ہیں۔ پروفیسر

سلہ معاصر، پٹنہ، جولائی ۱۹۴۲ء۔ از قاضی عبدالودود۔ بحوالہ تذکرۂ عشقی۔

سلہ تاریخ شعرائے بہار، بلخی ص۱۱۔ سلہ قاضی عبدالودود صاحب۔ صباحۂ عام۔ عید نمبر ۱۹۵۲ء ص۱۹۔

Marfat.com

درّانیؔ اپنی کتاب "بہار اور اُردو شاعری" میں لکھتے ہیں: "گلشن بیخار میں بجائے بیعتؔ قلی خاں کے ہیبت قلی خاں لکھا ہے۔ لیکن میرے خیال میں یہ صحیح نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" (ص۳۸) پروفیسر عطاء الرحمٰن کاکوی لکھتے ہیں۔ "درّانیؔ صاحب نے باصرار ان کا لقب بیعتؔ قلی خاں لکھا ہے۔ یہ غلط ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور سب تذکرہ نگار متفق ہیں کہ یہ عظیم آبادی تھے۔" خود عطاؔ صاحب لکھتے ہیں کہ "میر محمد حیات نام، ہیبت قلی خاں لقب، حسرتؔ تخلص، خاص عظیم آباد کے رہنے والے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" (ساقیؔ، پٹنہ۔ عید نمبر ۱۹۵۵ء ص۱۹) قاضی عبد الودود صاحب ہیبت قلی خاں ہی لقب لکھتے ہیں۔ عجیب بات ہے دلیل نہ درّانیؔ صاحب دیتے ہیں اور نہ عطاؔ صاحب۔ تذکرۂ شورشؔ میں حسرتؔ کے ۶۶ اشعار درج ہیں۔ گلشن ہندؔ، میں ۴۱ شعر اور "مسرت افزا" میں ۳ شعر۔ "جواہر سخن" مرتبہ کیفیؔ چڑیاکوٹی میں غزلوں کے ۴۹ شعر فرداً فرداً پیش ہوئے ہیں۔ نمونۂ کلام حسب ذیل ہے:

ترا غرور مرے عجز کے مقابل ہے
اُدھر پہاڑ اِدھر ایک شیشۂ دل ہے

آپ ہی اپنے یار تھے جانا نہیں
غیر میں بھولے تھے پہچانا نہیں

ہم نہ ہوں تو ہو تو سب چرچا کریں
شمع ہے محفل میں پروانہ نہیں

کعبہ بھی ہم گئے نہ گیا اُن بتوں کا عشق
اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں

لے اوڑا کام اپنا پروانہ
ہائے ہم بال و پر نہ رکھتے تھے

Marfat.com

شاہ کمال علی کمالؔ متوفی ۱۲۱۵ھ

شاہ کمال علی[1]۔ تخلص کمالؔ۔ متوطن مان پور، ضلع گیا۔ سکونت دیورہ، متصل بہار شریف۔ اُردو، فارسی دونوں میں کہتے تھے۔ ان کا دیوان قاضی عبدالودود صاحب نے بہ اقتباط معاصر، پٹنہ میں شائع کرایا ہے۔ "اُن کے دیوان اُردو سے کہیں زیادہ اہم ان کی مثنوی ہے۔" (ق۔ع۔د) مثنوی فلسفہ آمیز تصوّف سے بھری ہوئی ہے۔ کہیں کہیں عاشقانہ رنگ بھی ہے۔ مُلاحظہ ہو ؎

بہار آئی ہے کس شوکت سے امسال — بنفشہ پر ہوا سُنبل چنور ڈھال
سماتا نہیں ہے اَب گُل پیرہن میں — یہ کس کی بُو صبا لائی چمن میں
یہ کس کے آنے کا مژدہ لے آئی — یہ ایسی بُو صبا نے کس سے پائی
عجب کیا ہے جو بُلبل کی فغاں سے — گرہ کھُل جائے سوسن کی زباں سے

سبھی دستاں سَرا کیا غُنچہ کیا گُل
ڈریں ہیں باغ میں کیا غنچہ کیا گُل

شیخ محمّد عابدؔ دِلؔ

شیخ محمد عابد نام۔ دِلؔ تخلص۔ وطن عظیم آباد۔ شیخ محمد روشن جوششؔ کے بڑے بھائی تھے۔ دونوں بھائی جسونت رائے ناگرؔ کے بیٹے تھے۔ صاحب دِل، مردِ کامل، بے نیاز و بے ریا، عابد و عاشق مزاج، صاحبِ اخلاقِ حمیدہ، نواب

---

[1] تاریخ شعرائے بہار، بلخی ص۶۳۔ و صدائے عام، عید نمبر ۱۹۵۳ء ص۲۰

[2] تذکرہ مسرت افزا۔ نسخہ قلمی آکسفورڈ و معاصر، پٹنہ ۱۹۵۴ء و ۱۹۵۵ء۔ ابوالحسن امراللہ الہ آبادی۔ مُلاحظہ ہو، دیوان جوششؔ، قاضی عبدالودود ص ۱۰۔۱۷۔ اور تذکروں میں بھی اس امر کا ذکر ہے۔

[3] تاریخ شعرائے بہار، بلخی ص۱۹۔

خلیل لکھتے ہیں کہ ۱۱۹۳ھ ہجری میں عابد دل نے اپنا کلام مرشد آباد بھیجا۔ تاکہ "تذکرۂ گلزار ابراہیم" میں درج کیا جائے۔ غالباً شیخ محمد روشن جوشش نے بھی اپنا کلام وہاں روانہ کیا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ پروفیسر سید حسن عسکری صاحب اور عزیزم پروفیسر حسنین کو حال ہی میں مرشد آباد کے سرکاری کتب خانہ میں جوشش کا ایک اور دیوان ملا جس میں قاضی عبدالودود صاحب کے مرتب کردہ دیوان سے زیادہ غزلیں ملتی ہیں۔

قاضی عبدالودود لکھتے ہیں: "اُن[1] کا دیوان سُنا گیا ہے کہ پٹنہ میں ایک صاحب کے پاس ہے۔ انھوں نے اُردو عروض پر عروض الہندی کے نام سے ۱۱۷۶ھ میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ جس کے دو نسخے میری نظر سے گزرے ہیں۔" نمونۂ کلام حسب ذیل ہے ؎

بدنام ہوئے مفت میں حاصل نہ ہوا کچھ
فریاد کی نسبت تو خموشی میں اثر تھا

گر یار نے آنے کا وعدہ نہ کیا ہوتا
اب تک دلِ مضطر نے کیا کیا نہ کیا ہوتا

مجھے تو حکمِ ضبطِ نالہ و فریاد ہوتا ہے
پر اس بیتاب دل کے حق میں کیا ارشاد ہوتا ہے

جون آئینہ یہ ستم رسیدہ
رہتا ہے مدام آب دیدہ

---

[1] صدائے عام، عید نمبر ۱۹۵۳ء۔ ص۱۹

نوٹ، عشقی عظیم آبادی کے بیان سے دل کا دہلی سے عظیم آباد آنا ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن کسی دوسرے تذکرے سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ مقدمہ دیوان جوشش، از قاضی عبدالودود ص۱۵۔

Marfat.com

شیخ محمد روشن جوشش

قریباً ۱۱۵۰ھ تا ۱۲۱۶ھ قریباً

محمد روشن نام۔ جوشش تخلص۔ شیخ محمد عابد دل کے چھوٹے بھائی۔ نومسلم جوشش کا سال ولادت و وفات معین نہیں۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ کس کے شاگرد تھے۔ قاضی عبدالودود صاحب نے دیوان جوشش جناب عبدالرشید نیموی کے قلمی نسخہ سے مرتب کیا ہے۔ اسے انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی نے ۱۹۴۱ء میں شائع کیا۔ قاضی عبدالودود لکھتے ہیں: "ان کے دیوان کا صرف ایک نسخہ قلمی باقی ہے۔" لیکن اب پروفیسر حسن عسکری صاحب اور ڈاکٹر حسین نے دیوان جوشش کا ایک اور قلمی نسخہ مرشد آباد کے سرکاری کتب خانہ میں دیکھا ہے۔ دیوان مطبوعہ کے مقدمہ میں جوشش کے حالات، مرتب نے نہایت کاوش سے پیش کردیے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"جوشش، عظیم آباد کے مایۂ ناز شاعروں میں ہیں۔ ہمعصر تذکرہ نگار ان کی استادی کے قائل ہیں۔ اور شیفتہ سا مشکل پسند نقاد ان کی نغزگوئی کا معترف ہے۔" (دیوان جوشش ص۳)

"جوشش کے واقعاتِ زندگی تذکروں میں بہت کم ملتے ہیں، اور دیوان بھی اس پر زیادہ روشنی ڈالنے سے قاصر ہے۔" (ص۴)

جوشش تذکروں میں

(۱) تذکرۂ میر حسن، طبع ثانی ص۲۳: "میاں محمد روشن، المتخلص بہ جوشش مردے ست ساکن عظیم آباد، خوش طینت و نیک اعتقاد۔ شاعر شیریں کلام۔ صاحب دیوان از خاصانِ آں دیار است۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

(۲) تذکرۂ شورش۔ نسخہ قلمی آکسفورڈ: "محمد روشن ۔ ۔ ۔ از خاک عظیم آباد ۔ ۔ ۔ ۔ در نظم و نثر صاحب استعداد۔ حسن معانی و شستگیٔ الفاظ از کلامش ظاہر۔ ۔

لہ فوٹو اسٹیٹ پٹنہ یونیورسٹی لائبریری۔

Marfat.com

غزل و قطعہ و رُباعی و مخمس وغیرہ بہ فصاحت و بلاغتِ تمام بہ زبان قلم می آرد۔ ۔ ۔ مذاقِ درویشانہ دارد۔ ۔ ۔ ۔ دیوانش قریب سہ ہزار شعر خواہد بود۔"

(۳) مسرّت افزا، مرتبہ ابوالحسنؒ[1] امراللہ الہ آبادی، نسخۂ قلمی آکسفورڈ یونیورسٹی: "میاں محمد روشن، جوشش برادرِ خُرد محمد عابد دِلؔ کہ ہر دو برادر از صلب جسوَنت رائے ناگر چون ابراہیم خلیل از آذر ظاہر شد۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دیوانِ اشعارِ وے مرتب ست۔"

(۴) گلشنِ سخن قلمی مرتبہ مردان علی خاں بتلاؔ: "۔ ۔ ۔ ۔ جوشش ۔ ۔ ۔ ۔ رفیقِ راجہ رام نرائن ناظم عظیم آباد بود۔ ۔ ۔ ۔ کلامش مرغوبِ طبعِ سخن سنجان و در نظم و نثر صاحب استعداد۔ دیوانش دو ہزار بیت دیدہ شد ۔ ۔ ۔ ۔"

(۵) تذکرۂ قدرت اللہ شوق و قُدرت: "۔ ۔ ۔ ۔ اشعار دال بر جوشش دلی اوست۔ ۔ ۔ ۔"

(۶) گلزارِ ابراہیم: "جوشش ۔ ۔ ۔ ۔ از اہالی صوبۂ بہار۔ ۔ ۔ ۔ ابیات منتخبۂ دیوان خود در ۱۱۹۴ھ ہجریہ بعد اقم آثم فرستادہ۔ ۔ ۔ ۔ می تو ان گفت کہ شیوۂ خواجہ میر درد را بہ خوبی ورزیدہ۔ ۔ ۔ ۔"

(۷) تذکرۂ عشقی عظیم آبادی: "جوشش، اِسمش محمد روشن۔ ۔ ۔ ۔ از ریختہ گویانِ با استعدادِ عظیم آباد ست۔ ۔ ۔ ۔"

(۸) تذکرۂ ہندی مصحفی ص۶۰: "محمد عابد جوشش تخلص۔ ۔ ۔ ۔ قاضی عبدالودود صاحب لکھتے ہیں: "نام کے متعلق مصحفی کی غلط بیانی حیرت انگیز ہے۔"
(دیوانِ جوشش ص۱۶)

(۹) ریاض الفصحا مصحفی ص۶۸: "میاں محمد روشن۔ جوشش تخلص از قد ماست۔ ۔ ۔ ۔"

(۱۰) گلشنِ ہند مرتبہ مرزا علی لُطف، طبع اوّل ص۷۶۔ گلزار ابراہیم کا ترجمہ ہے۔ دو ایک تعریفی فقرے بڑھا دیے ہیں

---

[1] فوٹو اسٹیٹ پٹنہ یونیورسٹی لائبریری۔ ابوالحسن ۱۱۹۲ھ میں عظیم آباد آئے اور کچھ دنوں یہاں مقیم رہے تھے۔ ۔ ۔ ۔ جوشش

(۱۱) گلشنِ بے خار، مرتبہ شیفتہ دہلوی مطبوعہ مطبع اودھ اخبار ۱۹۱۰ء ص۵۱:
"جوشش تخلص، شیخ محمد روشن، از تازہ خیالان عظیم آباد ست۔ ۔ ۔ ۔ فکرش دل پزیر و دل کش ۔ ۔ ۔ طرز پسندیدہ۔ ۔ ۔ ۔ در فن عروض بسیار مہارت دل خواہ دارد ۔ ۔ ۔ ۔"

(۱۲) تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی مصنفہ دتاسی جلد ۲ طبع ثانی ص۱۰۹
"جوشش ۔ ۔ ۔ شیخ محمد روشن پٹنوی، پسر جسونت رائے ناگر و برادر محمد عابد دل فن بیان کے ایک ممتاز ماہر اور بڑے قابل ہندوستانی شاعر ہیں جن کے دیوان میں ۳۰ ہزار کے قریب شعر ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ قاضی عبدالودود صاحب لکھتے ہیں کہ "تین کی جگہ تیس ہزار محض سہو قلم ہے۔"

حالاتِ زندگی: جوشش کے والد جسونت رائے ناگر عہد علی وردی خاں کے ممتاز فوجی سرداروں میں سے تھے "ناگر گجراتی برہمنوں کی ایک شاخ ہے، جسے سیف و قلم دونوں سے لگاؤ رہا ہے۔"[1] محمد روشن ۱۱۵۰ھ کے قریب عظیم آباد میں پیدا ہوئے۔ یہیں تعلیم و تربیت حاصل کی موسیقی کا شوق تھا۔ تیراندازی میں ماہر تھے۔ ان کی زندگی کا سب سے اہم واقعہ مشرف بہ اسلام ہونا ہے۔" یہ[2] واقعہ ۱۱۷۰ھ اور ۱۱۷۶ھ کے درمیان وقوع میں آیا ہوگا۔" جوشش نے شیخ علی حزیں سے فیض پایا تھا۔ ان کے نام شیخ کے دو خط دستیاب ہوئے ہیں۔[3] جوشش ۱۲۱۶ھ زندہ تھے۔ محمد قلی خاں، مشتاق، میر منوچہران عظیم آبادی، میرا فضل علی نیاز اور مرزا علی رضا تمنا عظیم آبادی ان کے شاگردوں میں تھے۔ نظم میں دیوان اور نثر میں رسالۂ قافیہ یادگار ہیں۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے۔ سیر حاصل مطالعہ دیوان مطبوعہ سے ہوسکتا ہے ؎

جو دل کے جلوہ گاہ ہوا اُس کے نُور کا
مشتاق وہ نہیں ہے تجلّیٔ طور کا

---

[1] و [2] و [3] دیوان جوشش، ق۔ ع۔ د، ص۱۹، ص۲۹، ص۳۰

Marfat.com

کیوں نہ مضطر ہوں اسے دیکھ کے دیکھو تو سہی
شمع کے سامنے کیا حال ہے پروانے کا

ہر ایک خارِ بیاباں رکھے ہے نوکِ زباں یہ ماجرا ہے ہماری برہنہ پائی کا

وہ زمانہ کیا ہوا جو مرے گلے میں اثر تھا
یہی چشمِ خوں فشاں تھی۔ یہی دل، یہی جگر تھا

غزلوں کے علاوہ رباعیات، مخمسات، مثنویات، قطعات اور قصائد دیوانِ مطبوعہ میں موجود ہیں۔

○

میر محمد رضا رضاؔ

۱۱۶۳ھ تا ۱۲۱۶ھ[1]

میر محمد رضاؔ ابن میر جمال الدین حسین جمالؔ۔ تخلص رضاؔ۔ یہ ضیاؔ دہلوی کے شاگرد تھے۔ رضاؔ کا ذکر مختلف تذکروں میں ہے۔ مثلاً تذکرۂ شورش عظیم آبادی قاضی عبدالودود صاحب کو ان کا دیوان ملا تھا جو بہ اقساط رسالہ معاصر[2]، پٹنہ میں شائع ہوا تھا۔ بعد از آں ایک سیر حاصل مقدمہ کے ساتھ دیوان کو یکجا مربوط کرکے پیش کیا گیا۔ نمونۂ کلام حسب ذیل ہے ؎

مجھ آگے گرفتاری ہوئی تھی نہ اتنی زندگی بھاری ہوئی تھی
رضاؔ کا اب خدا حافظ ہے یارو یہی مجنوں کو بیماری ہوئی تھی

مجھ کو کچھ دل پہ اختیار نہیں تمہیں اس گھر کے اب تو سب کچھ ہو

---

[1] صدائے عام، عید نمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۰۔ ق۔ع۔ د [2] معاصر ۱۹۳۳ء دائرہ ادب، پٹنہ۔

Marfat.com

ایک تو آپ ہی مروں ہوں میں — درد جی کو کھپائے جاتا ہے
پوچھنا تس پہ دوست داروں کا — اور بھی جان کھائے جاتا ہے

مفتی غلام مخدوم ثروت

۱۱۴۵ھ تا ۱۲۱۹ھ

مفتی غلام مخدوم خلف مولوی جمال الدین پھلواروی۔ شاگرد[1] شاہ آیت اللہ شورش ثم جوہری ثم مذاقی۔ پیدائش ۱۱۴۵ھ۔ وفات ۱۲۱۹ھ۔ ابتدا میں مفلوک الحال تھے۔ آخر میں کسی مقدمہ متروکہ کی بدولت ثروت کو سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی سے چالیس ہزار روپے ملے۔ غزل کا ایک شعر بلخی نے درج کیا ہے ؎

آستیں جو ہوگئی دریا بداماں اشک سے
چشم یہ مجکو نہ تھی اے چشم گریاں اشک سے

مخطوطات پھلواری میں ثروت کا مرثیہ بھی ملتا ہے۔ نمونۂ کلام حسب ذیل ہے:

مرثیہ ثروت

(۱)

جب خاک پہ شہ بیٹھے اوتر خانہ زیں سے — سر کاٹ لیا شمر نے آخنجر کیں سے
اوس سر کو جو رفعت تھی سر عرش بریں سے — نیزہ نے رکھا سر پہ اوٹھا اوسکو زمیں سے

(۲)

بیٹھا جو اوتر گھوڑے سے وہ شاہ دلاور — تھے زخم لگے اوس تن [illegible]
جیونکر کے شفق میں ہو چھپا مہر منور — تھی چہرہ کی صورت بھی وہی خون جبیں سے

---

[1] تاریخ شعرائے بہار، بلخی ص۶۷۔ [2] بندیہ حکیم شعیب صاحب مرحوم

(۳)

وہ صیدِ حرم ماندہ و مجروح تھا بیٹھا — تھے دام کے حلقہ کی طرح گرد سب اعدا
یوسف کا غرض دیکھ کے بگڑا ہوا سودا — دس تھے سگ گرگیں اوٹھے ایک بار کہیں سے

(۴)

اون سب سگ ناپاک میں اک خوک شمر تھا — نہ شرم پیمبر اوسے نہ حق سے خطر تھا
دل اُس سگِ ناپاک کا سختی میں ہجر تھا — اوس سگ کو عداوت تھی مرے شیر غریں سے

مرثیہ میں کل ۳۲ بند ہیں۔ آخری بند ملاحظہ ہو:

(۵)

میں دَر کا گدا ہوں تیرے اور تو میرا شاہ ہے — تجھ مولیٰ کے ہاتھوں سے غلاموں کی نباہ ہے
ثروت ترا بندہ ہے خدا اس کا گواہ ہے — واثق مجھے امید ہے تجھ حبل متیں سے

"تمت المرثیہ فی سنہ ۱۲۱۲ھ یکہزار و دو صد و دوازدہ ہجری از تصنیفات مفتی غلام مخدوم صاحب علیہ رحمۃ متخلص بہ ثروت"

(مجلد قلمی نسخہ پھلواری شریف ص ۵۲۔ ۵۱)

خواجہ امین الدین امین

خواجہ امین الدین نام۔ امین تخلص۔ عظیم آباد کے رہنے والے۔ میر حسن نے امین کو مرشد آبادی لکھا ہے۔ یہ غلط ہے۔ وہ کچھ دنوں تک نواب ناظم مرشد آباد کے یہاں ملازم رہے تھے۔ نواب شیفتہ نے اپنے تذکرہ "گلشن بے خار" صفحہ ۱۲۶ پر میر حسن کی تردید کی ہے۔ لکھا ہے: (امین) "از ارباب عظیم آباد ست" دوسرے تذکرے بھی امین کو عظیم آبادی بتاتے ہیں)۔

نواب مظفر جنگ میر محمد رضا کی سرکار سے منسلک تھے۔ نجم الدولہ کی طرف سے میر محمد رضا خاں مظفر جنگ نائب ناظم مقرر ہوا۔ صوبۂ بہار میں میر محمد کاظم خاں اور راجہ شتاب رائے حکومت نیابتی کرتے تھے۔ راجہ دھیرج نرائن برادر راجہ رام نرائن دیوان مقرر ہوا۔ جب دربار کا سلسلہ درہم برہم ہوا۔ اور نائبین عظیم آباد

قید کر لیے گئے تو خواجہ امین خانہ نشین ہو گئے اور نہایت قناعت سے بقیہ زندگی گزار دی۔ سنہ ۱۲۴۰ھ تک زندہ تھے[1] (بلخی)

اِن سے اور نواب علی ابراہیم خاں خلیل سے بھی ربط و تعلق تھا۔ فارسی اور اُردو زبانوں میں فکر سخن کرتے تھے۔ "دیوان[2] فارسی کا ایک نسخہ خانقاہ عمادیہ عظیم آباد محلہ منگل تالاب کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ریختہ کا دیوان اب نایاب ہے۔" تذکروں میں زیادہ حال نہیں ملتا۔ گلزار ابراہیم میں ان کی تعریف و توصیف یوں ہے۔ "شعر فہمی اور سخن رسی میں نادرِ روزگار ہیں۔ بلندی فکر اور استقامت ذہن ایسی رکھتے ہیں جو ان کے معاصرین میں کم تر پائی جاتی ہے۔" (ترجمہ)

نمونۂ کلام مُلاحظہ ہو ؎

دُنیا میں جو آکر نہ کرے عشق بتاں کا　　نزدیک ہمارے نہ یہاں کا نہ وہاں کا

خورشید ترا دیکھ کے مُنہ کانپ کے نکلا　　مَہ چادرِ مہتاب میں مُنہ ڈھانپ کے نکلا

گر ارادہ نہیں ہے آنے کا　　فائدہ اس قدر بہانے کا

آئی بہار ہو گئے ہر خار راہ سبز　　لیکن ہوئے نہ آہ یہ بختِ سیاہ سبز

کیا کہوں یارسے اپنی سی کیے جاتا ہوں　　گالیاں کھاتا ہوں، غصہ کو پیے جاتا ہوں

---

[1] سنہ وفات کا صحیح پتہ نہیں چلتا۔ خمخانۂ جاوید سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۲۵۸ھ (سنہ ۱۸۴۲ء) تک زندہ تھے۔ (دلدادہ)

[2] تاریخ شعرائے بہار، عزیز بلخی ص۴۔

نوٹ: خواجہ امین الدین کے ہمعصر ایک اور شاعر مولانا محمد امین اللہ، موضع نگر نہر ضلع عظیم آباد کے گزرے ہیں۔ وفات سنہ ۱۲۳۳ھ۔ فارسی میں "قصیدۂ عظمیٰ" مشہور ہے۔

Marfat.com

فائدہ کیا ہے بھلا ہم جو کریں فکرِ معاش　　غم کو کھاتے ہیں امیؔن خون جگر پیتے ہیں

میں بوسہ جو مانگا تو جھنجھلا کہ وہ　　لگا کہنے کیا ہے۔ کہا کچھ نہیں

دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی　　عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی
صبح گر صبح قیامت ہو تو کچھ پروا نہیں　　ہجر کی جب رات ایسی بے قراری میں کٹی
اس زمانے میں امیؔن مت کر کسی سے دوستی　　شمع کی گردن نہ دیکھی دوستداری میں کٹی

دل باندھئے تو یار کے کاکل سے باندھئے　　بلبل کو باندھئے تو رگِ گل سے باندھئے

ایک دم ہوگئی گر اوس سے ملاقات تو کیا　　زندگی کا ہے مزا یہ کہ مساوات کئے

دُنیا میں کہنے کو سبھی کہلاتے ہیں بھلے　　پر ہے وہی بھلا جو کسی کا بھلا کرے

(تاریخ شعرائے بہار، بلخی ص۵)

خواجہ صاحب کے کلام میں شوخی، بے ساختگی اور لطیف ظرافت کے ساتھ رنگِ تصوف بھی جھلکتا ہے، زبان صاف اور رواں ہے۔ امیؔن کی مثنوی کے انیس شعر مرزا علی لطف نے گلشنِ ہند میں نقل کیے ہیں۔

○

شاہ نورالحق طپاںؔ پھلواروی

۱۱۵۶ھ تا ۱۲۲۳ھ

شاہ نورالحق بن شاہ عبدالحق ابدال بن حضرت پیر مجیب اللہ پھلواروی پیدائش[1]

---

[1] حکیم شعیب صاحب مرحوم کے ریکارڈوں سے ان تاریخوں کا پتہ چلتا ہے۔ بلخی اور مولوی تمنا پھلواروی نے بھی یہی تاریخیں لکھی ہیں۔ (تاریخ شعرائے بہار، ص۲۹ اور معاصر، پٹنہ، جنوری ۱۹۴۲ء ص۳۰)

Marfat.com

۱۱۵۶ھ (جمادی الاولیٰ)۔ بیعت اور اجازت خلافت حضرت پیر سے ۱۱۷۳ھ میں حاصل کی۔ اپنے پھوپھا حضرت سجاد کی بڑی لڑکی سے بیاہے گئے۔ حضرت سجاد کے بعد اُن کی جانشینی بھی قبول کی۔ ۱۲۰۰ھ میں شاہ نورالحق نے اپنے لڑکے حافظ شاہ ظہورالحق کو اپنی زندگی میں خلافت عطا کردی اور خود گوشہ نشین ہوگئے۔ آپ کا انتقال ۴ شعبان ۱۲۳۳ھ کو پٹنہ میں ہوا۔ لاش پھلواری شریف لائی گئی۔ وہیں مدفون ہیں۔

" اورادو وظائف کے مختلف رسائل کے ماسوا فارسی کے دو کلیات ضخیم آپ کی تصانیف سے ہیں۔ ایک بیاض ضخیم اُردو مراثی کی ہے۔" (بلخی) مراثی کی ایک بیاض میری نظر سے گذری ہے۔ یہ مجھے خانقاہ سُلیمانیہ پھلواری سے حاصل ہوئی تھی۔ اس بیاض میں شاہ ظہورالحق کے مرثیے بھی ہیں۔ حکیم شعیب صاحب مرحوم کا یہ قول ہے کہ بیاض میں خود نوشتہ مرثیے ہیں۔ طپاں اور ظہور کی شان تحریر مرحوم بخوبی پہچانتے تھے۔ طپاں کے مرثیوں کی ایک دوسری قلمی بیاض پٹنہ سٹی کی خانقاہ میں ہے۔ پروفیسر ذکی الحق صاحب سلمہ بی۔ ان کالج نے اپنی تحقیقات کے سلسلہ میں دوسری بیاض کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ میں نے جو قلمی بیاض دیکھی ہے اُس کے مرثیوں کے اختتام پر تاریخ تصنیف یوں درج ہوتی ہے: "غمناک شد فی سنہ" فلاں یا "المناک شد فی سنہ" فلاں یا "خونبار شد فی سنہ" فلاں۔

جناب محی الدین تمنا پھلواروی نے طپاں کی اکیس غزلیں قلمی بیاضوں سے نقل کرکے رسالہ معاصر[1] پٹنہ میں شائع کروائی تھیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

جو کام تیرا ہے سو کر، رٹ یعنی نام اللہ کا
کرلیوے گا اللہ جو ہووے گا کام اللہ کا

ہوش والوں سے جو سنتا ہے فسانہ تیرا بیٹھا منہ پھیر کے ہنستا ہے دوانہ تیرا[2]

---

[1] معاصر، جنوری ۱۹۴۲ء۔ ص ۳۵۔۳۱۔ اور معاصر، فروری ۱۹۴۲ء ص ۴۲۔۴۰

[2] تاریخ شعرائے بہار، بلخی میں صرف یہی شعر درج ہے اور یوں ہے ؎ (ص ۲۹)
عقل والوں سے جو سنتا ہے فسانہ تیرا
بیٹھ پھیرے ہوئے ہنستا ہے دوانہ تیرا

Marfat.com

عقل کو چھوڑ دیا تو نے تو ہشیاری کی　　پڑ گیا نام تپاں کیوں کر دوانہ تیرا

نا شاد نہیں بلبل ناشاد کے ایسا　　پھر بھی وہ نہیں اس دل برباد کے ایسا
ایمان کی یہ بات تپاں ہم تو کہیں گے　　اُستاد نہیں حضرت سجّاد کے ایسا

عزم آنے کا جو وہ اَئے دل بیتاب کریں　　فرش ہم راہ میں جا دیدۂ بیخواب کریں
لے لیا ہے تو کریں قدر بھی میرے دل کی　　آپ برباد نہ یہ گوہرِ نایاب کریں

بیچ دیویں گوہرِ دل کیوں نہ اوس دلبر کے ہاتھ　　قدر جوہر ہے لگے گر صاحب جوہر کے ہاتھ
جُھک نہ آوے دَست بوسی کے لیے پیرِ فلک　　لو نہ انگڑائی خدارا دونوں اوپر کر کے ہاتھ

ہوش بھی کوئی شے ہے رکھّے کی　　عقل سے کچھ تو کام کوئی لے
دیوے پرچک نہ چشم ساقی، گر　　کیوں بڑھا ہاتھ جام کوئی لے

مارتے ہیں نظر کے بھالے سے　　اور دیکھے ہیں بھولے بھالے سے
چارہ گر! ٹک سمجھ سے بھی لے کام　　موت ٹلتی نہیں ہے ٹالے سے
مُونہہ سے خُم ہی لگا دے اے ساقی　　کون پیتا رہے گا پیالے سے
اپنی کملی ہی میں مگن ہے تپاں　　کام کیا شال سے دوشالے سے

بانی کی جگہ مے تھی تو مٹی کی جگہ دُرد　　سر مست ازل سے ہے مری آب بھی گِل بھی
ہم جان رہے تھے کہ فقط زلف ہے آفت　　واللہ غضب ہے ترے رُخسار کا تِل بھی

اِک خواب سے بڑھ کر نہیں یہ ہستیٔ موہوم　　وہ خواب جو شرمندہ ہے تعبیر کے آگے

جی تو چاہے ہے بہت قاتل! مگر　　ہائے کب جی بھر کے تڑپا جائے ہے

Marfat.com

تیرے عاشق ، تیرے شیدائی کا یہ حال — ہائے کیسے تجھ سے دیکھا جائے ہے
لگ گئی ہے آگ سی سینے کے بیچ — اور دل کمبخت بجھتا جائے ہے
کب مٹے ہے دل سے یاد روئے یار — سر سے کب زلفوں کا سودا جائے ہے
منزلِ مقصود پاوے ہے وہی — جو ترے رستہ میں کھویا جائے ہے
اُٹھ رہا ہے درد دل جب بار بار — دل سے پوچھو کا ہے بیٹھا جائے ہے
اَب بُلاوا آرہا ہے ۔ یار کا — دو قدم بھی جب نہ جایا جائے ہے

دل کو سمجھا دیں ہیں یہ کہہ کہہ کے ہم — یار بس اَب آئے ہے اَب آئے ہے

اللہ رے اُمیدیں کوئی آوے ہے نہ جاوے — ہے در کی طرف آنکھ کہ شاید کوئی آوے

دِل مرا، میری نہیں کہتا ، تو پھر میرا نہیں — جب تمہارا ہی یہ گاتا ہے ، تمہارا ہو گیا

لگا دی اپنی آنکھوں سے جھڑی خود آخرش ہم نے — کہ رستہ کب تلک اے ابر رحمت دیکھتے رہتے
بڑھایا حضرت واعظ نے آخر ہاتھ ساغر پر — فقط بیٹھے ہوئے حضرت سلامت دیکھتے رہتے

بتکدے میں تم پہ کیا گذری تیاں بتلاؤ تو — بیٹھ کر مسجد میں کیوں یاد خدا کرنے لگے

مثنیہ کا نمونہ حسب ذیل ہے ؎

(۱)

کوفی کی مکر چالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے — روباہی یا شغالی ہے ہے
قتل حسین عالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے — اس فوج پر خلل کی ہے ہے

(۲)

لیا لیجئے ہائے دل میں جو آوے — پانی کا ایک قطرہ [illegible]
بڑھتا ہی لحظ لحظ دشمن کا فوج باوے — [illegible] یہ کیا بلا ہے

؎ فوج [illegible]

(۳)

پانی ملے کسی کو ہے ہے کہو کدھر سے ظالم نے راہ[1] روکا شمشیر سے سپر سے
مقتل پہ تشنگاں کی زہرا چشم تر سے آنسو کی برشگالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۵)

تھی کربلا کے بن میں قاسم بنے کی شادی شادی نہ کیئے اوس کو کیا کیئے نامرادی
اے دوستاں ستم ہے ظالم کی بدنہادی دولہ کی تنگ حالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۶)

کس چاؤ سے بنے نے خلعت زری کا پہرا باندھا چچا نے تسپر ہاتھوں سے اپنے سہرا
تر ہوگیا لہو سے دو ایک پل میں چہرا تن ہوگیا گلابی، ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۸)

یہ دن دیکھا یوں مت کسہو کو حق تعالےٰ دُلہن کے پاس روئیں عورات کرکے نالا
دولہ بے کا ڈوبا لوہو میں سر و بالا اور یہ بنی ہے بالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۱۱)

اکبر علی کی رن میں پھر جب گئی سواری بابا کی چشم تر سے خوناب دل تھا جاری
کیا کیئے اے محباں بانو کی بے قراری اور اوس کی نونہالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۱۲)

وو دودھ جوانی باردئے ارغوانی انگشتری کو چاٹے پاوے نہیں جو پانی
کٹ کر گرا زمین پر جیون سرو بوستانی کہا تیغ پرتگالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۱۳)

دو باغ مصطفےٰ کا تیریں مقال طوطی دلبند مرتضیٰ کا اور فاطمہ کا پوتا
شایاں تھا جس کے اُوپر عالم نثار ہوتا اوس کی شکستہ حالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۱۴)

کیا کیئے تشنگی سے اصغر علی کا رونا آغوش میں پدر کے پُھپکے شہید ہونا
پھر کرد زندگی کو لوہوے سرکے دھونا اور اوسکی خُرد سالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

---

[1] راہ، کو مذکر باندھا ہے۔

Marfat.com

(۱۵)

اصغر کی لاش لے کر رن سے پھرے جو سرور — لو ہوے تا بدامن جیب اور کنار سب تر
گودی میں شہر بانو کی ہائے ہائے لے کر — لاش اوس بچے کی ڈالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۲۶)

... کا پہرا اوترناں روضہ میں مصطفےٰ کے — شبیر کے لہو میں بازو کتیں ڈوبا کے
پر مارناں زمیں پر رونا فغاں اوٹھا کے — اور اوس کی سرخ بالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

(۲۷)

آنسو سے خشک کب ہیں آنکھیں کہو کسو کی — یہ نالۂ طپاں ہے یہ نیت آرزو کی
رونے کو مومنوں کے یہ طرز گفتگو کی — گو سب سے ہے نرالی ہے ہے یہ کیا بلا ہے

غمناک شد فی سنہ ۱۲۰۷ ہجری (غیر مجلد قلمی نسخہ پھلواری شریف خانقاہ سلیمانیہ)

ایک اور مرثیہ حسب ذیل ہے:

(۱)

کسی سے غم کی خبر کہیئے ہائے کیا کہیئے — زبان ہے شعلہ اثر کہیئے ہائے کیا کہیئے
نہ کہیئے کیونکی اگر کہیئے ہائے کیا کہیئے — کٹا حسین کا سر کہیئے ہائے کیا کہیئے

(۲)

زماں زماں ہی تو بڑھ تا ہے اپنے دل کا محن — بدل ہو نالے سے گر لائیے زباں پہ سخن
بہرا کے مثل شفق خون دیدہ سے دامن — بگوش شام و سحر کہیئے ہائے کیا کہیئے

(۴)

دو ماجرائے الم اب تلک ہے داغ جگر — جہاں تنور میں تھا حضرت شبیر کا سر
کہڑی جو روتی تھیں جنت سے بیبیاں آکر — اب اوسکو بار دگر کہیئے ہائے کیا کہیئے

(۲۲)

وداع ہوش کیا سر نے تن نے تاب و تواں — گری دو خاک پہ بیہوش ہو کے نالہ کناں
فغاں سے حضرت زہرا کے یہ تو کیا ہے حال — پٹا جہاں کا جگر کہیئے ہائے کیا کہیئے

لہ [illegible]

Marfat.com

(۲۷)

یہ سر ہے حضرت زہرا کے نور دیدہ کا — کہ جس پہ کرتی ہیں جنت سے آکے حور بکا
کہ اے پلید اسے کس گناہ پر کاٹا — چلا ہے لے کے کدھر کیئے ہائے کیا کیئے

(۲۸)

تو دلبران پیمبر کیتن یتیم کیئے — تو دختران علی پر ستم عظیم کیئے
خراب خانۂ دیں اپنا اے لیئم کیئے — جگہ تری ہے سقر کیئے ہائے کیا کیئے

(۳۰)

غم حسیں میں اوٹھتا ہے آسماں سے خروش — طپاں زمیں کے بھی چشموں سے اشک کا ہے جوش
کہو تو جس کے بیاں میں ہو جبرئیل خموش — کہاں ہے حد بشر کیئے ہائے کیا کیئے

غمناک شد فی ۱۲۰۷ھ ہجری (قلمی نسخہ غیر مجلد پھلواری)

غلام علی راسخ

۱۱۶۲ / ۱۷۴۹ متوفی ۱۲۳۸ھ

شیخ غلام علی نام۔ راسخ تخلص۔ شیخ محمد فیض کے بیٹے۔ متاخرین تذکرہ نویس موضع سائیں[1] کو راسخ کا مولد و وطن قرار دیتے ہیں۔ سائیں پٹنہ سے دس کوس کے فاصلہ پر ہے۔ غالباً راسخ بچپن سے ہی عظیم آباد آکر رہ گئے تھے۔ قریباً ۱۱۸۲ھ سے ۱۲۲۲ھ تک[2] یہ عظیم آباد میں بہت کم رہے۔ غالباً اسی وجہ سے راسخ جیسے جلیل القدر شاعر کا تذکرہ، گلزار ابراہیم، میں نہیں۔ راسخ نے لکھنؤ، دلی، مونگیر، بھاگلپور، مرشد آباد کلکتہ وغیرہ کا سفر کیا تھا۔ تذکرہ گارساں دتاسی، میں راسخ مذکور ہیں۔

سال ولادت ۱۱۶۲ھ۔ حمید عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ:

"راسخ مرحوم[3] کے سالِ ولادت میں کوئی اختلاف نہیں۔ تمام تذکرہ نویس

---

[1] تذکرہ گل رعنا، عبدالحی۔ "سوانح راسخ" انگریزی از خان بہادر سید ضمیر الدین مرحوم مقالہ بہار دارالیسرچ سوسائٹی ۱۹۱۸ء مارچ۔ [2] تاریخ شعرائے بہار، بلخی ص ۶۹۔ [3] راسخ از حمید عظیم آبادی ص ۱۵

متفق ہیں کہ آپ کی ولادت کا سال ۱۱۶۲ھ ہے۔ لیکن سال وفات میں اختلاف ہے:

پروفیسر دردائی[1] تحریر کرتے ہیں:

"لیکن گلشنِ بے خار کے علاوہ جتنے اور معتبر تذکرے ہیں سب میں راسخ کا سالِ وفات ۱۲۳۸ھ بتایا گیا ہے۔"

میرے خیال میں راسخ کے شاگرد یاس آروی کا قول زیادہ معتبر ہے وہ راسخ سے قریب ترین تھے۔ لکھتے ہیں:

"الحال تاریخ رحلت شیخ غلام علی راسخ، بہ تلاش و تجسس کما ینبغی بہ دریافت رسید کہ تاریخ بستم جمادی الاولیٰ ۱۲۳۸ھ روز شنبہ بودہ است۔"

ظاہر ہے کہ یاس کو سالِ وفات کے بارے میں شبہ نہیں تھا، صرف تاریخ کے بارے میں انہیں تلاش و تجسس کرنا پڑا۔ راسخ کی قبر[2] ابتر حالت میں محلہ لودیکٹرہ میں موجود ہے۔

راسخ عظیم آبادی کی شاگردی کا مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے۔ قاضی عبدالودود صاحب لکھتے ہیں:

"راسخ بہ حیثیت مجموعی بہار کے قدیم شعرائے اُردو میں سب سے بڑے ہیں۔ یہ ابتدا میں فدوی شاگرد عشق دہلوی سے اپنے کلام پر اصلاح لیا کرتے تھے اور اس کا اعتراف انھوں نے خود کیا ہے۔ قلمی دیوان میں جو خود ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے (کتب خانہ مشرقیہ، پٹنہ)

یہ شعر موجود ہے ؎

شاگرد ہیں گے حضرت فدوی کے بے شمار
راسخ ہوں ایک میں بھی دلے کس شمار میں

---

[1] بہار اور اُردو شاعری، پروفیسر دردائی، ص ۵۳۔ نواب شیفتہ گلشنِ بے خار میں سال وفات ۱۲۳۰ھ بتاتے ہیں اور گارساں دتاسی بھی۔ [2] راسخ عظیم آبادی، حمید عظیم آبادی ص ۱۹۔ [3] بلخی، حمید، ضمیر الدین، دردائی۔

"..... عشقی نے لکھا ہے کہ راسخ کو میر سے بڑی عقیدت تھی اور ان کی کشش انہیں لکھنؤ لے گئی، جہاں وہ میر کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔"[1]

دیوان راسخ میں بکثرت مقطعے ایسے ہیں، جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ راسخ کو میر کی شاگردی پر فخر تھا۔ فدوی کی شاگردی بھولی بسری بات تھی۔

راسخ کو میر سے تلمذ
یہ فیض ہے اون کی تربیت کا

زندہ ہے نام میر، راسخ سے
کون ہے شاعروں میں ایسا آج

کتب خانہ مشرقی، خدا بخش خاں، پٹنہ میں جو راسخ کی خود نوشتہ بیاض ہے۔ اس میں متعدد ایسے اشعار بھی ہیں جو مطبوعہ دیوان میں نہیں پائے جاتے۔ ان اشعار پر خود راسخ نے "نباید نوشت" لکھ دیا ہے اور شاید اسی وجہ سے یہ اشعار مطبوعہ کلیات میں شامل نہیں کیے گئے۔ انہیں اشعار میں وہ شعر بھی ہے جس میں فدوی کی شاگردی کا اعتراف پایا جاتا ہے۔ تین (؟) مثنویاں غیر مطبوعہ بھی ہیں۔

غالباً صرف فارسی میں راسخ شاہ نورالحق تپاں پھلواروی سے اصلاح لیتے تھے۔[2] "الہامات شاد" میں عبدالمالک صاحب آروی مرحوم نے راسخ کو مستقلاً تپاں کا شاگرد بتایا ہے۔

۱۳۱۱ھ میں کلیات راسخ خیر المطابع عظیم آباد سے شائع ہو چکی ہے۔ لیکن مطبوعہ نسخہ جو زرد کاغذ پر چھپا تھا۔ اب بہت کمیاب ہے۔ کتب خانہ مشرقی پٹنہ میں

---

[1] صدائے عام، عید نمبر ۵۳ء ص ۲۱، و تذکرۂ سخن شعراء۔

[2] راسخ، حمید عظیم آبادی بحوالہ "خاتم سلیمانی"، مصنفہ شاہ غلام حسنین صاحب پھلواروی حصہ چہارم ص ۱۵۸، ملفوظات (۲۲۸)۔ ..... "ہمارے ہاں بھی راسخ مرحوم کی تحریریں موجود ہیں، وہ اپنا فارسی کلام تو پھلواری کے ایک مشہور و معروف بزرگ حضرت تپاں قدس سرہٗ کو دکھاتے تھے۔

Marfat.com

تین قلمی نسخے میرے دیکھنے میں آئے۔ایک تو وہ مشہور قلمی نسخہ ہے جسے راسخ نے خود لکھا، دوسرا ظفر نواب صاحب، گیا کے کتب خانہ سے آیا ہوا ہے اور ایک تیسرا نسخہ ہے۔ایک نسخہ میں صرف غزلیں ہیں۔چوتھا نسخہ راج برج راج صاحب پٹنہ سٹی سے دستیاب ہوا ہے۔

مطبوعہ کلیات راسخ کے شروع میں دس قصیدے اور چند قطعات ورباعیاں ہیں۔جن میں چند قصائد نواب آصف الدولہ اور غازی الدین حیدر کی تعریف میں ہیں۔ ان کے بعد غزلیں ہیں۔آخر میں پندرہ مختلف مثنویاں[1] ہیں۔قلمی نسخہ میں ان کے علاوہ اور تین مثنویاں بھی ہیں۔یہ غیر مطبوعہ مثنویاں ہزلیات پر مشتمل ہیں۔

راسخ کو میر کی ہمسری سے تسلی نہیں ہوئی۔اُن کی نظر اور بلند ہے ؎

نظیری اور شفائی کا ہے بدل راسخ
یہ اوس کا فخر نہیں گر نظر میر ہوا

"ان کے کلام میں سوز و گداز کے ساتھ تصوّف کا رنگ بہت نمایاں ہے" (نجی)

بقول حسرت موہانی[2] مثنویوں کا انداز میر کی مثنویوں سے اس قدر ملتا جلتا ہے کہ دونوں میں تمیز بھی مشکل ہے۔مثنویوں کے نام یہ ہیں: حسن و عشق، ناز و نیاز، نور الانظار، جذب عشق، مکتوب شوق، کشش عشق، گنجینۂ حسن، سبیل نجات، نیرنگ محبت، اعجاز عشق، مراۃ الجمال، شرح حال، شہر آشوب، مثنوی مدحیہ۔اکثر مثنویوں میں عشق کی داستان نظم کی گئی ہیں۔صرف نور الانظار ایک اخلاقی مثنوی ہے۔

قاضی عبد الودود صاحب لکھتے ہیں کہ: "اور اصناف کے مقابلہ میں یہ غزل اور مثنوی میں زیادہ کامیاب ہوئے" جناب قاضی صاحب کئی سال سے راسخ پر مزید تحقیقاتی کام کر رہے ہیں۔اور ادھر دو سال سے میرے ایک شاگرد [illegible] کے ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے اس مضمون کی طرف متوجہ ہوئے [illegible] راسخ کے دیوان یا کلیات کو نئے سرے سے ایڈٹ کرکے شائع کرنا چاہتے تھے۔

---

[1] نجی نے پندرہ کی تعداد لکھی ہے۔اور تمید عظیم آبادی نے چودہ کی۔

[2] رسالہ، اُردوئے مُعلّٰی، مئی ۱۹۰۸ء۔

Marfat.com

راسخ کے چند تلامذہ[1] کے نام حسب ذیل ہیں:

انور علی یاس آروی، حکیم احمد حسین، خواجہ فیض اللہ معروف بہ شاہ غلام مخدوم عظیم آبادی تخلص فرحت، خواجہ محمد محسن، مرزا مراد بخش مراد، نواب مہدی علی خاں۔

راسخ[2] کو شاعری، موسیقی اور تصوّف سے بڑی دلچسپی تھی۔ حضرت شاہ ابوالحسن فرد پھلواروی کے مرید تھے۔ راسخ نے اپنے پیر و مرشد کو جو خط لکھا ہے وہ اب تک بڑی خانقاہ پھلواری میں موجود ہے۔ حضرت فرد، راسخ سے عمر میں چھوٹے تھے۔ اسی اعتبار سے آپ کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔ راسخ کے کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے:

ہوئے ہیں ہم ضعیف اب دیدنی رونما ہمارا ہے
پلک پر اپنی آنسو صبح پیری کا ستارا ہے

خاک ہوں پر طوطیا ہوں چشم مہرو ماہ کا　　آنکھ والا رتبہ سمجھے مجھ غبارِ راہ کا

طالبانِ یار کی منزل تو غیر از دل نہیں　　کعبہ کہتے ہیں جسے سو راہ ہے منزل نہیں

مت پوچھئے مجھ سے حال میرا　　حیرت زدہ کیا بیان کرے گا

سارے خطِ شوق میں میں نے یہی رو رو لکھا　　ہائے صاحب کیا کیا تم نے جدا تم کیوں ہوئے

بے مدّعا ہوں یہ بھی ہے اک مدّعائے دل　　اس قیدِ مدّعا سے نہ کوئی رہا ہوا

ضبطِ گریہ تو ہے پر دل پہ جو ایک چوٹ سی ہے　　قطرے آنسو کے ٹپک پڑتے ہیں دو چار ہنوز

---

[1] راسخ، حمید عظیم آبادی ص ۲۶، ۲۸　　[2] راسخ از حمید عظیم آبادی ص ۳ اور معین الدین احمد قیس مرحوم کا مضمون راسخ عظیم آبادی، بہار نمبر، ندیم گیا ۱۹۳۳ء ملاحظہ ہوں۔

Marfat.com

نہیں ہوش والوں پہ کچھ حسد، مجھے رشک ہے تو انہوں پہ ہے
جنھیں تیرے جلوہ کے سامنے مری طرح بے خبری رہی

کس قدر بوقلموں جلوہ ہے محبوب اپنا کوئی بھی اوس کی تجلّی نہیں تکرار کے ساتھ

بَرق سے پوچھا کہ شادی کتنی اس عالم کی ہے کچھ کہا اُس نے نہ لیکن اک تبسّم سا کیا

آپ سے ہوگئے ہیں بیگانے جن سے تک آشنا ہوئے ہو تم

خموشی کے پردہ میں ہے شور میرا مجھے چُپ نہ جانو سراپا فغاں ہوں

عُذر خواہی کا اب دماغ نہیں خوش رہو گر خفا ہوئے ہو تم

جُز داغ ہے کیا دلِ حزیں میں لالہ ہی اُگے ہے اس زمیں میں

دل کیوں نہ عزیز مجکو ہوے ہے نام تمہارا اِس نگیں میں

اٹھا دیں کس روش اِس باغِ دل کش سے دل اپنا ہم
کہ ہر کانٹے سے یاں اُلجھا ہوا اپنا تو داماں ہے

مجھے تو رفتگی سی تھی میں اس کو کیا جانوں تمہیں کہو کہ لیا تم نے کس ادا سے دل

ہم مُصیبت کشوں کے دن نہ پھرے گو زمانہ کو انقلاب رہا

مرنا اُس بن کہ جیتے رہنا راسخ! کہو کیا قرار پایا

Marfat.com

صبح سے بیتابی ہے دل کو آہ نہیں کچھ بھاتا ہے
دیکھئے کیا ہو شام تلک جی آج بہت گھبراتا ہے

اب مثنویوں میں سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں ؎

پہونچی ہے کار د استخواں تک — بے مہریٔ آسماں کہاں تک
جینا دشوار ہو گیا ہے — میرا تو چھری تلے گلا ہے
کاہش ہے غموں کی پیہم جہاں ہوں — مانند ہلال ناتواں ہوں
کچھ حال نہیں ہے ہائے تن میں — ہوں تار کی طرح پیرہن میں
غم پر اک غم دیا فلک نے — ناراج مجھے کیا فلک نے
یغما ہے اس کی کیا ہے باقی — یک تار نفس رہا ہے باقی
سر دہ بھی آمادۂ گسستن — یہ چرخ ہے میرے جی کا دشمن
آرام کا عرصہ بس کہ ہے تنگ — دل تنگی سے ہے عجب مرا رنگ
اس دائرۂ فلک میں مجبور — ہوں نقطے کی طرح آہ محصور
کیا کہیئے خمیدہ آسماں کو — گر ہاتھ چلے تو اس کماں کو
یاں تک کھینچوں کہ ٹوٹ جائے — کب تک صدمے کوئی اٹھائے

(مثنوی حسن و عشق سے)

ایک اور نمونہ ؎

دل کے کاشانے کا دیا ہے عشق — شمع ایوان کبریا ہے عشق
آب گوہر ہے اور آتش سنگ — ہر جگہ اس کا اک نیا ہے رنگ
خون ہو برسا ابر مژگاں سے — ٹپکا آنسو ہو چشم گریاں سے
تپ غم ہو کے استخواں میں رہا — ضعف ہو جان ناتواں میں رہا
گاہ رسوا کہیں رہا اک عمر — کہیں پردہ نشیں رہا اک عمر
گاہ محفل نشین ناز ہوا — کہیں سرتا قدم نیاز ہوا
کوچۂ نئے سے نالہ ہو نکلا — خاک گلشن سے لالہ ہو نکلا

Marfat.com

روشن اسی سے ہے جاں کا کاشانہ ہے پتنگا اسی پہ پروانہ
بزم گیتی اسی سے ہے پُر نور ذرہ تا مہر ہے اسی کا ظہور
بُلبل آشفتہ ہے سدا اس کی ہے گل تازہ کو ہوا اس کی
سینے میں ہوکے دل دھڑک اُٹھا کہیں شعلہ ہوا بھڑک اُٹھا

(مثنوی جذب عشق سے)

شاہ امان علی ترقی

سنہ ۱۱۸۰ھ تا سنہ ۱۲۵۵ھ

نام امان علی۔ تخلص ترقی۔ شاگرد شاہ آیت اللہ مذاق۔
وطن پھلواری۔ مرثیہ کا نمونہ حسب ذیل ہے ؎

(۱)

شب عاشور جو کی شہ نے عبادت میں بسر غم فرقت سے ہوئی چاک گریبان سحر
کہا سجاد کیں سرور دیں نے رو کر آج ہووے گا جدا تن سے ہمارا یہ سر
نقد جاں را برہِ دوست فدا خواہم کرد
سرِ خود گوئے بہ میدان رضا خواہم کرد

(۲)

ہم نے شب خواب میں دیکھا ہے کہ مادر زہرا ہوئیں اس دشت بلا خیز میں جلوہ فرما
اپنے گیسوئے سمن سائے کو جاروب بنا خار و خاشاک کو اس دشت کے کرتیں ہیں صفا
صاف میدان بلا ساختہ گیسوئے بتول
نور پیدا شدہ ہر گوشۂ از روئے بتول

(۳۱)

داستانِ غم شبیر نہایت ہے دراز جس کے یک حرف کے سُن سے جگر ہووے گداز
ہو نہیں سکتا قلم یک سرِ مو شرح طراز کر ترقی شہِ کونین سے تو عرض نیاز
اے شہ از لطف دہی دولت دیدار مرا
کہ بود در دو جہاں با تو سروکار مرا

Marfat.com

تمت المرثیہ من ترقی رحمۃ اللہ تعالیٰ فی ۱۲۲۷ھ یک ہزار و دو صد بست و ہفت ہجری۔ (مجلّد قلمی نسخہ پھلواروی ص ۳۱-۳۶)

شاہ ظہور الحق ظہور پھلواروی

۱۱۸۵ھ تا ۱۲۳۴ھ

شاہ ظہور الحق، شاہ نور الحق طپاں کے بیٹے تھے۔ تخلص ظہور۔ پیدائش[1] ۱۱۸۵ھ وفات ۱۲۳۴ھ۔ وطن پھلواری شریف، ضلع پٹنہ۔ شاہ نور الحق طپاں نے اپنی زندگی میں ہی شاہ ظہور الحق کو اپنی جگہ پر بٹھا دیا تھا۔ اس طرح شاہ ظہور الحق خانقاہ عمادیہ کے سجادہ نشین ہوئے (۱۲۰۰ھ)

مولانا محی الدین تمنا پھلواروی رسالہ معاصر[2] میں لکھتے ہیں:

"۱۲۳۰ھ میں بعض اقارب کا لعقارب کی طویل اور مسلسل ستم کیشیوں سے تنگ آکر حضرت مولانا ظہور الحق محدّث کو اچانک شب کے وقت گھر چھوڑ کر پٹنہ سٹی چلا آنا پڑا۔ اور ہجرت کے وقت کچھ ضروری تبرکات اور کتب ضروریہ کے سوا کچھ سامان ساتھ نہ لے جا سکے جب پٹنہ میں قیام کا انتظام قابل اطمینان ہو گیا تو تیسرے دن کچھ لوگوں کو پھلواروی روانہ کیا تاکہ باقی کتاب اور سامان وہاں سے لے آئیں۔ مگر آنے والوں نے مکان کو بالکل جلا ہوا ایک تودۂ خاک پایا۔ اور کوئی چیز لانے کے قابل نظر نہ آئی۔ وہ مولانا کے پاس ناکام واپس آئے اور حالت بیان کی۔ مولانا نے فرمایا ع 'خوب شد، اسباب خود بینی شکست'۔ اور کہا، الحمد للہ علے کل حال۔" حضرت طپاں اور حضرت سجاد کے اور خود حضرت مولانا ظہور الحق (کے)۔ دواوین فارسی

---

[1] پیدائش و وفات کی تاریخیں حکیم شعیب صاحب مرحوم سے معلوم ہوئیں۔ خاندانی کاغذات میں درج تھیں۔

[2] معاصر پٹنہ۔ جنوری ۱۹۶۲ء۔

Marfat.com

و ذخیرۂ کلام اُردو اور اکثر تصنیفات، تالیفات اور نیز بعض بزرگان پیشین کی بعض اہم تصنیفیں اسی سلسلے میں ضائع ہوگئیں۔ یہ واقعہ ہے کہ بعض گھروں پر اس وقت تک بعض چیزیں ان میں کی موجود ہیں۔ مگر وہ لوگ دکھاتے تک نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں کے کلام کے بیشتر اجزاء اِدھر اُدھر سے کسی طرح مجتمع کیے جا سکتے ہیں۔ وہ بھی بمشکل تمام۔ بعض حصّہ کلام تو محض بوسیدہ مسودات پر ہے۔ جس سے بمشکل نقل کیا۔ اور پھر مسودات اِس قابل بھی نہ رہے کہ محفوظ رکھے جا سکیں۔ کیونکہ اوراق کے جس حصّہ پر بھی انگلی پڑی وہ وہیں سے سفوف ہوگیا۔"

مجلّد مخطوطات کے علاوہ مجھے مخطوطات کا ایک دوسرا پُلندہ خانقاہ سُلیمانیہ پھلواری شریف سے ملا تھا۔ ان مخطوطات کو جناب پروفیسر عبدالقادر سروری صدر شعبۂ اُردو، عثمانیہ یونیورسٹی اور پروفیسر سیّد حسن عسکری صاحب صدر شعبۂ تاریخ، پٹنہ کالج نے بھی مُلاحظہ فرمایا ہے۔ میں ان پر ایک مقالہ بھی لکھ چکا ہوں جو رسالہ ساقی، کراچی (سالنامہ ۱۹۵۲ء) میں شائع ہو چکا ہے۔

دوسرے پُلندہ میں شاہ نورالحق طپاں اور شاہ ظہورالحق ظہور کے بہت سے مرثیے مکتوب ہیں۔ ایک مرثیہ کے آخر میں سُرخ روشنائی سے حسب ذیل عبارت لکھی ہوئی ہے:

"ہر چند کہ اینجا جوہر و آن ہم چون جواہر مرآت ست۔ جوہر خط راکہ می پرسند۔ لکن چوں جوہر در جوہریت مجبور و عرض در عرضیت معذور است ناچار بدست مؤلف ترقیم یافت۔ دانا الفقیر المدعو بظہورالحق المطلق ..... (آگے کاغذ کرم خوردہ ہے)

مذکورہ بیاض میں شاہ نورالحق طپاں اور شاہ ظہورالحق [illegible] سے

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

ہوئے مراثی ہیں جن کے وہ خود مصنف ہیں۔ اب تک مجھے ظہور کی کسی غزل یا کسی دوسری صنف شاعری کا نمونہ سوائے مراثی کے نہیں ملا۔ مرثیہ کا نمونہ حسب ذیل ہے ؎

(۱)

کہیں سکینہ ہائے رے بابل گیلو سوگیلو گیلو ہے گیلو
دیس برانا چو اور جنگل گیلو سوگیلو گیلو ہے گیلو
تج دیونگری اپنو رکھوال گیلو سوگیلو گیلو ہے گیلو
بابل[1] مورا جوگے راول گیلو سوگیلو گیلو ہے گیلو

(۶)

اپنی بتیا میں کاسے کہوں اب جیرانہ نکسے نہ موہے چیناں
آٹھ پہر موہے کل نہ پڑت ہے نیند نہ آوے دن نہ رتیاں
آنسون کے تو جھڑی لگا یو رکت ہے رودت مورے نیناں
دیکھو نہ بابل انوکھا یہ بادل گیلو سوگیلو گیلو ہے گیلو

(۷)

نگر برانا لوگ بگانا ٹھارہے روؤں ہوں اکیلی بن میں
سُون دیکھاوے جی ڈریاوے لوتھ پہ لوتھ نہاروں رن میں
لوہو آگ لگا یو بن میں سلگت آمورے تن من میں
بابل گلرا کے ہمرا سوپل گیلو سوگیلو گیلو ہے گیلو

(۱۳)

کاکے میں ہاتھ پٹھاروں سندیسا کا کروں گن سن مورے دیا
کہت رہوں میں لکھیاں نہ پتیاں عابد مورے بیرن بہتیا
بابل روے کت کنا ہاں ایسا نوان کا ہے بدیسنو جیا
موسوں کہت نہ سنت کیوں بل گیلو سوگیلو گیلو ہے گیلو

---

[1] (نسخہ) ایسو بابل بیت بسارل

Marfat.com

(۱۸)

موہے کچھو نہیں بہاوت بابل کہک کہک مورے بیتیں رتیاں
آپن آوت ناہیں بابل نالکھ بھیجیاں تون موہے پتیاں
سوہنی مورت توری بابل لگہت رہوں ہم اپنی چھتیاں
نینن سو مورے تون جو رہت ٹل گیلو سو گیلو گیلو ہے گیلو

(۱۹)

دہوبیا کا پر دہوے بابل داگ نہ دہوئے کوّو میرو
آگ لوہے کی بجھا دے نُہردا آگ نہ کہوت کوّو میرو
اپنوں کلیجا آپ ڈست ہوں ناگ نہ ہووے کوّو میرو
تم بن بابل ہم بھیو بیکل گیلو سو گیلو گیلو ہے گیلو

(۲۰)

کاپر میرو مئل بھیو بابل بھیلو بال ہمارو لٹا
دہول پسنوان لگ لگ سیسن پھوٹے جیوں جوگی نون جٹا
سیندر تیل سب چھورا بابل تورے کارن جیو بھیو کٹا
رودت ڈہرڈ ہر جات مورا کاجل گیلو سو گیلو گیلو ہے گیلو

(۲۴)

ہم جو جانت تم ہو جوّیا سیس تھا روپا ین دہر تیوں
جے تم کام کہت سے کرتیوں پنیاں سیسن بہر تیوں
ہم سوں کہہ کے جو جاتیو بابل جترا کرکے بدا تجو کرتیوں
جادن گیلو ہو دن منگل گیلو سو گیلو گیلو ہے گیلو

(۲۶)

بس رے ظہور اب اگان بس کے بسکی غم کی بتیا بس کے
نکسے نہ پیر کہو بیٹن کا اہ یا نکی میں کہ ہوں دہنس کے
[illegible] درد کی [illegible] گیلو پیر لوگاں [illegible] کے
[illegible] گیلو پڑ گئی کہل بہل گیلو سو گیلو گیلو ہے گیلو

Marfat.com

غمناک شد ۱۲۱۸ھ (غیر مجلد نسخۂ مراثی خانقاہ سلیمانیہ پھلواری شریف)

ظہورؔ الحق پھلواروی کا ایک اور مرثیہ ملاحظہ ہو۔ مرثیہ بتیس بند میں مکمل ہوا ہے ؎

(۱)

بلبل چمن میں ہے غم قاسم سے نوحہ گر
گل نے کیا ہے جیب و گریباں لہو سے تر
غنچہ جھکا کے سر کو کہے ہو کے گریہ در
کٹتا ہے آج قاسم نوکد خدا کا سر

(۲)

باغ نبی پہ آج خزاں کی ہوا بہی
شمشاد مجتبیٰ کو ملا تخت نوشہی
لیکن کہاں کسی کو حقیقت سے آگہی
ایسا ہے تخت تختۂ تابوت سے بتر

(۳)

دو عندلیب باغ رسالت امام دیں
یعنی کہ قاسم ابن حسن سرور زمین
جس کی لگن لگی گل شبیر سے کہیں
کمن جدا چمن سے رہا زار و نوحہ گر

(۳۱)

خلعت تمام خوں سے بھرا ہائے ہائے ہائے
سہرا لہو سے سرخ ہوا ہائے ہائے ہائے
بدلے حنا کے خوں ہی لگا ہائے ہائے ہائے
زخموں سے رشک باغ ہوا جسم سربسر

(۳۲)

دیدم بوقت صبح کہ گلزار مرگ یست
گل جامہ چاک کردہ بیا زار مرگ یست
در بوستاں ظہور دل اذگار مرگ یست
چوں عندلیب نالہ سرا بود گریہ در

طہاں کے چودہ (۱۴) مرثیے اور ظہورؔ کے اکتیس (۳۱) مرثیے قلمی نسخہ پھلواری کی شکل میں موجود ہیں پروفیسر نواب کریم صاحب ان پر کام کر رہے ہیں۔

Marfat.com

شاہ ابُوالحسن فردؔ

سنہ ۱۱۹۱ھ تا سنہ ۱۲۶۵ھ

نام ابُوالحسن۔ تخلص فردؔ۔ معروف بہ فرد الاولیاء۔ خلف و جانشین شاہ محمد نعمت اللہ ولی۔ سجادہ نشین پھلواری۔ بڑے عالم و فاضل بزرگ گزرے ہیں۔ ابتدا میں اپنی غزلیں اپنے چچا زاد بھائی مولوی شاہ محمد نورالحق طپاںؔ کو دکھاتے تھے۔ (بخی ص۱۰۰) فارسی کے دو دیوان مطبوعہ ہیں۔ ۲۴ محرم سنہ ۱۲۶۵ھ کو انتقال کیا۔ نمونۂ کلام اُردو حسب ذیل ہے:

نگاہ مست تیری کس قدر خونریز عالم ہے
عبث آنکھوں کو تیری نرگس بیمار کہتے ہیں

عشق نے رسوا کیا پامال تک مجھے نام سے ہے میرا لوگ سب

[illegible]

[illegible]

کاروانند و ندارند درار و جرَسے
نہ رفیقے نہ انیسے نہ کسے ہمسفرے

(۳) راحتِ عیش تھا بے قدر برابر باخاک
گردکیں سے تھا دلِ سینۂ بے کینہ پاک
آستیں اشک سے تر، جیب و گریباں سب چاک
مُنہہ پہ تھا گرد اَلم آنکھیں تھیں خوں سے نمناک
بہ زمینکہ فتادے کفِ پائے ایشاں
لالہ میرست زخُوں نابۂ چشم ایشاں

(۴) ساز و سامان سفر بے سرو سامانی تھی
دستِ تقدیر میں سوپنے ہوئے تھے کام سبھی
سب کی آنکھوں سے تھا خوننابہ کا دریا جاری
تھی اٹھی سب کے دل وجاں سے تمنائے خوشی
رہروانند شکستہ دل وخستہ جگرے
جُز غمؑ و درد ندارند اینسے دگرے

(۳۱) ضبط نالہ کریں تو سینہ پھٹا جاتا ہے
نہ گریں گریہ تو دل غم سے جلا جاتا ہے
ناتوانی سے بدن اپنا گرا جاتا ہے
صبر کا تاب و تواں دل سے اٹھا جاتا ہے
رہ دراز است مرا طاقتِ رفتار نماند
تا بعمرم بجز از رنج سروکار نماند

(۳۲) صبر دل چاہئے تا ہو رفتم دَرد و الم
آگیا رعشہ و اندیشہ میں اب دستِ قلم
اب زباں پر ہے ہر اک فرد بشر کے ہردم
جب مددگار مرے ہیں یہ امامِ عالم

Marfat.com

در کمینم فلک از گشت نباشد باکم
کہ فلک را نہ رسد دست بسوئے خاکم

○

قادر علی فگار عظیم آبادی

قادر علی عظیم آبادی کی مثنوی 'عشق نامہ' کا ایک نسخہ[1] مجھے ملا ہے۔ یہ مثنوی مولانا جامی کے قصۂ یوسف و زلیخا کا آزاد چربہ ہے۔ قادر علی کہتے ہیں:

ولیکن قصۂ یوسف زلیخا ہر اک قصہ سی میری دل کو بھایا
کہ ہندی کیجی یہ ان کی کہانی یہاں کچھ چھوڑ نئی اپنی نشانی
ہزاراں آفریں بر روحِ جامی یہ قصہ کو کیا جو اس نی نامی

'عشق نامہ' آب حیات سائز کی ایک قلمی[1] کتاب کا جزو ہے۔ جس میں تین مثنویاں درج ہیں۔ پہلی مثنوی 'عشق نامہ' ہے۔ دوسری مثنوی 'سحر البیان' از میر حسن دہلوی اور تیسری 'کنور کام روپ و کلا کام'۔ آخر الذکر ناقص الآخر ہے۔ نسخہ سے ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ کس کی تصنیف ہے۔

مثنوی 'عشق نامہ' کا آغاز یوں ہوتا ہے ؎

الٰہی عشق سی اپنی تو کر شاد مرا دل کر تو اپنا عشق آباد

. . . . . .

حفظ باطل مری دل سی مٹا دی تو اپنی حسن کا جلوہ دکھا دی
منور شمع کر داغ جگر کے کہ بستی ہوی روشن اس نگر کی
پڑی آدل میں میری نور ایسا کہ خاکستر یہ دل ہو طور ایسا
ہوس رفت جای دل سی ماسوا کی رہی باقی ہوا تیری لقا کی

مثنوی 'عشق نامہ' ۱۹۱ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اختتام پر مندرجہ ذیل

---

[1] اس قلمی مجموعہ کی ابتدا ایک فارسی نثری قصے سے ہوتی ہے جس کے تین ورق [illegible] آغاز و اختتام مفقود ہے۔ یہ مجموعہ مجھے [illegible] احمد ریسرچ اسکالر شعبۂ اردو جامعہ ملیہ سے ملا ہے۔

Marfat.com

اشعار ملتے ہیں ؎

ہزار و دو صد و دہ اور نہی دو — کیا انجام جب اس داستاں کو
گنی ابیات جو میں اس کی اکبار — ہوئی تب سہ ہزار و بیست اشعار
لکھا تھا عشق سی جو اس کو خاما — رکھا تب نام اس کا عشق ناما

" "

فگار اب خامشی ہی تجھکو بہتر — بھلا ہی اب یہ قصا مختصر کر
گئی آنکھوں سی نیند اب ناگہانی — زبان کر بند بس کر یہ کہانی

مثنوی ۱۲۰۸ھ میں منظوم ہوئی۔ زیر نظر قلمی نسخہ کا سنہ کتابت ۱۲۵۱ھ ہے۔
کاتب لکھتا ہے:

"تمام شد نسخہ زلیخا بزبان اُردو تصنیف قادر علی عظیم آبادی قدس الہ سرہ بتاریخ ہشتم ماہ جمادی الاول۔مطابق بست ششم ماہ بہادو ۱۲۴۲ فصلی۔مطابق ۱۲۵۱ھ ہجرے قدسہ از دست یکے از طالبان کم استعداد عاصی الہ غلام صفدر برائے درس خود از کتاب یکے از دوستان دلبرا کھوری لعل سہائے سنگہ صاحب قوم کایستہ ساکن موضع جگدیشپور بمقام موضع گائیگھاٹ پرگنہ بھوجپور بدروازہ لالہ گرہاری لعل صاحب قوم کایست . . . . . اختتام یافت"

مجھے قادر علی فگار عظیم آبادی کے حالات سے آگاہی نہیں ہوسکی۔ بہرحال صاحبِ ذوق شخص معلوم ہوتے ہیں۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے۔ زلیخا کے حُسن کی تعریف ملاحظہ ہو ؎

قد اس کا سروی رعنا ہوا ہی — بلای عالم بالا ہوا ہی

" "

یہ پیشانی کے اس کی تھی صفائی — کہ آتی تھی نظر اس میں خدائی
نہیں چیں برجبیں وہ نازنین ہر — کہاں ممکن کہ آئینی میں چین ہو

" "

خمار حسن سی آنکھیں سیہ مست — نگہ کرتی تھی آہو کی طرح جست

Marfat.com

زلیخا کے عشق کا حال دیکھئے ــــ

زلیخا خواب میں دیکھ اسکی صورت　　ہی حیرت سی ماٹیکی وہ مورت

" " " " " " " " " " " " " " " " "

ہوی بھور اور وہ درخواب شیریں　　رہی بیہوش ہو جیو نقش قالیں

" " " " " " " " " " " " " " " " "

وہ رخسارہ جو تھا جیوں شمع کافور　　ہوا مثل چراغ صبح بے نور

مجموعی طور پر مثنوی بہت رواں اور پُراثر ہے۔ اس میں روایتی رنگ ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن تشبیہات واستعارات میں شاعر نے اپنی اُپج بھی دکھلائی ہے۔

بہار کے تذکرہ نگار شعراء

غلام حسین شورش

متوفی ۱۱۹۳ھ ـ ۱۱۹۵ھ

شورش، میر باقر حزیں کے شاگرد تھے۔ ان کی شہرت شاعری سے زیادہ تذکرہ نگاری کی وجہ سے ہے۔ تذکرہ کا صرف ایک قلمی نسخہ اب تک دستیاب ہو سکا ہے۔ یہ بوڈلین لائبریری آکسفورڈ میں ہے۔ اب پٹنہ یونیورسٹی نے اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی منگوائی ہے جو میری نظر سے بھی گزری ہے۔ پرنسپل کلیم الدین احمد صاحب کی مساعی جمیلہ کی وجہ سے یہ خزانہ انگلستان سے ہندوستان آیا۔ آرٹ فیکلٹی کے ڈین، کی حیثیت سے آپ نے بہت سے کارہائے نمایاں کیے ہیں۔ ان میں یہ بھی ایک اہم کام ہوا ہے۔ مذکورہ قلمی نسخے سے اشپرنگر نے اپنی فہرست کتب خانہ شاہان اودھ مرتب کرنے میں مدد لی تھی۔ اس تذکرہ کی تالیف کی ابتدا مؤلف کی وفات کے چند سال پہلے سے ہوئی ہے اور تکمیل وفات سے پہلے [illegible] ہرگز اُردو نہیں۔ عزیز الدین بلخی مرحوم اور دوسرے لوگوں [illegible] اس کا باعث یہ ہے کہ صاحب گلزار ابراہیم نے [illegible] شورش تذکرہ [illegible] ریختہ نوشتہ [illegible] ریختہ کے معنی شعرائے ریختہ کے متعلق [illegible] کنگن کو آرسی کیا۔ اب ہمارے پاس قلمی تذکرہ [illegible] فوٹو [illegible] بوڈلین لائبریری آکسفورڈ کی فہرست [illegible] ۴ سال [illegible]

Marfat.com

لکھا[1] ہے۔

میر غلام حسین شورش عظیم آباد کے رہنے والے تھے۔ اِن کے پیدائش کا علم نہیں۔ لجی سال وفات[2] ۱۱۹۵ھ لکھتے ہیں اور قاضی عبدالودود صاحب ۱۱۹۳ھ بتاتے ہیں۔ مگر آخرالذکر صاحب مشتبہ ہیں[3]۔ شورش کا دیوان[4] ریختہ میں مرتب تھا مگر وہ ہنوز ملا نہیں۔ نمونۂ کلام مُلاحظہ ہو ؎

رقیب گرچہ بہت برخلاف ہے شورش ہوا کرے ہمیں ہے یار اپنے کام سے کام

(تذکرۂ گلشن بیخار)

کسی کو خُم سے غرض ہے کسی کو جام سے کام قسم مغاں کی ہے ساقی کے مجھ کو نام سے کام
ہماری صبح رُخِ یار شام زلف نگار نہ مہر و ماہ کے ہے ہم کو صبح و شام سے کام

(شعرالہند)

ہم جو روتے ہیں لوگ ہنستے ہیں ہنستے ہی گھر سُنا ہے بستے ہیں

رو برو جانے کی رخصت نہیں دیتے درباں حالِ دل میں پسِ دیوار سنا آتا ہوں

(تاریخ شعرائے بہار)

نواب علی ابراہیم خاں خلیلؔ

۹۰۰۰۰ تا ۱۲۰۸ھ

نواب ایمن الدولہ عزیز الملک علی ابراہیم خان بہادر، نصیر جنگ المتخلص بہ خلیلؔ عظیم آبادی۔ یہ نواب میر قاسم علی خاں عالی جاہ کے وزیر تھے۔ کچھ دنوں تک عظیم آباد کے صوبہ دار اور نائب ناظم بھی رہے۔ اس دور کے بیشتر شعراء نواب کے واقف کار

---

[1] مقدمہ دیوان، ضیا، از قاضی عبدالودود۔ معاصر، پٹنہ۔ [2] تاریخ شعرائے بہار۔ لجی ص۲۶۔

[3] صدائے عام، عید نمبر ۵۳ء ص۱۹۔ پروفیسر دردانی نے بھی اس سے بحث کی ہے۔ بہار اور اُردو شاعری ص۳۹۔

[4] تاریخ شعرائے بہار۔ لجی ص۲۶۔

Marfat.com

اور کسی نہ کسی رنگ میں عالی جاہ کے متوسّلین میں سے تھے۔ علی ابراہیم خاں نے نواب عالی جاہ کی رفاقت خوب کی مگر عالی جاہ کی بربادی کے بعد وہ نواب اودھ، شجاع الدولہ سے علیحدہ ہوئے اور مُرشد آباد کا رُخ کیا۔ لارڈ ہسٹنگز گورنر جنرل نے ان کو عدالت دیوانی ضلع بنارس کا حاکم اعلیٰ مقرر کر دیا اور لارڈ کارنوالس کے عہد میں انھیں وہاں کی گورنری بھی ملی قیام بنارس کے دور میں تالیف و تصنیف میں مشغول ہوئے۔

خلیل۔ اُردو و فارسی دونوں کے شاعر تھے لیکن ان کی شہرت تذکرۂ گلزار ابراہیم کی وجہ سے ہے۔ یہ تذکرہ مسخ شدہ شکل میں انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ دو قلمی[1] نسخے کم از کم پٹنے میں موجود ہیں۔ نواب علی ابراہیم خاں خلیل عظیم آبادی نے ۱۱۸۴ھ میں تذکرۂ گلزار ابراہیم لکھنا شروع کیا اور ۱۱۹۸ھ میں تمام کیا[2] یہ تذکرہ بھی فارسی زبان میں ہے۔ قاضی عبدالودود صاحب مقدمۂ دیوان رضا میں لکھتے ہیں کہ:

"مقدمۂ دیوان جوشش میں لکھا گیا تھا کہ مصنف تذکرہ گلزار ابراہیم قاتل کی ننھیال عظیم آباد میں تھی صحیح یہ ہے کہ علی ابراہیم خاں کے نانا مولوی نذیر شیخپورہ کے رہنے والے تھے اور ایران سے واپسی کے بعد عظیم آباد میں اقامت پذیر تھے۔ یہ المتاخرین لکھنوی ۶۱۱ ۔

نواب علی ابراہیم خاں شیخپورہ ضلع مونگیر کے رہنے والے تھے تذکرہ گلزار ابراہیم بنارس کے قیام کے دوران مکمل ہوا۔ خلیل مُرشد آباد میں بھی رہے ہیں ان کے والد کا نام خواجہ عبدالحکیم تھا۔

تصانیف: (۱) گلزار ابراہیم شعرائے ریختہ کا تذکرہ ۱۱۸۴ھ تا ۱۱۹۸ھ (مطابق ۱۷۷۰ء) تکمیل۔

(۲) تحفۂ ابراہیم شعرائے فارسی کا تذکرہ ۱۲۰۵ھ میں مکمل ہوا نفع بخش زمانہ ۱۰۵۱ ۔

---

[1] قاضی عبدالودود۔ صدائے عام، پٹنہ ۱۹۵۳ء [2] کتب خانہ مشرقیہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں ایک قلمی نسخہ ہے۔ اور دوسرا پٹنہ یونیورسٹی کی لائبریری میں [3] یہ شعرائے ریختہ کا تذکرہ ۱۱۹۸ھ

(۳) خلاصۃ الکلام فارسی مثنوی نگاروں کا تذکرہ۔
(۴) وقائع جنگ مرہٹہ۔ لارڈ کارنوالس کے زمانہ میں ۱۲۰۱ھ۔
(۵) ایک رسالہ راجہ چیت سنگھ والی بنارس کی بغاوت کے حالات میں۔
(۶) خطوط۔ برٹش میوزیم۔

اُن کا اُردو کلام اب نایاب ہے۔

تاریخ شعرائے بہار میں صرف چار اشعار درج ہیں۔ لکھا ہے۔ بہت تلاش سے ملے ہیں ؎

خلش رکھتا ہے جب سے دل سراچوں خار پہلو میں
ہوا رکھنا ہے اس دشمن کا کیا دشوار پہلو میں

دل پُر درد ہے جس کا دے آرام کیا ہوئے
یہ سچ ہے کیونکہ سودے جس کے ہو بیمار پہلو میں

لہو رونے سے میرے تر ہوا جیب و کنار آخر
خلیل آنکھوں کے ہاتھوں ہو گیا گلزار پہلو میں

اڑ گئے کچھ حواس سے میرے
اُٹھ گیا کون پاس سے میرے

وجیہہ الدین عشقی

شیخ محمد وجیہہ الدین عشقی۔ شیخ غلام حسین مجرم کے بیٹے تھے۔ وطن عظیم آباد۔ عشقی کے والد محترم بھی اُردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ اُن کا ایک اُردو مرثیہ بھی قاضی عبدالودود صاحب کی نظر سے گذرا ہے۔ عشقی فارسی انشاء پردازی میں بڑا پایہ رکھتے ہیں۔ مرزا غالب نے اپنے بعض خطوط میں ان کا ذکر کیا ہے۔ عشقی اٹاوہ اور ڈھاکہ وغیرہ میں رہے ہیں۔ آخر دفعہ جو ڈھاکہ گئے تو پھر واپس نہ آئے اور وہیں انتقال کیا۔

عشقی کی سب سے مشہور چیز اُن کا تذکرہ ہے۔ اُنھوں نے شعرائے اُردو کا تذکرہ

---

[1] تاریخ شعرائے بہار، از عزیز الدین بلخی ص ۲۰۳۔ اور بہار کی اُردو شاعری، از قاضی عبدالودود صاحب اصدائے عام، عید نمبر ۵۳ء ص ۲۰ و مقدمہ دیوان جوش و مقدمہ دیوان رضا۔ از ق۔ ع۔ د۔

Marfat.com

فارسی میں لکھا۔ اس کا آغاز تیرہویں صدی کے اوائل میں ہوا اور انجام ۱۲۳۰ھ میں۔ ممکن ہے اس کے بعد تک آخری قلم کاری ہوتی رہی ہو تذکرہ عشقی کے دو نسخے اس وقت تک دستیاب ہوئے ہیں۔ ایک آکسفورڈ میں ہے اور ایک قاضی عبدالودود صاحب کے پاس۔ تذکرہ کے علاوہ۔ ایک دیوان اور مثنوی "یادگار" چھوڑی۔ تذکرہ گارساں دتاسی تذکرہ عشقی سے ماخوذ ہے۔ آغا حسین قلی خاں عاشق عظیم آبادی صاحب تذکرہ "نشتر عشق" (مولفہ ۱۲۳۳ھ) عشقی کے شاگرد تھے۔ اور بہتیرے شعراء ان کے تلامیذ میں تھے۔ قاضی عبدالودود صاحب کے بقول "عشقی اُردو برائے نام کہتے تھے"۔ ممکن ہے کہ تذکرہ روز روشن میں فارسی دیوان کا ذکر ہو۔ تذکرہ عشقی میں قریباً نشتر عظیم آبادی شعراء کا ذکر ہے۔ خواہ وہ یہاں کے پرانے متوطن ہوں یا یہاں مقیم ہوں۔ ڈاکٹر اسپرنگر کے کیٹلاگ سے پتہ چلتا ہے کہ تذکرہ عشقی کا قلمی نسخہ شاہان اودھ کی لائبریری میں موجود تھا اور بقول گارساں دتاسی ایک قلمی نسخہ مسٹر جے۔ بی ایلیٹ کے پاس بھی تھا تذکرہ عشقی میں جتنے شاعروں کا ذکر ہے ان کے نام اور حالات مع اضافہ تحقیقات کے ڈاکٹر اسپرنگر کے کیٹلاگ آف اودھ لائبریری (فہرست کتب خانہ شاہان اودھ) اور تذکرہ گارساں دتاسی (تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی) میں عشقی کے حوالہ کے ساتھ موجود ہیں۔ شعرالہند جلد اول کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ رحمت اللہ عشقی عظیم آبادی نے ۱۱۱۵ھ میں ایک تذکرہ ریختہ مرتب کیا۔ یہ صحیح نہیں۔ عشقی تخلص اور رحمت اللہ نام کا اجتماع عظیم آباد میں نہیں[۳] ہوا۔

تذکرہ روز روشن[۴]، (۱۲۶۰ھ) از غیرتی عظیم آبادی میں مذکور ہے کہ عشقی نے خود عشقی کا دیوان مثنوی اور دیگر تصنیفات نظم و نثر وغیرہ ڈاکٹر اسپرنگر کے احباب کے پاس دیکھیں۔ ہنوز مجھے اُردو نمونہ کلام کہیں نہیں مل سکا۔

---

[۱] [illegible] تذکرہ روز روشن

[۲] [illegible] عظیم آبادی [illegible]

[۳] [illegible]

Marfat.com

نوٹ : آغا حسین قلی خاں بن آغا علی خاں قاچار وجیہہ الدین عشقی کے شاگرد تھے۔ ان کا وطن اصلی خراسان تھا۔ عظیم آباد میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے تذکرہ "نشترِ عشق" لکھا۔ اس میں ایران و ہند کے چودہ سو شاعروں کا تذکرہ ہے۔ اُردو میں کہتے تھے ؎

جس سے کہ میں پوچھوں ہوں مزا عشق کا کیا ہے
رو رو کے یہ کہتا ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

عشقی کے ایک اور شاگرد خواجہ حیدر جان شائق۔ ڈھاکہ میں تھے۔

(تذکرۂ "روز روشن" عبرتی)

Marfat.com

شعرائے شاہجہاں آباد جو عظیم آباد میں آباد ہوئے

میر محمد باقر حزیں

متوفی سنہ ۱۱۶۵ھ

نام میر محمد باقر تخلص حزیں۔ دہلی کے رہنے والے [illegible]
کے مرید اور شاگرد رشید [illegible] شاہ بادشاہ کے عہد [illegible]
کے بعد [illegible] عظیم آباد چلے [illegible]
[illegible] رہنے لگے [illegible]
[illegible] عظیم آباد کے [illegible]
[illegible]

جو ہیں آنکھوں کے مخمور اونکو میخانے سے کیا نسبت
نگہہ کی جو ہیں تشنہ اونکو پیمانے سے کیا نسبت
ہوا ہے تو حزیں دیوانہ ان شہری غزالوں کا
تجھے صحرا سے اب کیا کام ویرانے سے کیا نسبت

اشرف علی خاں فغاں

متوفی ۱۱۸۶ھ

اشرف علی نام۔ مرزا علی خاں کے فرزند۔ فغاں تخلّص۔ احمد شاہ بادشاہ کے کوکہ (سوتیلے بھائی) تھے۔ حاضر جواب، لطیفہ گو، ظریف و بذلہ سنج۔ خطاب شاہی۔ ظریف الملک کوکہ خاں۔ احمد شاہ ابدالی کے حملوں سے پریشان خاطر ہوکر مرشد آباد گئے۔ پھر فیض آباد۔ نواب اودھ شجاع الدولہ نے بہت آؤ بھگت کی۔ مگر بے تکلفی میں گرم پیسے ان کا ہاتھ داغ دیا۔ فغاں جل کر عظیم آباد چلے آئے۔ یہاں مہاراجہ شتاب رائے کی قدر دانی دامن گیر ہوئی۔ عظیم آباد سے کہیں نہ گئے۔ ۱۱۸۶ھ میں یہیں وفات پائی۔ اِن کی قبر[1] محلّہ دھوبی پورہ میں شیر شاہی مسجد کے قریب ہے۔ قبر کے پتھر پر تاریخ انتقال کندہ ہے۔ "سرور دلہا رفت" ۱۱۸۶ھ نواب علی ابراہیم خاں خلیل کے بقول فغاں کے دیوان ریختہ کے علاوہ اُن کی دو مثنویاں بھی تھیں۔ اُن میں سے ایک ہجویہ تھی۔ نمونۂ کلام حسب ذیل ہے ؎

ہستی کے خرابے نظر آتے جو عدم میں
ہرگز کوئی اس خواب سے بیدار نہ ہوتا

دل بستگی قفس میں یہاں تک ہوئی مجھے
گویا مرا چمن میں کہیں آشیاں نہ تھا

عبث تو تڑپے ہے، کنج قفس میں مرغ چمن
اسی تڑپ میں تو یہ بال و پر گئے اپنے

میری طرف سے، خاطر صیّاد جمع ہے
کیا اُڑ سکے گا طائر بے بال و پر کہیں

---

[1] تاریخ شعرائے بہار۔ حق ص ۵۲۔۵۶۔

Marfat.com

صیّاد راہِ باغ فراموش ہو گئی
کنجِ قفس سے مَت مجھے آزاد کیجو

فغاں کا قلمی دیوان ، اصلاح ، لائبریری دسنہ ، ضلع پٹنہ میں محفوظ ہے۔(شتاب رائے از مولانا سید ابو ظفر ندوی۔ بہار نمبر ۱۹۳۵ء ص ۲۹۷)

○

میر ضیاء الدّین ضیا

میر ضیاء الدین نام۔ ضیا تخلص۔ دہلی کے رہنے والے۔ سودا کے ہمعصر۔ وہاں سے نکل کر فیض آباد و لکھنؤ ہوتے ہوئے عظیم آباد میں آکر بس گئے۔ راجہ شتاب رائے کے بیٹے ان سے نہایت اچھا سلوک کیا کرتے تھے۔ میر حسن دہلوی ان سے اصلاح لیا کرتے تھے (تذکرۂ میر حسن)۔ نواب علی ابراہیم خاں سے تذکرۂ گلزار ابراہیم لکھتے وقت تک مُلاقات نہیں ہوئی۔ اس امر کا صاحبِ تذکرہ نے ذکر کیا ہے (تاریخ شعرائے بہار ص ۲۸) ۱۱۹۶ھ تک زندہ تھے۔ نمونۂ کلام مُلاحظہ ہو ؎

کل کی رُسوائی تجھے کیا بس نہ تھی اے تنگ خلق
اُس کے کوچہ میں ضیا تو آج پھر جانے لگا

رُسوائیوں کی اپنے مجھے کچھ ہوس نہیں
ناصح پہ کیا کروں کہ مرا دل پہ بس نہیں

کچھ کل سے بھی زیادہ ہے بیتاب آج تو
قاصد ضیا کو کیسی خبر آکے کہہ گیا

بھول کر بھی کبھی نہ یاد کیا ہم ترے ہی سے ہے گلا [1]

---

[1] تاریخ شعرائے بہار ص ۲۸

Marfat.com

شاہ رُکنُ الدّین عشق

متوفی ۱۲۰۳ھ

شیخ رکن الدین نام۔ عُرف شاہ گھسیٹا۔ شیخ محمد کریم فاروقی کے بیٹے اور شاہ محمد فرہادؒ ابو العلائیؒ کے نواسے تھے۔ وطن دِلّی تھا۔ بچپن سے آغاز جوانی تک وہیں رہے۔ غالباً دُرّانیوں کے حملہ کی شہر آشوبی سے متاثر ہوکر وطن چھوڑا اور مرشد آباد پہونچے۔ خواجہ محمدی خان رسالہ دار نواب میر قاسم علی خاں عالی جاہ کی رفاقت میں ۵ ہزار سوار کی افسری کے منصب پر فائز ہوئے[1]۔ مرزا علی لطف اور اکثر تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عشقؔ ایام شباب میں شاہجہاں آباد سے مُرشد آباد آئے۔ "یادگار عشق" از مولویؒ سیّد حسن رضا صاحب ثاقبؔ عظیم آبادی میں حضرت عشقؔ کی عمر سو برس قرار دی گئی ہے۔ اور سال ولادت ۱۱۰۳ھ متعین کیا گیا ہے۔ یہ تاریخی لحاظ سے بالکل صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ میر قاسم کے عہدِ نظامت کا آغاز ۱۱۷۴ھ مطابق ۱۷۶۰ء میں ہوا۔ یہ قرین قیاس نہیں کہ اکہتر سال کی عمر میں عشقؔ کو فوجی[3] ملازمت ملی ہو۔ ایک عرصہ تک اس رنگ میں بسر کرنے کے بعد فقر و درویشی کی طرف مائل ہوئے اور ترک ملازمت کرکے عظیم آباد چلے آئے۔ حضرت مخدوم منعم پاک رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ سے فیض پایا اور بقیہ عمر ذکر الٰہی و خدمتِ خلق میں گزار دی۔ ۱۲۰۳ھ میں وفات[4] پائی۔ فدوی نے تاریخ وفات لکھی ؎

گفت فدوی سال تاریخ وفات　　ہادی ما شاہ رکن الدین عشق
۱۲۰۳ھ

---

[1] تاریخ شعرائے بہار۔ لجھ ص ۳۲-۳۷ ۱۹۳۷ء۔ [2] "یادگار عشق" حالات زندگی، خصوصیات شاعری و انتخاب کلام مع مقدمہ علامہ سلیمان ندوی ۱۹۲۹ء۔ [3] "گلشن ہند" مرزا لطف علی۔ تذکرہ مصحفی و تذکرہ حسین و تاریخ تذکرۃ الکرام از شاہ محمد کبیر صاحب ابو العلائی داناپوری۔

[4] نواب علی ابراہیم خلیلؔ سنہ وفات ۱۱۹۵ھ لکھتے ہیں۔ لیکن ایک اور تاریخ وفات ہے محمد یحییٰ صاحب مرحوم شاہ کی الٰہی کی۔ "آفتاب طریقت" (۱۲۰۳ھ)

کسی مستند تذکرہ میں سال پیدائش درج نہیں اور قطعی طور پر یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ عشق عظیم آباد کس سال تشریف لائے۔ قرینہ غالب یہی ہے کہ ۱۱۷۴ھ کے چند سال بعد تشریف فرمائی ہوئی ہوگی۔ میر قاسم عالی جاہ کی نظامت کا عہد ۱۱۷۴ھ تا ۱۱۷۸ھ (۱۷۶۱-۶۴ء) ہے۔ جناب ثاقب عظیم آبادی نے حضرت عشق کے ورود کا سال ۱۱۶۲ھ بحوالہ کیفیت العارفین لکھا ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت عشق قریباً پچیس سال تک عظیم آباد میں اقامت گزیں رہے۔ ڈھاکہ، مرشد آباد، عظیم آباد، و بہار کے اہل عقیدت آپ پر پروانہ وار نثار ہوتے تھے۔ نواب علی ابراہیم خلیل اور دوسرے تذکرہ نویس حضرت عشق کا ذکر بڑے ادب و احترام سے کرتے ہیں۔ پروفیسر دردائی لکھتے ہیں:

"اگر ملکۂ نور جہاں ایرانی نژاد ہونے کے باوجود ایک ہندوستانی ملکہ کہلا سکتی ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ میں شاہ گھسیٹا یا میاں فدوی کو عظیم آبادی شاعر نہ کہوں۔"[1]

نواب شیفتہ صاحبِ گلشن بے خار نے بھی عشق کو "از سخن پروران معروف عظیم آباد" لکھا ہے۔[2]

عشق کا اردو دیوان مرتب ہے۔ دیوان کا ایک قلمی نسخہ پیرس میں پروفیسر گارساں دتاسی کے پاس تھا۔ ایک دوسرا قلمی نسخہ خانقاہ، تکیہ حضرت عشق، پٹنہ سٹی میں موجود ہے۔ تیسرا قلمی نسخہ خانقاہ پھلواری شریف کے کتب خانہ میں ہے۔ دیوان ریختہ میں غزلیں، رباعیاں اور مثنویاں ہیں۔

حضرت عشق کی زندگی اور شاعری سے متعلق "یادگار عشق" از مولوی سید حسن رضا صاحب ثاقب عظیم آبادی نہایت ہی غنیمت تذکرہ ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے مختصر مگر بصیرت افروز مقدمہ لکھا ہے۔ اسلامی پریس صدر گلی، پٹنہ سٹی سے یہ چھوٹی

---

[1] بہار اور اردو شاعری، معین الدین دردائی ص۴۳۔ [2] گلشن بے خار، ص۱۳۲۔

[3] تذکرہ طبقات الشعراء، از مولوی کریم الدین ۱۸۴۸ء۔

[4] تاریخ شعرائے بہار، بلخی ص۴۵-۴۶ و "یادگار عشق" از ثاقب عظیم آبادی۔

Marfat.com

سی کتاب ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئی۔ ایک نسخہ میرے پاس موجود ہے۔ باب اوّل حالات زندگی میں ہے۔ باب دوم خصوصیات شاعری میں، اور باب سوم انتخاب کلام عشقؔ پیش کرتا ہے۔ تذکرہ میں ہمعصر شعرائے عظیم آباد، پھلواری شریف اور مُرشدآباد کے بارے میں بھی اہم اطلاعات ملتی ہیں۔ شادؔ عظیم آبادی نے بلا ثبوت یہ بات اپنی کتاب "تاریخ صوبۂ بہار" اور "حیاتِ فریاد" میں لکھ دی ہے کہ حضرت عشقؔ کو راسخؔ عظیم آبادی سے تلمذ تھا۔ یہ بالبداہت غلط ہے۔ راسخؔ ۱۱۹۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ان کے ہوش سنبھالنے سے پہلے عشقؔ مسلم الثبوت اساتذہ میں شمار کیے جانے لگے تھے۔ جیسا کہ تذکروں سے ثابت ہے۔ حضرت عشقؔ کے کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے اس میں صوفیانہ عارفانہ و عاشقانہ کیف ہے۔ دردؔ و میرؔ کا انداز ہے ؎

آہ جانسوز کو سر دفتر دیوان کیا　　عشق نے دیکھتے ہو پہلے ہی طوفان کیا

عرش تا فرش سیر کر دیکھا　　تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

آگے میاں نصیب ہے سرسبز ہو نہ ہو　　دل کی زمیں میں تخم محبّت تو بو دیا

چین ہی اس دل بے تاب کا منظور نہ تھا　　ورنہ آنا ترا مجھ پاس تو کچھ دُور نہ تھا

داغ دل کا تو کبھی ہم سے مٹایا نہ گیا　　یہ دِیا وہ ہے جو دن کو بھی بُجھایا نہ گیا

نہ بُت خانہ کو جاتے ہیں نہ کعبہ میں بھٹکتے ہیں　　جہاں تم پانوں رکھتے ہو وہاں ہم سر پٹکتے ہیں

کیا پوچھتے ہو مجھ سے کہ کیوں تو نے رو دیا　　دل نے کیا تھا جمع سو آنکھوں نے کھو دیا

عشقؔ یادش بخیر اے یارو　　آگے آتا تھا اب نہیں آتا

Marfat.com

محنتِ دل سوئے دیدہ آتا ہے لُو کو مت ! نورِ دیدہ آتا ہے

دل دھڑکتا ہے آج کچھ بے حد کوئی خنجر کشیدہ آتا ہے

تیرے نام پہ تڑپتا ہے اس طرح کا کہیں جگر دیکھا

ڈرے اُس کے زباں پہ حرف نہیں تس پہ ہے بدگمان کیا کیجئے

اُس کے دامن تلک نہ پہنچے ہم خاک میں آپ کو ملا دیکھا

میری آنکھوں سے وہ جُدا بھی نہیں گو وہ مجھ پر نظر نہیں رکھتا

بسا ہے دل میں آوہ خانہ ویراں خدا وندا اُسے آباد رکھنا

اپنی آنکھوں سے پوچھ اے خوش چشم مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا دیکھا

ممکن نہیں جی بچے سحر تک باقی ہے ابھی دو پہر رات

جان کو بے قرار پاتے ہیں دل کو بے اختیار پاتے ہیں

یہ حُسن، یہ ادا یہ نگاہیں یہ گرمیاں نام خدا کہاں ہیں کسی طرحدار میں

نذر کو کچھ نہ تھا مجھ پاس دلِ بے اختیار لایا ہوں

ایک دن بھی خیال دلداری نہ کیا آہ تو نے پر نہ کیا

کون سی رات خونِ دل سے عشقؔ دامن و آستیں کو تر نہ کیا

جاتا ہے فلک کے پار نالہ یہ تیر بھی کار گر نہ ہوگا

دل کے ہاتھوں خراب پھرتا ہوں اس میں کچھ اختیار ہے میرا

بولیے تو زبان جل جائے چپکے رہئے تو جان جل جائے

کس کی بستی ہے کون بستا ہے کربلا جس کے گھر کا رستا ہے

تم عبث اب ڈھونڈتے ہو آشیانِ عندلیب
مشت پر گلشن میں باقی ہے نشانِ عندلیب

مرزا محمد علی فدوی

متوفی سنہ ۱۲۱۰ھ

مرزا محمد علی عرف مرزا بھجو یا مجو دہلی کے رہنے والے تھے۔ احمد شاہ[1] بادشاہ کے دربار میں وقائع نویس کی حیثیت سے ملازم رہے۔ دہلی سے مرشد آباد گئے کچھ دنوں وہاں مقیم ہوئے۔ سنہ ۱۱۹۰ھ میں[2] عظیم آباد آکر مستقل سکونت اختیار کی۔

---

[1] قاضی عبدالودود صاحب اور پروفیسر حسین سلمہٗ کو اس بیان پر شبہ ہے۔ احمد شاہ کا عہد سلطنت (۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء تا سنہ) مختصر رہا ہے۔ فدوی کی پیدائش اگر سنہ ۱۱۴۰ھ کے لگ بھگ مانی جائے تو یہ ممکن ہے۔ لیکن اس صورت میں وہ جوانی میں عظیم آباد نہیں آسکتے، بلکہ ۴۵۔۵۰ سال کی عمر میں یہاں آنا زیادہ قرین قیاس ہے۔

[2] تذکرۂ گلزار ابراہیم، فدوی کا تذکرہ گلشنِ بے خار، ص۱۲۷ اور تذکرۂ میر حسن میں بھی ہے۔ نیز گلشنِ ہند، ص۱۳۲۔ اور تذکرۂ شورش عظیم آبادی میں۔

Marfat.com

حضرت عشقؔ کے علوم ظاہری و باطنی میں شاگرد ہوئے۔ سنہ ۱۲۱۰ھ میں انتقال کیا۔ فن موسیقی میں بھی ماہر تھے۔ اُن کا اُردو دیوان مکمل ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ مولوی سید ضمیر الحسن صاحب رئیس موضع گیلانی، مضافات بہار شریف کے کتب خانہ میں ہے۔ دوسرا رواٸیل ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ کی لائبریری میں اور تیسرا پٹنہ یونیورسٹی کے شعبۂ مخطوطات میں۔ آخرالذکر پروفیسر حسنؔ عسکری صاحب کو پٹنہ سٹی سے ملا۔

پروفیسر حسینؔ سلمہٗ عظیم آبادی فدوؔی پر ریسرچ کی تکمیل کر چکے ہیں۔ انھوں نے کئی سال کی محنت سے قلمی نسخوں اور تذکروں سے مواد مہیّا اور دیوان فدوی مرتّب کیا ہے۔ اُن کا مقالہ پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لیے پیش ہو چکا اور انشاءاللہ شائع بھی ہو گا۔

فدوؔی کی شاعری میں اور فنی خوبیوں کے ساتھ درد و گداز بھی پایا جاتا ہے نمونۂ کلام حسب ذیل ہے ؎

چل[1] ساتھ کہ حسرت دلِ مرحوم سے نکلے　　عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

بن ملے تو یہ حال ہے فدوؔی　　وہ ملے گا تو کیا غضب ہوگا

کیوں کی اودھر نگاہ جو وہ مجکو پاگیا　　دل پر ہوئی جو ہونی تھی آنکھوں کا کیا گیا

بیخودی اور شرم سے باتوں کا کس میں ہوش تھا　　وہ اودھر خاموش تھا کل میں ادھر خاموش تھا

وہ ہم پہ مہربان کبھی ہے کبھی نہیں　　جینے کا اب گمان کبھی ہے کبھی نہیں

---

[1] تاریخ شعرائے بہار، بلخی۔ گرد ورؔدانی نے، بہار اور اُردو شاعری، میں اسی شعر کو یوں لکھا ہے ؎

چل ساتھ کہ حسرت دلِ محروم سے نکلے
عاشق کا جنازہ بھی ذرا دھوم سے نکلے

پھرتے تھے تم تو آنکھ بچائے چھپے چھپے　　نکلا کدھر ہے چاند جو آئے چھپے چھپے

تری ہم نے تاثیر بس آہ دیکھی
نہ آیا وہ کافر بہت راہ دیکھی

مہاراجہ کلیان سنگھ عاشقؔ

سنہ ۱۱۶۵ھ تا ۱۲۳۷ھ / ۱۸۲۱ء

مہاراجہ کلیان سنگھ، تخلص عاشقؔ۔ یہ مہاراجہ شتاب رائے کے بیٹے تھے۔ باپ کے مرنے کے بعد اُن کا منصب بھی پایا تھا۔ ان کی پیدائش بھی دہلی کی ہے مگر کم عمری میں پٹنہ چلے آئے تھے۔ ان کی شاعری آغوش عظیم آباد میں پروان چڑھی۔

پروفیسر سیّد حسنؔ عسکری صاحب نے ندیمؔ بہار نمبر سنہ ۱۹۴۰ء میں ایک سیر حاصل مقالہ بعنوان صوبہ بہار کے آخری ہندوستانی گورنر لکھا تھا۔ اس میں بڑی تفصیل سے اس زمانہ کے حالات کا پس منظر اور انتظام الملک ممتاز الدولہ مہاراجہ کلیان سنگھ بہادر تہوّر جنگ کے احوال پیش کیے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے خلاصۃ التواریخ اور واردات قاسمی (۱۲۲۶ / ۱۸۱۹) مؤلفہ مہاراجہ کلیان سنگھ۔ ان کی دوسری تصانیف کے قلمی نسخوں اور بہتیرے تاریخی شواہد سے مواد اکٹھا کیا ہے۔

مہاراجہ کا خاندان دہلی کا سکسینہ کائستھ خانوادہ تھا۔ راجہ رام نرائن لال موزوں سنہ ۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۳ء تا سنہ ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۳ء۔ بہار، بنگال و اُڑیسہ کی نظامت پر مامور رہے۔ اس عہد میں بڑے بڑے انقلابات رونما ہوئے۔ مہاراجہ شتاب رائے نے کچھ عرصہ راجہ رام نرائن لال کے ساتھ مل کر کام کیا۔ آخر سنہ ۱۱۷۹ھ میں مہاراجہ شتاب[2] رائے اس عہدہ پر مامور کیے گئے۔ جنگ بیرپور سے بادشاہ دہلی کا زوال اور انگریزوں کا

---

[1] تذکرۂ معراج الخیال، از عبرتی عظیم آبادی۔ [2] شتاب رائے گورنر بہار۔ از مولانا سید ابوظفر ندوی۔ ندیم، گیا بہار نمبر سنہ ۱۹۳۵ء۔ بحوالہ سیر المتاخرین جلد دوم۔

Marfat.com

عروج شروع ہوتا ہے اور اسی وقت سے راجہ شتاب رائے کا ستارۂ اقبال طلوع ہوا۔ مگر جب میر قاسم نے راجہ نرائن سے محاسبہ کیا اور انھیں گرفتار کرلیا تو شرکت امارت کی وجہ سے شتاب رائے پر بھی عتاب آیا۔ راجہ موصوف مصلحتاً ہر کام سے دست بردار ہوکر خانہ نشین ہوئے۔ انگریزوں کی مداخلت کی وجہ سے انھیں کلکتہ بھیج دیا گیا۔ ممبران کونسل انگریزی نے راجہ کو بے قصور پایا۔ لیکن نواب میر قاسم کی رعایت بھی ملحوظ تھی۔ اس لیے حکم ہوا کہ راجہ شتاب رائے نواب کی مملکت سے باہر چلے جائیں۔ انھوں نے نواب شجاع الدولہ ناظم اودھ کے دربار میں ملازمت اختیار کرلی اور راجہ بینی بہادر کے ساتھ نائب صوبہ دار ہوکر باعزت رہنے لگے۔

کچھ سیاسی نشیب و فراز کے بعد راجہ شتاب رائے اپنے پرانے عہدہ پر عظیم آباد واپس آگئے۔ اس وقت میر جعفر کی طرف سے میر کاظم ناظم اور راجہ دھیراج نرائن دیوان مقرر تھے۔ راجہ شتاب رائے شاہی دیوان کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ انھیں کی کوشش سے شاہ عالم بادشاہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی عطا کی۔ انگریزوں نے خوش ہوکر شتاب رائے کو نظامت بہار دلوائی۔ دربار شاہی سے ممتاز الملک مہاراجہ شتاب رائے بہادر منصور جنگ، خطاب عطا ہوا۔ راجہ شتاب رائے اور دھیرج نرائن امور نظامت انجام دیتے تھے اور مسٹر ڈلٹن ان کی نگہداری کرتے تھے (سیر المتاخرین)۔ دھیرج نرائن پر غبن کا الزام آیا۔ مظفر جنگ مرشد آباد سے عظیم آباد حساب فہمی کے لیے بھیجے گئے اور انگریزوں کے حکم سے دھیرج نرائن گرفتار کرلیے گئے۔ بعد ازاں مہاراجہ شتاب رائے عظیم آباد، بہار کے تنہا ناظم مقرر ہوئے۔ ۱۱۸۶ھ میں لارڈ ہسٹنگز نے مظفر جنگ اور شتاب رائے دونوں کی گرفتاری کا حکم بجرم خیانت دیا۔ راجہ موصوف تین ماہ تک نظر بند رہے۔ آخرش وہ باعزت رہا ہوئے۔ مگر بیمار و دل شکستہ۔ عظیم آباد کا نظم بھی [illegible] چکا تھا۔ ایک انتظامی کاؤنسل مقرر ہوئی تھی جس کے ایک رکن راجہ موصوف بھی مقرر ہوئے تھے۔ ۱۱۸۷ھ میں اُن کا انتقال ہوا۔ تلافی مافات کے سلسلے میں اُن کے بیٹے کلیان سنگھ کو پہلے انتظامی کاؤنسل کی ممبری اور پھر عظیم آباد کی نظامت سپرد کی گئی۔

Marfat.com

میر غلام حسین مُصنّف سیر المتاخرین کی رائے ہے کہ :

" راجہ بہت زیادہ اوصاف حمیدہ رکھتا تھا۔ اور اُس عہد میں اکثر اُمرار سے ممتاز تھا اور اخلاق میں ان پر فضیلت حاصل تھی " راجہ شتاب رائے کی طرز معاشرت ہند اسلامی تہذیب کی آئینہ دار تھی۔ عقائد کے لحاظ سے وہ صوفی منش موحد شخص تھے۔

مہاراجہ شتاب رائے کا ادبی ذوق بھی بہت بلند اور اعلیٰ تھا۔ وہ شاعروں، فن کاروں اور صنّاعوں کے نہایت قدر دان تھے۔ اس باب میں ان کے گھرانے پر ہمہ خانہ آفتاب کی مثل صادق آتی تھی۔ اشرف علی فغاں، مہاراجہ کے دربار سے وابستہ تھے۔ راجہ شتاب رائے کے لڑکے خود شاعر اور شعرار کے قدر دان اور سرپرست تھے۔ وہ میر ضیاء الدین ضیاؔ سے بطور خاص حُسن سلوک کیا کرتے تھے۔ اس گھرانے اور راجہ رام نرائن لال کی بدولت اس عہد میں عظیم آباد، پٹنہ، دہلی اور لکھنؤ کا ہم پلہ ہو رہا تھا۔ اس کی بڑی شہرت ہوئی اور شاعروں کی کثرت نے اس شہر کو اُردو کا ایک اہم مرکز بنا دیا۔ چنانچہ میر شیر علی افسوسؔ اور میر امنؔ دہلوی بھی عظیم آباد آئے اور شتاب رائے کے صاحبزادے کے کرم وجود سے فیض یاب ہوتے رہے۔ عشقیؔ کا قول ہے کہ فدویؔ، عاشقؔ کی رفاقت میں زندگی بسر کرتے تھے۔

مہاراجہ کلیان سنگھ کی مہاراجگی اور مدار المہامی یوں تو عرصہ تک قائم رہی لیکن اصل میں رفتہ رفتہ انگریز ہر معاملہ میں پورے طور پر قابض و دخیل ہو گئے۔ کلیان سنگھ برائے نام " نائب ناظم صوبۂ بہار " رہ گئے۔ ۱۲۰۲ھ/۱۷۸۸ء میں مہاراجہ عظیم آباد چھوڑ کر کلکتہ جا پہنچے جاگیروں کی واگذاشت اور عہدوں کی بحالی کے لیے سعیٔ ناکامیاب کرتے رہے۔ مہاراجہ کے چوبیس سال کلکتے میں گذرے۔ بیمار ہو گئے۔ آنکھیں جاتی رہیں۔ ۱۲۲۶ھ میں کلکتہ سے عظیم آباد پٹنہ روانہ ہوئے۔ یہاں اب کیا رکھا تھا۔ ویرانی ہی ویرانی تھی۔ قریباً ایک برس یہاں رہ کر اس " شہر ناپرسان جہنم آباد " سے کلکتہ واپس چلے گئے۔ بیماری اور نابینائی میں بھی دیوان پر دیوان، مثنوی پر مثنوی پر گو

---

[1] خطبۂ صدارت صلاح الدین خدا بخش ۱۹۳۰ء۔

Marfat.com

شاعر منشیوں کو لکھواتا گیا۔ ایک برس پٹنہ کے قیام میں پوری خلاصۃ[2] التواریخ ، اور واردات قاسمی لکھوادی۔ ادبی شغل تاحیات جاری رہا۔ آخر ۷۳ سال کی عمر میں ۲۶ شوال ۱۲۳۷ھ / ۱۸۲۱ء[3] میں کلکتہ ہی میں انتقال کیا۔

مہاراجہ کلیان سنگھ عاشق باکمال ، ہمہ دان ، شیریں زبان ، عاشق مزاج و رنگین اطوار تھے۔ ہندو مسلمانوں کے مشترکہ تمدّن کے بہترین نمائندہ اپنے والد بزرگوار مہاراجہ شتاب رائے کے مسلک پر کاربند۔ مخیّر، فیّاض اور سرپرست علم و فن۔ عزیز الدّین بلخی لکھتے ہیں :

" اگرچہ یہ بھی اپنے باپ ہی کے مانند مجمع کمالات تھے۔ لیکن راحت طلب اور عیش پسند ہونے کے باعث اس خدمت جلیلہ پر اون کی جانشینی سے جی چراکر صہبائے لعل رنگ اور معشوقان شوخ وشنگ کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ سوائے فکر شعر کے اور کسی درد سر کو مول نہ لیا "

دلّی کے محمد شاہ رنگیلے ، لکھنؤ کے واجد علی شاہ رنگیلے پیا کی طرح پٹنہ کے کلیان سنگھ بھی رنگیلے ، رسیلے اور عاشق مزاج تھے۔ زوال اور شکست وریخت کے دَور میں غم غلط کرنے کا فراری اور رندانہ فلسفہ احساسِ بربادی کو کم کرکے فریب نشاط کے رنگین دھندلکے پیدا کردیتا ہے ؎

حدیثِ مے و مطرب گو و رازِ دہر کم ترجو
کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت ایں معمہ را

کلیان سنگھ عاشق کے فارسی میں بکثرت دواوین ، متعدد مثنویاں اور قصائد ہیں۔ مگر اُردو میں متفرق اشعار کے علاوہ صرف ایک سہرا اور ایک مثنوی ملتی ہے جس کے بہت سے اشعار ضائع ہوگئے ہیں۔ یہ مثنوی بہ اقساط رسالہ معاصر پٹنہ میں شائع

---

[1] یہ وزیر علی حیرتی عظیم آبادی : " معراج الخیال " ۔

[2] خلاصۃ التواریخ اور واردات قاسمی کے قلمی نسخے نواب زادہ سید محمد مہدی ، پٹنہ سٹی کے پاس ہیں

[3] " معراج الخیال " حیرتی میں غلطی سے ۱۲۰۷ھ درج ہے۔ بقول پروفیسر عسکری۔

ہوتی رہی ہے اور پھر یکجا بھی " دائرۂ ادب " پٹنہ کی طرف سے مرتب کردی گئی ہے۔ جو میرے پیش نظر ہے۔ تذکرۂ شورش، تذکرۂ عشقی اور تذکرۂ عبرتی میں عاشق کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں اور سیر المتاخرین اور خلاصۃ التواریخ و واردات قاسمی سے حالات زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔

مثنوی کا قلمی نسخہ بابو رامیشور پرشاد بی۔ اے۔ بی۔ ایل پٹنہ کے پاس ہے قاضی عبدالودود صاحب نے اپنے مختصر نوٹ کے ساتھ اسے معاصر میں شائع کرایا تھا۔ نمونۂ کلام حسب ذیل ہے:

ہوا[1] تیرے جلوے سے بے خود کلیم — کیا اُس نے اس شعلے سے خوف و بیم
دمِ وصل موسیٰ ہوا بے خبر — تجلّی سے تیری گرا کوہ پر
محمدؐ سزا وار دیدار ہے — کہ تیرا وہ یارِ وفادار ہے
" " " " " " " " " " — " " " " " " " " " " " "

محمدؐ ہے محبوب پروردگار — محمدؐ ہے مطلوب پروردگار
" " " " " " " " " " " " — " " " " " " " " " " " " " "
محمدؐ کی سب سے بڑی شان ہے — محمدؐ کا چاکر سلیمانؑ ہے

گھٹا[2] گھر کے آئی پڑے ہے پھہار — چمکتی ہے بجلی بہ شان شرار
گرجتا ہے بادل عجب شور سے — برستا ہے ابر سیہ زور سے
عجب دھوم سے قطرہ زن ہے سحاب — چھپا ابر تاریک میں آفتاب
" " " " " " " " " " " " — " " " " " " " " " " " " " "
قرابے کا منہ کھول ساقی شتاب — پیالے میں بھر پرتگالی شراب
" " " " " " " " " " " " — " " " " " " " " " " " " " "
کہ کہتا ہوں میں اب کہانی نئی — دکھاتا ہوں غم کی نشانی نئی

---

[1] ورق ۳ قلمی نسخہ۔ [2] ورق ۴ قلمی نسخہ۔

Marfat.com

حریم اس کے تھے نازنینوں سے پُر — گھر اُس شاہ کا مہ جبینوں سے پُر
شب و روز عشرت سے تھا اُس کو کام — مئے خرمی سے تھا لبریز جام
قمر طلعتوں سے ہم آغوش تھا — صراحیٔ عشرت سے مئے نوش تھا
سُلگنے لگی غم سے وہ دل جلی — ہوئی اس کے دل کو عجب بے کلی
گیا دل سے آرام اور جی سے چین — ہوئے مثل ابر اشک ریز اس کے نین

اکیلے چھپر کھٹ میں دولہا دولہن — لگاتے تھے آپس میں تازہ لگن
اِدھر سے کرشمہ اُدھر ناز تھا — محبت کا کیا خوب انداز تھا
لگائی بنے نے بنی ساتھ لاگ — ہوئی مشتعل عیش و عشرت کی آگ
گلے سے لگائی بنے نے بنی — تڑپنے لگی شرم سے کامنی
دیا بوسہ اُس لعل مے نوش پر — رکھی اُس نے دو شاخِ گل دوش پر

مذکورہ بالا شعراء کے علاوہ اور کئی شعراء دوسرے مراکزِ اُردو سے عظیم آباد آئے۔ مگر پھر وہ تشریف لے گئے۔ مثلاً:

(۱) **اَلَمؔ** دہلوی۔ صاحب میر نام۔ آلم تخلص۔ خواجہ میر دردؔ کے بیٹے مرشد آباد وعظیم آباد میں رہے تھے۔ قریباً ۱۲۱۵ھ میں وفات پائی۔

(۲) **دَردمندؔ** دکنی (محمد آبادی) ثم دہلوی۔ محمد فقیہہ نام۔ دردمند تخلص۔ وطن محمد آباد۔ بیدر (دکن)۔ وہاں سے دہلی آئے (۱۱۳۶ھ) شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مظہر جانجاناں کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ دلی سے عظیم آباد آئے۔ ایک مدت تک یہاں رہے۔ پھر دہلی گئے۔ آخر مرشد آباد میں گیا (۱۱۶۲ھ)۔ اُردو ساقی نامہ مشہور ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

بہار میں

اُردو نثر نگاری

سنہ ۱۰۸۱ھ تا سنہ ۱۲۷۵ھ

Marfat.com

حضرت عماد الدّین قلندر پھلواروی

" سیدھا رستہ " دینیات کا ایک مختصر رسالہ ہے۔ یہ حضرت عماد الدین قلندر کی تصنیف ہے۔ جناب تمنّا عمادی مجیبی پھلواروی کو رسالہ مذکور خانقاہ عمادیہ، منگل تالاب، پٹنہ سٹی کے کتب خانے سے ملا تھا۔ رسالہ از ابتدا تا انتہا خط نسخ میں لکھا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس رسالہ کا ایک نسخہ حضرت مصنّف کے دست مبارک کا لکھا ہوا کہیں نہ کہیں موجود ہے۔ مگر باوجود تلاش جناب تمنّا یا اور کسی کو اب تک نہیں مل سکا۔ " سیدھا رستہ " کا دریافت شدہ نسخہ غالباً جناب تمنا کے ساتھ ڈھاکہ جا چکا آپ وہاں ہجرت فرما گئے ہیں۔ رسالہ معیار، پٹنہ (ماہ مارچ ۱۹۳۶ء مرتبہ قاضی عبدالودود) میں " سیدھا رستہ " کی پوری نقل بالکل اصل کے مطابق شائع ہو چکی ہے۔ ابتدا میں سورۂ فاتحہ ہے۔ بعد از آں یوں شروع ہوتا ہے :

سیدھا رستہ

اما بعد پس جانو اے مسلمان بہین آدُر بیٹی سب کہ اللہ تعالےٰ ایک ہیں۔ اون کے تیئں دَھڑ بَدن ہانتھ آدُر پانوں ناکھ کان پیٹ پیٹھ کوچھ نہیں ہے۔ دَھڑ بدن مٹی سے بنیں ہیں، دَے مٹی پانی آگ ہوا سب کے تیئں تو آپی بنائن ہیں، آسمان زمین پاہاڑ ندی دریا سب اون ہی بنائن ہیں، اون کی تیئں صورت بھی نہیں ہے، مورت بدن کی ہووے ہے۔ جب اون کے تیئں بدن نہیں تو صورت کیسے ہوسکی۔ اللہ تعالےٰ کے ایسا کوُ نہیں ہے۔ آدُر نہیں ہوسکے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوُ شریک ساتھی سنگھاتی نہیں ہے۔ آدُر نہیں ہوسکے ہے۔ نہیں اون کے تیئں کوُ جنس ہے۔ آدُر نہیں اون سے کسو کی تیئں جنن ہے، اون کے تیئں جورو جاتا

بال بچہ نہیں ،۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔، نہیں مرد ، ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نہیں دے لڑکا ہیں ، نہیں بوڑھا ، نہیں جوان ، دے ہمیشہ سدا سیتی ہیں آور سدا تلک رہیں جیسے تھے ویسے ہی ہیں ، اور ویسی ہی رہیں ، دے دیکھے ہیں بنا آنکھ کے آور سُونے ہیں بنا کان کے ، اور بولے ہیں بنا مونھ اور زبان کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

رسالہ میں سات چھوٹی چھوٹی فصلیں ہیں اور رسالہ کا اختتام یوں ہوتا ہے :

" ۔ ۔ ۔ ۔ ان سب بات سیتی بچنا ہر مسلمان کے واسطے فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان مرد عورت کے تیئں نیک کام کی توفیق دیویں ۔ اور ہر بورے کام سیتی بچاویں اور اس فقیر عماد الدین کے تیئں جو شاہ برہان الدین کا بیٹا ہے اور اون دونوں کے مائے باپ کے تیئں اور سب مسلمان عورت مرد جیتے موئے کون اپنی کرم سیتی بخش دیویں اور سب کے گناہوں سیتی در گذر فرمادیں ۔ اور موئے پیچھے اپنے حبیب رسول کی شفاعت روزی فرمادیں آمین ثم آمین ۔

رُباعی

یارب نگہہ عنایت ایدھر کردو　　کانٹا ہے عمادؔ تم گُل تر کردو
ہے رنگ گنہ سیتی رُخ اس کا کالا　　تم غازۂ عفوسین منور کردو

تمام ہوا یہ رسالہ صراط مستقیم معروف بہ "سیدھا رستہ" بتاریخ ۲۲ ربیع الاول شریف بیچ وقت ظہر کے ۱۰۸۱ھ ایکہزار اکاسی ہجری میں ۔ ؛

الحمدللہ کہ ایں رسالہ در مدت دو روز حسب فرمائش اہل خانہ خود در زبان مروجہ دریا خود نوشتہ شدہ کہ مردمان وزنان ناخواندہ را در زبان مادری ایشان ذریعۂ معلومات ضروریہ دینیہ گردد و برائے مَن ذخیرۂ آخرت شود ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم ۔

حضرت[1] عماد الدین قلندر ۱۰۶۵ھ میں پیدا ہوئے ۔ تکمیل تعلیم کے لیے اٹھارہ انیس برس کی عمر میں دہلی گئے ۔ اور شیخ عبدالحق دہلوی کے تبرہ سے علم حدیث کی سند

---

[1] تذکرۃ الصالحین مصنفہ محمد حبیب اللہ صاحب عظیم آبادی ص ۱۱۳ - ۱۱۱ ۔ و تذکرۃ الکرام و رسالہ معارف پھلواری (پٹنہ) بابت شوال ۱۳۳۰ھ ۔

حاصل کی۔ اسی زمانہ میں حضرت سیّد محمد فاضل قلندر بسادھوری سے فیض روحانی بھی پایا۔ آپ لاہور بھی تشریف لے گئے تھے۔ پچیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے اور لاہور کے مدرسے میں دو سال تک درس دیتے رہے۔ پھر سادھورے تشریف لے گئے اور حضرت سیّد محمد فاضل قلندر سے بیعت کی۔ وہاں بھی قیام فرمایا۔ ۱۱۰۴ھ میں پھلواری واپس تشریف لائے۔ ۱۱۲۴ھ میں انتقال فرمایا۔ دو صاحبزادے، ایک ہشت سالہ، دوسرے دو سالہ یادگار چھوڑے۔

صراط مستقیم عرف سیدھا رستہ کے اصل نسخے میں یائے مجہول بالعموم یائے معروف کی طرح لکھی گئی۔ چند الفاظ کا طرز املا حسب ذیل ہے:

اُن۔ اون، اُس۔ اوس، اور۔ آوُر، ناک۔ ناکھ، ہاتھ۔ ہانتھ، آپ ہی۔ آپی مٹی۔ میٹی، بہت۔ بہوت، دوسرے۔ دُسر، دونوں۔ دنّوں، بُرا۔ بورا، دکھلانا دیکھلانا، پھر۔ پھیر۔

رسالہ سیدھا رستہ کے متعلق مشہور محقق قاضی عبدالودود صاحب کا خیال حسب ذیل ہے:

"۔۔۔۔۔ کتاب کا سال تصنیف ۱۰۸۱ھ بتایا گیا ہے، اگر مصنف کا سال ولادت ۱۰۶۵ھ ہے جیسا کہ مصنف تذکرۃ الصالحین نے لکھا ہے تو ۱۰۸۱ھ میں مصنف کی عمر ۱۶ سال سے زیادہ نہیں ٹھہرتی۔ اور یہ بالکل قرین قیاس نہیں کہ گیارہویں صدی میں اس عمر کا کوئی شخص تصنیف کے لیے اُردو کو منتخب کرتا جو اس عہد کی تصنیفی زبان نہ تھی اور صرف نثر ہی نہیں، بلکہ نظم بھی اس زبان میں لکھتا۔ کتاب کے خاتمے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ تاہل کی زندگی اختیار کرنے کے بعد یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے۔ حالانکہ مصنف کے حالات جو تذکرۃ الصالحین میں درج ہیں ان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ تاہل کا زمانہ ۱۰۹۱ھ کے بہت بعد ہوگا۔۔۔۔۔ اگر یہ واقعی گیارہویں صدی کا لکھا ہوا ہے تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس صوبہ میں نثر و نظم اُردو کا اس سے قدیم تر نمونہ اس وقت تک دستیاب نہیں ہوا۔۔۔۔۔" (اقبال، پٹنہ، مارچ ۱۹۳۶ء ص ۶۰۰)

Marfat.com

میرے خیال میں قاضی صاحب کے شکوک بادزن نہیں۔ پھلواری شریف میں ہندوستانی بولی کی طرف توجہ ابتدا سے تھی۔ دراصل صوفی خانوادوں میں تبلیغ حق اور ترویج اسلام کی لگن تھی اور اس غرض کے لیے عام بول چال کی زبان کو ہی ذریعۂ اظہار بنایا جاتا تھا۔ کسی نہ کسی کو تو ابتدا کرنی ہی تھی۔ اب تک کی تحقیقات کے لحاظ سے حضرت عمادؔ ہی موسسِ اوّل ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر یہ کوئی انوکھی ریت نہ تھی۔ دکن میں صوفیائے کرام قدیم اُردو میں مذہبی رسالے تصنیف فرما چکے تھے۔ دوسرا شبہ عمر کے متعلق ہے۔ یہ بھی محض وہم ہے۔ آپ کے سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ غیر معمولی طور پر تیز و طبّاع تھے۔ گھریلو زبان میں مذہبی معلومات کے متعلق مختصر سا رسالہ لکھنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ آج بھی ۱۶ سال کی عمر میں ذہین افراد اَدب و شعر کی تخلیق کرنے لگتے ہیں۔ اس عمر میں ڈگری کلاسوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اچھے خاصے مضامین لکھتے ہیں۔ تیسری بات تاہل کی زندگی کے متعلق ہے۔ اس میں بھی کوئی پیچیدگی نہیں۔ چودہ، پندرہ سال کی عمر میں بھی بعض شادیاں ہو جاتی ہیں۔ ممکن ہے حضرت عمادؔ کی شادی بھی پندرہ سولہ سال کے سن میں ہوئی ہو۔ اور آپ نے "حسب فرمائش اہل خانہ خود" رسالہ صراطِ مستقیم معروف بہ 'سیدھا رستہ' شادی کے بعد لکھا ہو۔ تکمیل تعلیم کے لیے آپ اٹھارہ انیس سال کی عمر میں دہلی گئے۔ ۱۱۰۴ھ میں آپ مستقلاً وطن واپس آئے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ دوران تعلیم و ہدایت بھی وطن آتے رہے ہوں۔ ہو سکتا ہے آپ کی دو شادیاں ہوئی ہوں۔ میرے خیال میں "سیدھا رستہ" کی تاریخ تصنیف اور مصنف کے متعلق کوئی قباحت پیدا نہیں ہوئی۔ کتب خانۂ خانقاہ عمادیہ منگل تالاب، شہر پٹنہ والے نسخہ کے متعلق خود قاضی عبدالودود صاحب لکھتے ہیں کہ:

"بظاہر کم از کم ستر۔ اسّی برس قبل کا لکھا ہوا ہے۔" (معیار)

ہرچند کہ رسالے کے خاتمے پر کاتب کا نام درج نہیں لیکن بقول جناب تمنّا پھلواروی۔ یہ نسخہ حضرت شاہ وجہ اللہ قلندر (۱۱۸۲-۱۲۱۱ھ) خواہر زادۂ حضرت شاہ نورالحق طپاںؔ پھلواروی کا لکھا ہوا ہے، کیونکہ ان کے خط سے رسالہ "سیدھا رستہ" کا خط ملتا ہے۔

Marfat.com

جدید تحقیقات سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ پھلواری شریف کے صوفیائے کرام نے رُشد و ہدایت اور تبلیغ و ترویج اسلام کے لیے حضرت عمّاد کے وقت سے مُسلسل اُردو زبان کو استعمال کیا ہے۔ مثلاً حضرات عمّاد، سجّاد، آیت اللہ جوہری، نورُ الحق طپاں، ظہورالحق ظہور، وغیرہم۔ لہٰذا اِس سُنہری زنجیر کی پہلی کڑی کے متعلق وہم و شک میں مبتلا ہونا صحیح نہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ سیدھارتھ کے قدیم ترنمونۂ اَدب اس صوبہ میں اب تک دستیاب نہیں ہوا۔

حضرت ظہورُالحق ظہور

۱۱۸۵ھ تا ۱۲۳۴ھ

حضرت ظہورالحق پھلواروی کے چار نثری رسالے خانقاہ عمادیہ مغگل تالاب پٹنہ سٹی کے کُتب خانہ میں محفوظ ہیں[1]۔ رسالہ نماز، فضائل رمضان، فیض عام اور کسب النبی۔ ان رسالوں کا انکشاف شاہ غلام حسنین صاحب ندوی پھلواروی نے کیا۔ ان کے حوالے سے رخشاں ابدالی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"اتنا تو یقینی ہے کہ یہ دونوں رسالے (یعنی رسالہ نماز اور فضائل رمضان) سنہ ۱۲۰۰ھ سے قبل لکھے گئے۔ کیونکہ یہ اور بعض دوسرے رسالے حضرت مصنّف نے اپنے ایّام طالب العلمی میں لکھے تھے۔ اور آپ پورے سنہ ۱۲۰۰ھ میں فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔"

غرض یہ کہ رسالہ نماز اور فضائل رمضان کا سن تصنیف سنہ ۱۲۰۰ھ سے پہلے ہے۔ فیض عام کا سن تصنیف سنہ ۱۲۲۸ھ ہے اور رسالہ کسب النبی کا سنہ ۱۲۳۳ھ ہے۔

رسالہ "نماز" کی نثر کا نمونہ حسب ذیل ہے:

"نماز تہجد کی بارہ رکعت ہے۔ بعد نیند سے اٹھنے کے دوگانے، دوگانے

---

[1] اُردو نثر کے ارتقا میں ارباب بہار کا حصّہ۔ از رخشاں ابدالی، اسلام پور، پٹنہ۔ (بہار نمبر، ندیم سنہ ۱۹۳۵ء)

پھر دوگانے کے بعد توبہ اور استغفار اور سب کے بعد مناجات اور بعد اس کے خدا کی یاد کرے، بلکہ صبح تک، جو توفیق ملے۔"

رسالہ فضائل رمضان، کی ابتدائی عبارت حسب ذیل ہے:

"ہلالِ رمضان دیکھ پڑھے اللھم سلمنی من رمضان سلمہ منی اللھم ارزقنا صیامہ وقیامہ وتلاوۃ القران بالقلب واللسان۔ ایضاً ہر روز و شب سورۂ اخلاص تین سے بہتر مرتبہ پڑھا کرے۔ حق تعالیٰ اس کے بدن کو جہنم پر حرام گردانے۔"

رسالہ فیض عام، کی طرز تحریر یہ ہے:

"اس سال پہلے ہجرت کے کتنے واقعے درپیش ہوئے پہلا تو مسلمان ہونا عبداللہ بن سلام یہودی کا کہ مدینہ میں رہتے تھے اور اپنی قوم میں تھے۔ بمجرد مشاہدہ کرنے شواہد کے خود اور چند یاران کے دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے۔

دوسرے عہد مواخات باندھنا حضرت نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کا درمیان ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کے۔ تیسرا عہد صلح کرنا — یہودیوں کا قُریظہ اور نضیر اور قینقاع کے جناب پیغمبر صلعم سے بایں شرط کہ طرفین میں کوئی مدد گاری تک دوسرے کے دشمنوں کی نہ کرے۔ خود جنگ کرنے کا تو کیا دخل ہے۔ چوتھا مقرر ہونا طریقہ اذان کا واسطے خبردار کرنے نمازیوں کے نماز اور جماعت سے مطابق خواب عبداللہ بن زید انصاری یا عمر فاروق کے بروائت جبرئیل علیہ السلام نے بھی آکر طریقہ خاص اذان کا تلقین فرمایا۔"

واللہ اعلمُ بالصواب

رسالہ "کسب النبی" کی غرض مسلمانوں کو صنعت و حرفت کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ میں نے غالباً اسی رسالہ کا ایک نسخہ سید شاہ تقی حسن صاحب بلخی سجادہ نشین خانقاہ بلخیہ فتوحہ، ضلع پٹنہ کے پاس بھی دیکھا ہے۔ لیکن نام کسب الانبیاء پایا۔ رات صفحات کا رسالہ ہے۔ مذکورہ بالا نسخہ کی کتابت ۱۲۶۱ھ میں ہوئی۔ لکھا ہے:

Marfat.com

" مابعد عاصی ظہور الحق عظیم آبادی عفہ اللہ عنہ جو حرفت کے مسئلوں کو اپنے والد ماجد اور اکثر علمائے سفر دیدہ اور عجم گردیدہ اور مکی و مدنی علمائے کبار کے صحبت دیدہ سے تحقیق کیا اور اس کے جواب میں جو کچھ ارشاد ہوا عوام و خواص کے نفع کے لیے بجنسہٖ اس تقریر کو ہندی زبان میں لکھ دیا۔ الٰہی قبول کر۔ آمین ثم آمین۔

سوال

عوام لوگ جو کھیتی کرنے والے اور کپڑے سینے والے اور بُننے والے اور حرفت کرنے والے پر طعن کرتے ہیں کچھ قرآن وحدیث اصول و فقہ سے بھی اس کی برائی ثابت ہے یا نہیں۔ یعنی صاف کہدو اور اجر خدا سے!

ج: قرآن وحدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان حرفتوں کو نبیوں نے کیا ہے اس کو یا اس کے کرنے والے کو جو بُرا سمجھتا ہے وہ مردود ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ جو لوگ اہل سنت والجماعت ہیں کبھی اس کو بُرا نہ سمجھیں گے۔۔"

ختم رسالہ پر سُرخ روشنائی سے لکھا ہے:

" تمام شد بتاریخ یاز دہم شہر ذیقعدہ روز چہار شنبہ ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۲۵۳ھ فصلی از خط بندہ تیغ علی بمقام بریول (دربھنگہ) تحریر یافت۔"

رخشاں ابدالی صاحب نے اس رسالہ کے بارے میں لکھا ہے:

" آپ ہی کی ایک اُردو کتاب 'کسب النبی' ہے۔ اس کا سن تالیف ۱۲۳۰ھ ہے۔ اس رسالہ کی غرض صنعت و حرفت کی طرف متوجہ کرنا ہے، جو خود نام سے ظاہر ہے۔" (ندیم۔ گیا۔ بہار نمبر ۱۹۳۵ء)

رسالہ کا مختصر اقتباس یوں ہے:

" بات یہ ہے کہ لوگ ناواقف کاری کے سبب اکثر کسب و حرفت کو کہ جس کو نبیوں نے کیا ہے ذلیل اور حقیر سمجھتے ہیں۔ اس کا حال مختصر سا یہاں پر بیان کیا جاتا ہے کہ لوگ واقف ہو جائیں اور عیب نہ کریں اور سب کوئی حرفت کرکے دکھلادیں اور خوب سیکھیں اور سکھلادیں۔

——— (ندیم۔ گیا۔ بہار نمبر ۱۹۳۵ء ص ۶۳)

Marfat.com

حضرت محمد تقی بلخی فردوسی

حضرت محمد تقی بلخی، حضرت ظہور الحق کے ہمعصر تھے۔ آپ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں "فاضل کامل علامہ عصر مولوی ظہور الحق دام برکاتہ ۔ ۔ ۔ ۔" حضرت بلخی کی کتاب احکام کا قلمی نسخہ مجھے پروفیسر ذکی الحق صاحب بی۔ ان کالج سے ملا۔ اس نسخہ کی کتابت ۱۲۴۸ھ فصلی (۱۲۵۶ھ) میں شیخ خیرات علی نے کی۔ اس وقت مصنف زندہ تھے لکھا ہے۔ "تمام ہوئی یہ کتاب ترجمہ ہندی تصنیف شاہ محمد تقی بلخی فردوسی مدظلہ کے خط خام سے عاصی حقیر سراپا تقصیر شیخ خیرات علی ولد شیخ نجیب علی انصاری رہنے والے محلہ عالم گنج متعلقہ شہر عظیم آباد حال سکونت موضع ارندہ ضلع شہر مذکور بیچ تاریخ دوازدہم شہر ذیقعدہ ۱۲۴۸ھ فصلی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

کتاب کی تقطیع ۵ × ۹ ہے۔ ۸۹ اوراق زرد اردلی کاغذ کے ہیں۔ جا بجا کرم خوردہ۔ کتاب احکام آغاز یوں ہوتا ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد بیقیاس واسطے خداوند برتر کے کہ اپنے قدرت کاملہ سے دونو جہاں پیدا کیا تو سب کوئی اوس کی یگانگی پر اقرار کریں اور معبود اپنا جانیں اور درود بے حد اوپر افضل انبیاء، خاتم پیغمبران محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ حق نے اون کو سب خلقوں سے برگزیدہ کیا اور واسطے بتانے راہ راست کے بھیجا صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ اجمعین۔ بعد اوس کے کہتا ہے فقیر حقیر سراپا تقصیر محمد تقی بلخی فردوسی کہ اگرچہ یہ قلیل البضاعت اتنا استعداد نہیں رکھتا تھا لیکن بموجب فرمانے بعضے شخصوں کے کہ اوپر فارسے قدرت نہیں رکھتا تھا مثایلات

Marfat.com

چندکہ جانناں اوس کا ضروریات دین سے تھا، کتابیں معتبر سے چُن کر کے زبان ہندی میں ترجمہ کیا گیا اور خوف درازی کلام سے سند لاناں اُون کتابوں کا ترک ہوا اور وہ کتابیں یہہ ہیں شرح عقائد فارسے تصنیف حضرت مولانا مظفر شمس بلخے کے رسالہ شرح عقائد تصنیف صاحب انیس الواعظین کے شرح اوراد مفتاح الصلوٰۃ الطبعی مالا یدمنہ فی الاسلام اوامر تصنیف فاضل کامل علامہ عصر مولوی ظہور الحق دام برکاتہ کے کہ فی الحقیقتہ ایجاز کے اعجاز ہے، اوراد دہ فصل تصنیف جدنا حضرت مخدوم حسین العز شمس بلخے کے دعائیں اور وردیں اوس کے احادیث صحیحہ سے سند ہے اور مقصود القاصدین، پس اگر کسے کو بیچ اس ترجمہ کے کسے مقام میں شک واقع ہو تو طرف اون کتابوں کے دیکھے اور رفع شک اپنے کا کری اور نام اس کتاب کا احکام رکھا گیا اور یہہ ترجمہ میں تین کتاب ہے باب باب اور فصل فصل۔ کتاب پہلی بیچ بیان ایمان کے اور یہہ باب پانچ فصل ہے۔ فصل پہلی بیچ بیان حقیقت ایمان کے۔ فصل دوسری بیچ بیان ایمان لانے ساتھ خدا کے۔ فصل تیسری بیچ ایمان لانے ساتھ فرشتہ کے۔ فصل چوتھی بیچ ایمان لانے ساتھ سوال منکر نکیر اور قیامت وغیرہ کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

احکام عقائد، ایمانیات، شرح اعمال اور تفصیل شریعت کے متعلق ایک عمدہ کتاب ہے۔ جستہ جستہ چند حوالے اور پیش کیے جاتے ہیں:

"ہر عاقل اور بالغ یعنے عورت اور مرد سے جو کہ جوان ہو پہلے اوس پر فرض ہے کہ ساتھ خدا کے ایمان لاوے اور ایمان سچ جانناں بیچ دل کے ہے کہ یعنے مان لیناں اوس چیز کا کہ خدا کنے سے آئی ہے اور اقرار زبان کا بھی شرط ہے واسطے اوس کے ساتھ بیزاری کے ہر دین سے سوائے دین اسلام کے۔ پس اگر کوئی کام کرے یا کوئی بات ایسی بولے کہ جتے انکار یا شرک پایا جائے ایمان اوس کا درست نہیں ہے، اگرچہ نماز پڑھے یا روزہ رکھے نزدیک خدا کے وہ کافر ہے اور حکم کفر پر اوس کے کیا جائے گا۔"

"۔ ۔ ۔ ۔ بیع ساتھ شرط فاسد کے فاسد ہے اور وہ بیچ اوس

Marfat.com

کے نفع ہو بیچنے والے یا خریدار کو اگر مستحق نفع کے ہو یعنی ایسا ہو اور شرط فاسد وہ ہے کہ مناسب عقد بیع کے نہ ہو پس شرط کرنانِ ملک خریدار کرکے فاسد بیع نہیں ہے کہ مناسب عقد کے ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

اختتام کتاب کی عبارت ایک دُعا کی فضلیت میں حسب ذیل ہے :

"۔ ۔ ۔ ۔ روایت ہے کہ ابو بکر صدیق رضے اللہ عنہ نین فرمایا ہے کہ پیغامبر صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ دو سو برس کی نماز کو اوس کے کفارہ ہے اور عمر خطاب رضی اللہ عنہ نین فرمایا کہ ہم پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ چار سو برس کی نماز گزشتہ اوس کے کفارہ ہو اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پیغامبر صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ چھہ سو برس کی نماز گزشتہ اوس کے کفارہ ہو۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نین فرمایا ہے کہ ہم نے پیغامبر صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ سات سو برس کی نماز گزشتہ اوس کے کفارہ ہو۔ یاروں نے پوچھا کہ یا رسُول اللہ عمر ہم سبھوں کی شتر یا انی یا سو ہے اتنا صفت کیونکر ہے فرمایا کہ نماز ماں اور باپ اور اقربا بیٹا بیٹی کے اُوس کے کفارہ ہو تمام شد "

معلوم ہوتا ہے کہ کتاب احکام مصنف کی وفات کے بعد طبع بھی ہوئی تھی۔ رخشاں ابدالی صاحب لکھتے ہیں :

" اس کتاب کا نام احکام ہے۔ اس کے مصنف حضرت سید شاہ محمد تقی بلخی سجادہ نشین خانقاہ بلخیہ فتوحہ ضلع پٹنہ ہیں۔ یہ ۱۲۸۳ھ میں مٹیا برج کلکتہ میں مرزا مہدی حسن کے اہتمام سے طبع ہوئی ہے۔ صفحہ ۲۱۶ پر کتاب تمام ہوئی ہے اور بعد والے صفحہ پر شاہ یحیٰ عظیم آبادی کے دو قطعے تاریخ فارسی میں ہیں۔

مُصنف کے صاحبزادہ اور جانشین شاہ عظیم الدین صاحب نے مصنف کی رحلت کے چند برس بعد چھپوایا ہے۔ جس کی صراحت اپنے

Marfat.com

مقدمہ میں اُنہوں نے کی ہے۔ ۱۲۸۳ھ سال طباعت[1] ہے۔ لہٰذا متحقق ہے کہ ۱۲۸۳ھ سے چند سال پہلے یہ کتاب لکھی جا چکی تھی۔ یہ تین کتاب اور چند ابواب و فصول پر مشتمل ہے، جن میں عقاید، مسائل فقہ اور اوراد و وظائف کا بیان ہے۔ کتاب کی ابتدائی سطور یہ حاضر ہیں "

(ندیم بہار نمبر ۱۹۲۵ء، ص ۶۷)

بعد از آں عبارت نقل کی گئی ہے:

"..... کہتا ہے فقیر حقیر سراپا تقصیر محمد تقی بلخی فردوسی کہ .....

..... کتابوں معتبرے چُن کر زبان ہندی میں ترجمہ کیا گیا۔ ....."

معلوم ہوتا ہے کہ قلمی نسخہ اور مطبوعہ نسخہ میں قدرے فرق ہے۔ املا کا، جمع و واحد کا اور کچھ اور خفیف فرق۔ مثلاً:

قلمی نسخہ	مطبوعہ نسخہ
(۱) اتنا استعداد	(۱) اتنی استعداد
(۲) کہ اوپر فارسی قدرت نہیں رکھتا تھا	(۲) کہ اوپر فارسی کے قدرت نہیں رکھتے تھے
(۳) مثایلات چند کہ جاننا اوس کا ضروریات دین	(۳) مثائل چند کہ جاننا اُن کا ضروریات دین .....
(۴) ..... کتابیں معتبرے چُن کرکے..	(۴) کتابوں معتبرے چُن کر.....
(۵) ترجمہ کیا گیا۔	(۵) ترجمہ کیا گیا۔

---

[1] سال تصنیف بلاشبہ ۱۲۵۶ھ سے پہلے ہے۔ کیونکہ قلمی نسخہ کی کتابت اسی سال مصنف کی زندگی میں ہوئی ہے۔ تفصیل پہلے درج ہو چکی ہے۔ (اورینوی)

Marfat.com

حضرت سیّد شاہ عطا حسین منعمی گیاوی

۱۲۳۱ھ تا ۱۳۱۱ھ

رخشاں ابرالی صاحب کتاب 'دید مغرب معروف بہ ہدایت المسافرین' کے متعلق لکھتے ہیں :

" اس کے مصنّف حضرت سیّد شاہ عطا حسین صاحب منعمی قدس سرہٗ گیاوی (۱۲۳۱ھ تا ۱۳۱۱ھ) مصنف 'کیفیت العارفین'، 'کنزالانساب' (فارسی) ہیں۔ 'ہدایت المسافرین' حضرت کا مفصل سفرنامہ حج ہے۔ اس کی تین ضخیم جلدیں تھیں۔ (۱) سیرآلہند، ہندوستان کے مشہور شہروں کے حالات پر مشتمل (۲) زایر عرب (۳) کیفیت مراجعت۔ کتاب کی تالیف ۱۲۶۰ھ سے شروع ہوکر ۱۲۶۴ھ میں اختتام کو پہنچی۔ اس کی پہلی جلد 'سیرالہند' کا کچھ حصہ خانقاہ منعمیہ، رام ساگر، گیا میں محفوظ ہے۔ جو ۳۵۰ صفحات کو محیط ہے۔ اور افسوس ہے کہ بقیہ حصص آج مفقود ہیں۔ اس کتاب کے کافی اقتباسات، رسالہ گنجینہ (پٹنہ) کے دو نمبروں میں آچکے ہیں ....." (ندیم، بہار نمبر ۱۹۳۵ء ص ۶۶)

سیرآلہند کی زبان مقفّیٰ و مسجع، رنگین و پُر تصنّع ہے۔ ذیل کے اقتباس سے طرز تحریر کا اندازہ ہوگا:

" الحاصل، بادشاہ بہادر شاہ نے چادر اپنے ہاتھوں سے مزار شریف پر چڑھائی اور پھول کی چادر بھی اس پر رکھی، زاں بعد تقسیم ہوئی مٹھائی، وہاں سے حاضری مجلس خانہ کی نوبت آئی۔ جس وقت مجلس میں شاہ کالے

Marfat.com

صاحب لائے تشریف، اور اُٹھ گئے ان کی تعظیم کو جوان و ضعیف۔ اس وقت خواجہ اکبر علی صاحب نقیب الاولیا مجھے لاکے شاہ کالے صاحب سے ملائے، مختصر سا کچھ میرا حال سُنائے کہ یہ بزرگ ہیں، پورب کے رہنے والے مشائخ زادہ۔ باوجود ثروت بکمال عقیدت زیارت کو آئے ہیں پا پیادہ۔ شاہ صاحب مصافحہ کرکے معانقہ کیے مجھ سے باتپاک فقیر بھی ملا بہر تعظیم، چُوما ان کا دست پاک۔ کرکے مسکین کا اعزاز و توقیر اپنے پہلو میں بٹھلائے۔۔۔۔۔۔"

"۔۔۔۔ جب مشائخ ہوئے مجتمع، قوال اپنا اپنا ساز ملائے غزلیں طرح طرح کی گائے، صوفیائے عظام وجد و شورش میں آئے۔ اِن چشتیوں کے وجد و شورش کا ابو العلائیوں سے نیا دیکھا انداز۔ پیروں کی توصیف کی غزلوں میں، کوئی جھُومتے تھے، کوئی روتے تھے بخشوع و نیاز۔۔۔۔"

"۔۔۔۔ القصہ فقیر بحالت وجد نعرہ کرتا ہوا پہنچا بادشاہ کے پاس، مُصافحہ کرکے اُن سے کہا، اے بادشاہ دین پناہ اگرچہ اس غزل کے اشعار و مضمون آپ کے ہیں مقال، اگر غور فرمائے حقیقت میں تو یہ اشعار فقیر مسکین کے ہیں حسب حال۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہر و باطن بنایا ہے شاہ، اور اس مسکین کی شاہی تو ہے فی سبیل اللہ۔ بہادر شاہ سن کے عاجو مسکین کی تقریر اور معائنہ کر حالت کیفیت فقیر حقیر اس مجلس میں فقیر کے ہوئے معانقہ پذیر، اگرچہ ان کے پہلو میں تھے کھڑے ہمنشیں و دبیر۔۔۔۔"

(رسالہ ندیم، بہار نمبر ۱۹۳۵ء ص ۶۶)

یہ دہلی کی ایک مجلس سماع کا حال ہے، جس میں خاندانِ تیموری کا آخری چراغ بادشاہ بہادر شاہ ظفر بھی جلوہ افروز تھا۔

Marfat.com

سیّد محمد اسحٰق عرف پیر دمڑیا ولادت

سنہ ۱۲۲۴ھ - سنہ ۱۲۳۲ھ

مجھے سیّد محمد اسحٰق عرف پیر دمڑیا کے دور سالے شاہ مجتبیٰ حسن صاحب رئیس بہار شریف[1] سے حاصل ہوئے۔ سیّد محمد اسحٰق آپ کے پردادا تھے۔ بہار کے صوفیوں کا یہ خاندان نہایت معزز و محترم ہے۔ حضرت پیر دمڑیا کے دو رسالے نثر اُردو میں میرے پیشِ نظر ہیں۔ ایک کا نام "اصول احکام شرح" اور دوسرے کا "جذبات معینہ" ہے۔

سیّد محمد اسحٰق فاطمی والمرتضوی النسب تھے۔ مذہب "ملت حنفی مشرب صوفی" آپ شاعر بھی تھے۔ قلمی نسخوں میں آپ کی نظمیں حمد میں، نعتیہ، قصیدے بزرگوں کی توصیف میں دیگر قصائد، مرثیے اور صوفیانہ غزلیں بھی ملتی ہیں۔ تخلص فقیر فرماتے تھے۔ حضرت پیر دمڑیا اپنی ولادت کے متعلق لکھتے ہیں:

"جب میرے بڑے بھائی سیّد شاہ محمد اشفاق عرف شاہ خوش کو کہ دلی مادر زاد تھے۔ سات برس کی عمر میں معاندوں نے زہر کھلا کے شہید کیا اور والدین کو ہمارے نوید لا ولدی سے نا امید کیا۔ چند عرصہ تک کوئی فرزند دلبند ظہور میں نہ آیا اور فلک کجرفتار نے خردہ خورمی کا انہونکو نہ سنایا، حکایت نسوات مخدرات عصمت نمن بہت دعا

---

[1] محلہ دائرہ، بارہ دری، بہار شریف، ضلع پٹنہ سید محمد اسحٰق عرف پیر دمڑیا کے بیٹے شاہ عطا حسین ان کے بیٹے شاہ رضا حسین و شاہ فدا حسین۔ شاہ مجتبیٰ حسن شاہ رضا حسین کے بیٹے ہیں۔ ۔ ادریسی ۔

Marfat.com

و تعویذ کرایا اور اکثر روضہ چلہ پیرو نکا منایا، جب ثمرہ اوس کا کچھ نہیں پایا سبھونکا دیہان اپنے پیروں کی طرف آیا۔ جناب دادی و پردادی صاحبوں نے استخارہ معین کیا اور دل میں اپنے ایہی یقین کیا کہ اگر بعنایات رب العالمین وبہ استمداد غوث العالمین حضرت پیر دستگیر خواجہ معین الدین لخت جان چراغ خاناں کا پیدا ہوگا تو اوس کو واسطے زیارت آستانہ کرامت کے اجمیر شریف روضہ منیف میں روانہ کردیں گے اور اس عہدے اپنے کبھی نہ پہروں گی۔ آخر یہ دعا بدرگاہ خُدا مستجاب ہوئی۔۔۔۔" بعد ازیں حکایت کرامت منظوم۔

۔۔۔۔"تاریخ چودہویں شہر صفر المظفر روز چہار شنبہ ۱۲۲۴ھ فصلی یہ کمترین خلایق بندہ نالائق مُصنّف پیدا ہوا۔ بہزار نازونعمت آغوش والدین میں پرورش پاکے سن بلوغ پہونچا۔ چونکہ پیدائش اس کی بتصرف پیران پیر تھی اس جہت سے اس میں یہ تاثیر تھی کہ ایام طفولیت سے اب تک عاشق پیراں رہا۔۔۔۔" (جذبات معنیہ)

میں پہلے رسالہ، جذبات معنیہ، کا مختصراً جائزہ لیتا ہوں۔ پیش نظر رسالہ نامکمل ہے۔ آخر میں نو صفحات ہلکے زرد کاغذ کے سادہ چھوڑے گئے ہیں اور چوبیس صفحات لکھے ہوئے ہیں۔ سائز ۵" × ۹" ہے۔ صفحات جا بجا کرم خوردہ ہیں۔ یہ رسالہ دو اور مطبوعہ[1] اُردو رسالوں اور مُصنّف کے ایک طویل قصیدہ کے ساتھ مجلد ہے۔

پہلے قصیدہ ہے، مطلع ؎

کس مونہہ سے حمد خالقِ اکبر بیاں کروں
اور کس زبانے منت داور بیاں کروں

---

[1] پہلے مطبوعہ رسالہ کا نام "چیچک اور مواد چیچک کے ٹیکا اور انگریزی ٹیکا کا حال" مفید عام ہے۔ مطبوعہ گورنمنٹ پریس، الہ آباد۔

دوسرے رسالے کا نام "ایکٹ نمبر ۸ ۱۸۶۹ء بابت ترمیم ضابطہ مقدمات زمینداران و رعایا کے" ہے۔ مطبوعہ کلکتہ جنوری ۱۸۶۰ء۔

۱۴ صفحات سے کچھ زیادہ پر یہ قصیدہ ہے۔ در اصل یہ قصیدہ درقصیدہ ایک ہی بحر و ردیف اور اہتمام قوافی میں ہے۔ پہلے حمد، پھر نعت، پھر توصیف اہل بیت۔ بعد از آں وصف خلفائے راشدین اور آخر میں پیران طریقت کی شان میں قصیدے ہیں خصوصاً حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ کے مناقب میں۔

قصائد کے بعد رسالہ "جذبات معنیہ" شروع ہوتا ہے۔ اس کا آغاز بھی حمد و نعت سے ہوتا ہے ؎

"بسم اللہ الرحمن الرحیم"

حمد بیحد شکر بیعد ذات رب العالمین　　کس زباں سے ہو ادا جب اوسکا پایاں کچھ نہیں

شاہ کا گرچہ پتا تم ڈھونڈتے ہو اے فقیر　　چشم دل سے دیکھلو در سینہ ہائے عارفین

چاہیئے اب وصف شاہ انبیا و مرسلین　　مالک ارض و سماں و سالک عرش بریں

وصف جس شہ کا کرے خود خالق کون و مکاں　　کیا لکھے اوس کو فقیر بے نوا ہر کمترین

اَب جانا چاہیئے کہ وجہ لکھنے اس رسالہ کی یہ ہے کہ جب اس فقیر بے تدبیر کمترین خلایق بندہ نالائق خادم الفقرائے آفاق شجاعت العشق فقیر زادہ حقیر سید محمد اسحاق المشتاق الی الہ عُرف پیر دمڑیا چشتی النظامی والملقب من المرشد معدن الفیض سر حلقہ ابو العرفان مقبول حسین ابو الفیاضی الباری التکوی کو اندوہ دینیہ وجذبات معنیہ متمکن حال ہوا اور کاشانہ ویرانہ سے اپنے طرف دار الخیر حضرت اجمیر نور الہ ارضہ کے انتقال کیا۔ ابتدائے روانگی سے پہر آنے تک کچھ عجیب و غریب سامان بندہا و گوناگوں کرامات و عنایات و افضال اوس حبیب ذوالجلال کا آسکے حال پر رہا کہ اگر مشروح دار کل کو لکھے تو جلد مطول ہوئے اور جنم بہر نقل نہوے مگر بعض بعض کرامات عجیب اور وقوعات غریب کہ ہنگام اوس سفر وسیلۃ الظفر کے مُشاہدہ اور معائنہ کرتا تھا۔ جس مقام پر ٹہرتا تھا لکھنے سے اوسی احوالات کے

Marfat.com

کاغذ بہترا تھا اور یک جدول بطور جنتری کے بنا کیا تہا کہ سب حالات اوس میں لکہا کیا تھا کہ وہ مجموعہ زبان فارسی میں بقید روز و تواریخ و تعداد منازل ہوا تہا۔ سب مریدان راسخ الاعتقاد اور دوستان واثق الاتحاد نے دیکہہ اور سُن کے بہت خوش ہو داد دیا اور یہ فرمائش بصد تاکید کیا کہ اگر اوس کا ترجمہ زبان ہندوی میں ہوتا تو خوب تہا بلکہ ہر دل میں مرغوب تہا کہ وہ سب سُن کے خواہشِ زیارت کی دلوں میں ہوتی اور یہ کتاب تخم عقیدت کا مزرعہ دلوں میں بوتی۔ ہر چند عذر کیا اور کہا کہ زبان ہندی میں مجہہ کو دخل نہیں، بہو تیرے معترض کہیں گے چناں وچنیں تس پر بہی اون لوگوں نے نچہوڑا، اس عاجز نے بھی اون لوگوں کے کہنے سے مونہہ نموڑا۔ اس لیے خلاصہ حال سفر اور کیفیات منازل و شہر کے لکہا۔ چونکہ جانا اس کا صرف بکشش و غلبات یقینہ تھا نام اوس کا جذبات[1] مفیہ رکہا تو جو کوئی پڑھے ساتہہ دعاے خیر کے اوس فقیر کو یاد کرے۔ اب التماس بیچ خدمت اہل قیاس حق شناس کے یہ ہے کہ اوس کے مضامین کو سمجھ لیں اور عبارات غیر فصیح کو خیال نہ کریں بلکہ اگر کوئی الفاظ بے ضابط تحریر اور غیر محاورہ تقریر کے دیکھیں تو ساتھ اصلاح کے بار احسان کا مجھ عاجز پر دہریں۔۔۔۔"

یہ رسالہ اجمیر شریف کا سفرنامہ ہے۔ نثر کے بین بین ابیات و اشعار خود مُصنف کے درج ہیں۔ کہیں کہیں پوری کی پوری غزل بھی ہے۔ کلام منظوم کی کثرت ہے۔

پہلی منزل، حضرت بہارے بلدہ عظیم آباد تک کہ سولہ کوس ہے "کے بیان پر رسالہ نامکمل رہ جاتا ہے۔ آخری الفاظ حسب ذیل ہیں:

"۔۔۔۔۔جب اس عاجز کو بہت مستعد پایا حضرت مرشد سے سارا احوال

۔۔۔۔۔کا ظاہر کیا اور عزم وارادہ سے اس احقر کے ماہر کیا"

مصنف کئی بار اجمیر شریف کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے مگر مقصد پورا نہ ہوا۔ آخرش "روز دو شنبہ تاریخ ساتویں صفر ۱۲۸۱ھ ہجری مطابق چوبیسویں کاتک

---

[1] "جذبات مفیہ" سرغ روشنائی سے لکھا ہے جس سے مختلف شرحیاں رسالے کی لکھی گئی ہیں۔

Marfat.com

۱۲۶۲ھ فصلی روانہ عظیم آباد ہوئے ۔

سید محمد اسحٰق عُرف پیر دمڑیا کا دوسرا رسالہ " اصول احکام شرع " ہے۔ یہ رسالہ فقہ ہندی منظوم کے ساتھ مجلد ہے۔ سایز ۵" × ۹" کاغذ ہلکا زرد، کرم خوردہ ۔صفحات ۳۱۔ رسالہ کا آغاز یوں ہوتا ہے :

" بسم اللہ الرحمن الرحیم

اچھی تعریف خدائے پاک کے لیے ہے کہ جس نے یک امرے وجود نابود دو جہان کا بنایا اور اوس میں اپنی ساری صفت اور صنعت کر دیکھایا کہ تمامی مخلوقات اپنا پیدا کرنے والا، روزی دینے والا، آفتوں سے بچانے والا، معصیتوں سے چھوڑانے ہارا جانیں اور اوس کے حکموں کو جان اور دل سے مانیں۔۔۔۔ "

"۔۔۔۔ اب آگے اس کے جانا چاہیئے کہ یہ عجیب زمانہ ہے کہ جس میں وعظ و نصیحت ایک فسانہ ہے ۔کیسی کو توفیق دینداری اور ایمان شناسی کی نہیں ، اعمال کچھہ ہے اور نیت کہیں اور احکامات شرع کی تلاش کرتے ہیں، آخر سُنی سُنائی بات پر چلتے ہیں اور اپنی سمجھ پر مرتے ہیں اور خوف خدا سے کچھ نہیں ڈرتے ہیں۔اس جہت سے ظہور دین مصطفےٰ کے چھوڑ کے راہ ضلالت اور ہلاکت میں پڑتے ہیں اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی برباد کرتے ہیں اس واسطے یہہ فقیر بے تدبیر کمترین خلایق بندہ نالائق محمد اسحٰق المعروف پیر دمڑیا چشتی النظامی۔۔۔۔۔ نسب ہادی الفاطمی والمرتضوی مذہب۔۔۔ ملت حنفی مشرب صوفی۔۔۔۔۔ واسطے عزیزان اور دوستان کے اکثر کتب ہائے فقہ سے اِن اُصولوں کو فراہم لاکے رسالہ مختصر کیا اور نام اوس کا ، اُصول احکام شرع رکھا۔۔۔۔"

۔۔۔۔۔ "جانو اے مُسلمانو! کہ ہر کام کے واسطے اصول ہے کہ بغیر آگاہی اوس کے کرنا فزول[1] ہے ، پس اسی طرح سے دس اصول شرع

---

[1] اسی طرح لکھا ہے ، فزول ۔ فضول ۔

Marfat.com

ہیں کہ سب کام اور احکام مسلمانوں کے اوسی کے فرع ہیں فہرست اصولات، توحید، ایمان، اسلام، اعتقاد، دین، مذہب، اجتہاد ملت، اتفاق، اختلاف۔ اور شرع کے معنی راہ روشن ہے، جو کوئی اس راہ پر چلے گا ضلالت اور ہلاکت میں نہ پڑے گا۔"

رسالہ کا اختتام مندرجہ ذیل جملوں پر ہوتا ہے:

"..... اس لیے رسالہ ہندی کیا کہ ہر شخص کی سمجھ میں آوے، شکر و احسان خدا کا کہ اتمام کو پہونچا۔ اللہ برتر پڑھنے والے کو توفیق دے کہ مصنف کے ساتھ دعائے خیر کے یاد کرے۔ تمام شد۔ نسخہ احکام الشرع من تصنیف شجاعت العشق فقیر..... حقیر محمد اسحٰق المعروف پیر دمڑیا چشتی النظامی والا بو الفیاضی البہاری التیکوی۔"

رسالہ کی تصنیف کی تاریخ کہیں درج نہیں۔ اس رسالہ کی زبان صاف اور رواں ہے۔ اشعار اور ابیات کے بوجھ سے دبی ہوئی ہے۔ ہاں طرز مقفیٰ کے نمونے جا بجا ملتے ہیں۔

عالم علی عظیم آبادی

(۱۲۵۷ھ)

عالم علی عظیم آبادی نے ۱۲۵۷ھ میں میر محمد تقی خیال کی مشہور کتاب "بوستان خیال" کا فارسی سے اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ ملخص ہے بوستان خیال، سولہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے ملخص ترجمہ کا نام "زبدۃ الخیال" ہے۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانۂ قادریہ خانقاہ اسلام پور (پٹنہ) میں ہے۔ اس نسخہ میں ۲۳۰ صفحات موجود ہیں۔ اور آخر کے بقیہ صفحے غائب ہیں۔ ابتدا میں جو فہرست مضامین ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۴۸۰ صفحوں پر تمام ہوئی ہے۔ افسوس کہ مصنف کے حالات بالکل تاریکی میں ہیں۔ اس کتاب کی زبان بہت صاف سلیس اور رواں ہے۔" (رخشاں ابدالی، اسلام پور، ندیم بہار نمبر ۱۹۳۹ء ص ۶۳)

"زبدۃ الخیال" کا اقتباس حسب ذیل ہے :

"جب ملکہ مہر افروز زوجہ اورنگ خاں بادشاہ ملک ختا، کہ حسن تدبیر سے حکیم اسقلینوس کے حاملہ ہوئی۔ بعد نو مہینے کے دختر نیک اختر آفتاب صورت، ماہتاب سیرت پیدا ہوئی، نام اس کا زہرہ جبیں ختائی رکھا ؎

چہ دختر، اخترِ برج سعادت
گرامی گوہر درج سعادت

اکتالیس اسباب حسن کے، جو کتب معتبرین میں مقرر ہیں، وہ سب اسباب ملکہ میں مجتمع تھے۔ سر سے پاؤں تک سراپا حسن، اور تمام عضو اس کے نور الٰہی سے مجسم تھے۔ اور جو جو علم و ہنر کہ بادشاہ زادیوں کو چاہئے بارہ برس کے سن میں سب میں لائق و فائق ہوئی۔ جس رات کو ملکہ کی سالگرہ تیرہویں برس کی ہوئی، ملکہ نے لباس مکلف اور زیورات مرصع پہن کر بستر راحت پر آرام فرمایا۔ عالم خواب میں دیکھا کہ خود ملکہ حمام سے غسل کر جامہ خانہ میں کپڑے بدل کر، آئینہ خانہ میں گئی۔ اپنی صورت اس کو آئینہ خانہ میں نظر نہ آئی۔ بدلے اس کے شکل و شمائل ایک جوان ماہرو کی دیکھی۔ دیکھنے کے تیر عشق کا کمان ابروے اس کے سینہ پر لگا۔ ملکہ نے شرم سے سر نیچے کرلیا۔ جب پھر نظر اٹھائی، تو وہی صورت نظر آئی۔ چاروں طرف اس مکان کے آئینے تھے۔ جدھر نظر کرتی ہے، وہی صورتِ زیبا نظر آتی ہے۔ ملکہ بے اختیار نعرہ مار کر خواب سے اٹھی۔ عشق نے اس جوان کے ملکہ کو بے قرار کیا۔ عشرت افزا نے چہرہ کو ملکہ کے دیکھ کر دریافت کیا، کہ ملکہ بلا شبہ کسی پر عاشق ہوئی، نہیں تو یہ حالت سوائے عاشقوں کے دوسرے کی نہیں ہوتی ۔ ۔ ۔"

(ص ۲۷۵-۲۷۶، نسخہ خانقاہ قادریہ، اسلام پور)

Marfat.com

مولوی شجاع الدّین علی

۱۲۵۷ھ - ۱۸۴۲ء

مولوی شجاع الدین علی کا لکھا ہوا ایک مطبوعہ مذہبی رسالہ مجھے شاہ مجتبیٰ حسن صاحب کے کتب خانہ، بہار شریف سے ملا۔ رسالہ کے نام کا پتہ نہ چل سکا۔ اس کی تقطیع ۵" × ۹" ہے۔ صفحات ۹۷۔ کاغذ ہلکا زرد، نہایت کرم خوردہ۔ رسالہ کے آخر میں درج ہے:

"تمام ہوا سولہویں ذی الحجہ اخر ۱۲۵۷ھ ہجری روز جمعہ مطابق ۲۸، جنوری ۱۸۴۲ء مسیحی میں و با نطباع شیخ دین محمد متوطن قصبہ چھپرہ کے مکمل پایا۔"

یہ رسالہ رخشاں ابدالی صاحب کی نگاہ سے بھی گزرا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

"۔۔۔۔۔ میں ایک مطبوعہ رسالہ کی تفصیلات پیش کرنا چاہتا ہوں جو اسی ۱۲۵۷ھ میں مرتب ہوا ہے، یہ رسالہ مدرسہ اسلامیہ بہار شریف کے کتب خانہ میں ہے۔۔۔۔ رسالہ کا نام نہ ابتدا میں ہے۔ (سرورق ہے ہی نہیں)، نہ سبب تالیف میں، اور نہ خاتمہ پر۔ یہ خستہ کاغذ کے ۹۵ صفحات پر چھپرہ میں طبع ہوا ہے[1]۔۔۔"

بعد ازاں رسالہ کے اختتام کا اقتباس درج کیا گیا ہے جو بالکل وہی ہے جو خود میں نے دوسرے نسخے اُوپر درج کیا ہے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ رخشاں

---

[1] ندیم، بہار نمبر ۱۹۲۵ء ص ۶۴۔

Marfat.com

ابدالی صاحب کے مقالہ میں ۹۵ صفحات کیسے درج ہوگئے۔ ایک ہی طباعت کے دو نسخوں میں بھلا ایسا فرق کس طرح ہوسکتا ہے۔ میرے پیش نظر نسخہ میں آخری صفحہ کے سرے پر صاف "۹۷" مطبوعہ ہے۔ غالباً رسالہ ندیم کی کتابت کی غلطی ہے کہ '۹۷' کی بجائے '۹۵' چھپ گیا ہے۔ رسالہ کا آغاز یوں ہوتا ہے:

"ہوالقادر۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد والہ الطیبین الطاہرین وعلیٰ اصحابہ حماۃ الدین وہداۃ الیقین واتباعہ اجمعین اما بعد۔ اگرچہ یہ ہیچمداں شجاع الدین علی ولد حضرت مولانا ..... عالم باعمل محقق کامل فاضل عدیم المثل محدث یگانہ فقیہ زمانہ عابد بے ریا زاہد باخدا تارک الدنیا ومافیہا متوکل علی اللہ حقائق ومعارف آگا مولوی سید تیم اللہ رضوی ترمذی بہاری ..... لیکن مثل مشہور چہ نسبت خاک را با عالم پاک کہ آنحضرت عالم ربانی و مرد باخدا و یہ ہیچ میرز مبتلا نحوسات دنیائے فانی بدنام کنندہ نکونامی چند ہے لیکن برکت انفاس متبرکہ اباکرام وبحسن تربیت وفیضان صحبت والد ماجد علیہ الرحمۃ کے فی الجملہ علوم ضروری صرف ونحو وفقہ وعقاید وعلم کلام واصول دین وتفسیر وحدیث سے بہرہ رکھتا ہے و بایمان حقیقی تحقیقی مانند بزرگان خود پیراستہ وعقیدہ تقلیدی سے وارستہ ؎

مذہب عاشق ز مذہب ہا جدا ست
عاشقاں را مذہب وملت خدا ست ....."

"..... محبت خدا ورسول واہلبیت نبوت وتبعیت کتاب اللہ وسنت، دین وایمان ہمارا ہے وتعصب ونفاق وعداوت اہلبیت نبوت کو بموجب شقاوت دارین وضلالت نشاتین جانتا ہے، سنی بے تعصب وشیعہ بے تبرا مذہب آبائی ہمارا ہے ....."

مولوی شجاع الدین علی کا زیر نظر رسالہ جوازِ تعزیہ داری میں ہے۔ یہ مُلّا

کرامت علی جونپوری ولد ملا امام بخش کے رسالہ "قوت الایمان" اور مولوی نعمت علی عظیم آبادی کے خیالات کا پُر زور رَد ہے۔ مولوی شجاع الدین علی رسالہ "قوت الایمان" کے متعلق لکھتے ہیں۔ "کہ وہ فی الحقیقت قوت الایمان سارے اہل اسلام کا ہے" کتاب کی حیثیت مذہبی اور مناظرانہ ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ:

"۔۔۔۔ اور خط میاں شاہ عبد العزیز دہلوی کا کہ جواب میں سوال جواز و عدم جواز مجلس تعزیہ داری کے لکھا ہے اور راقم بھی اوس ایّام میں شاہجہاں آباد میں تھا۔ اُوسنے بھی جوازِ مجلس تعزیہ داری کی ظاہر ہے، بالجملہ بوجوہات مرقومۃ الصدر کے جواز و موجب ثواب ہونے میں اوسکے کچھ شک نہیں" (ص۹۷، رسالہ ہٰذا)

مصنف نے اس رسالے سے پہلے تین اور رسالے ردِ نصاریٰ میں لکھ کر شائع کیے تھے۔ انہیں اس کا دُکھ تھا کہ "عرصہ چند مدت سے غلبہ و تسلط قوم عیسائی نصاریٰ کا مملکت ہندوستان پر یوماً فیوماً ترقی پر ہے" (ص۳)، اور "اکثر اشخاص اپنے عقیدہ آبائی سے مرتد ہوگئے ہیں"

مُصنف اُس عصر کے مذہبی حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"بایں وجہ تمام ملک ہندوستان عموماً و دارالامارۃ کلکتہ و صوبہ بنگالہ و بہار خصوصاً دارالاباحۃ والضلالۃ ہے کہ کوئی معترض حال و عقائد و مقال کسی کے نہیں ہے، اس لیے بسبب مطلق العنان ہونے ہر ایک شخص کے کہ کوئی کسی سے باز پُرس نہیں کرسکتا ہے۔ عجب طرح کا خلاف واختلاف اہل اسلام و ہر ایک اہل ادیان و ملل و نحل میں ہے" (ص۵)

رسالہ زیر نظر گو تعزیہ داری کے جواز میں ہے۔ لیکن مصنف کو دہریوں اور عیسائیوں کے خلاف قلمی جہاد کرنے کی فکر زیادہ تھی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے راجہ رام موہن رائے بنگالی کے خیالاتِ فاسدہ کا جواب بھی دیا۔ لکھتے ہیں:

"۔۔۔۔ ایک رسالہ حبالہ کفر و ضلالۃ بخلاصہ مذہب وعقیدہ باطلہ

دہریہ کے بایں مضمون کہ جمیع مذاہب وادیان ہندو مسلمان ویہود و نصاریٰ وغیرہ مذاہب اہل کفرو اسلام موضوع و مخترع ای انسان فانی بنیان کا ہے، کوئی مذہب و مشرب خدا کی طرف سے نہیں ہے وسارے مذاہب وعقاید بنائے ہوئے انہیں آدمیوں کے ہیں، انہوں نے جھوٹ نسبت اوس کی طرف خدا کے کردیا ہے و جھوٹ آنا فرشتہ کا دلانا اوس کا حکم الٰہی وتورات و انجیل و قرآن واسطے اعتقاد عامہ مردمان کے ظاہر کیا ہے کہ لوگ خدا کے ڈرے وخوف جزائے دوزخ و بامید آسائش جنت کے اپنے عقیدہ و ایمان پر قائم رہیں، خود تصنیف وتالیف کیا۔ لیکن چونکہ جانتے تھے کہ یہ عقیدہ باطلہ اضحوکہ علما وعقلاے وفضلاے کامل کا ہوگا، نظر بر بدنامی واشتہار رسوائی اپنی بنظر عام مردمان ہندو ومسلمان وغیرہ اہل ادیان کے، نام سے اپنے نہ لکھا و اوس رسالہ حبالہ کفرو ضلالتہ کو بنام بابو رام موہن ایک بنگالی کے کہ وہ بظاہر اعلم سنسکرت وعقیدہ براہمو میں مناسبت رکھتا تھا و وہ شخص غیر مقید و اپنے اعتقادات کا بھی پابند نہ تھا و مرد دولتمند تھا، تصنیف کرکے شہرت دیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لکھنا جواب کا اوس کے واجب ہوا چنانچہ اوسی ایام میں جواب بالصواب اس رسالہ حبالہ کفرو ضلالتہ کا بخلاصہ اس مضمون کے لکھا گیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (ص ۶۹۷)

"۔ ۔ ۔ ۔ چونکہ بادشاہ وحاکم اس ملک کے عیسائی ہیں اکثر پادریان عیسائی نے صدہا رسالہ مغالطہ حبالہ کفرو ضلالت بہ ابطال مذہب ہندو ومسلمان کے لکھ کر چھاپ کر واسطے اغوائے ہندو ومسلمان کے لوگوں کو بلا قیمت دیتے ہیں و اہل اسلام بسبب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وغلبہ عیسائیوں کے کچھ جواب اوس کا باوجود اسکے کہ وہ رسالے سراسر لغو بیمعنی ومحض مغالطہ ہے، نہ لکھا۔ بنا علیہ پادریوں کو جرأت زیادہ ہوئی۔ اور انہوں نے کئی رسالہ بدیں مضمون کے

لکھ کر چھاپ کر مشہور کیا کہ عقیدہ ہندو و مسلمان کا محض باطل ہے اس لیے کہ اکثر رسائل بابطال مذہب ہندو و مسلمان کے لکھ کر چھاپ کر مشتہر کیا گیا وحضور میں اکثر علمائے نامور مولوی شاہ عبدالعزیز دہلوی و مولوی دلدار علی لکھنوی کے بھیجا کیا لیکن کسی نے کچھ جواب اوس کا نہیں لکھا۔"

"۔۔۔۔ اس لیے ہیچداں نے ایک کتاب مدلل بابطال ورد مذہب نصرانی کے واثبات مذہب اہل اسلام کے تصنیف کرکے بصرف ایک ہزار پانچ سو روپے کے پانچسو نسخہ چھاپ کر لوگوں کو تقسیم کیا وبنام اوس کا 'تحفہ مسیحا' رکھا۔۔۔۔" (ص ۱۰۹ و ۱۱۱)

مصنف کو یہ احساس بھی تھا وہ وقت فرقہ داری بحثوں کے لیے سخت نامونزوں تھا۔ لکھتے ہیں:

"اس زمانہ میں علماء عقلائے اہل اسلام کو مناسب وضرور تھا کہ کتب ورسائل باستحسان وحقیقت مذہب اہل اسلام کے عموماً وبابطال ورد مذہب غیر اسلام کے خصوصاً مذہب عیسائی کے لکھے۔۔۔۔"

"۔۔۔۔ یہ تو مقتضائے حال اس زمانہ کے مناسب تھا۔ برخلاف مصلحت وقت برخلاف مقتضائے حال اس زمانہ کے بعضے بعضے مولویان اختلاف جدید درمیان اہل اسلام کے عموماً ڈالا ہے کہ کئی مولویوں نے رسالے اوپر تکفیر مطلق اہل اسلام تعزیہ دار کے برخلاف طریقہ اہل سنت والجماعت کے لکھا ہے۔۔۔" (ص ۱۳ و ۱۴)

رسالہ کا طرز بیان بڑے بڑے پیچیدہ جملوں سے ترتیب پاتا ہے۔ 'جب' اور 'تب' کی بجائے 'جد' اور 'تد' استعمال ہوتے ہیں اور 'سب' کو 'سبھ' لکھا جاتا ہے۔ زبان میں پرانے پن ہے۔ کہیں کہیں علامت فاعلی محذوف ہے اور کہیں کہیں فعل کو فاعل ومفعول سے مطابقت نہیں۔ اور چونکہ ایسا کئی جگہوں

Marfat.com

پر ہے لہٰذا کتابت و طباعت کی غلطی نہیں کہی جا سکتی۔

میرا خیال ہے کہ مولوی شجاع الدین علی قصبہ بہار شریف کے رہنے والے تھے۔ وہ اپنے والد صاحب کو "بہاری" لکھتے ہیں۔ اگر یہ نسبت صوبہ بہار کی طرف ہے تو پھر مصنف چھپرہ کے رہنے والے ہوں گے۔ اُن کی کتاب شیخ دین محمد چھپرہ کے مطبع میں چھپی تھی۔ اس سے زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا۔

مولوی محمد عالم علی

۱۲۶۵ھ - ۱۸۴۸ء

مجھے جناب شاہ فخر عالم صاحب، سجادہ نشین خلیفہ باغ بھاگلپور کے کتب خانہ سے ایک مطبوعہ کتاب نثر اُردو کی ملی۔ اس کا نام "دہ مجلس" ہے۔

"دہ مجلس

تالیف مولوی محمد عالم علی صاحبؒ، سررشتہ دار کمشنری اضلاع بھاگلپور وغیرہ واسطے پڑھنے محرّم کی مجلسوں میں۔

احقر العباد حیدر علی و علی حسین نے ..... دارالامارۃ کلکتہ، مطبع اخوان الصفا میں، اہتمام سے مولوی عبدالحمید صاحب و مولوی کرامت اللہ صاحب کے ۱۲۶۵ھ قدسی کے رمضان مبارک میں، مطابق ماہ اگست ۱۸۴۸ء کے چھپوایا۔ قیمت کتاب یکروپیہ چار آنہ"

چھوٹے سائز کی کتاب ہے تقطیع ۵ × ۷½، صفحات ۱۶۰ (ایک سو ساٹھ) 'دہ مجلس' کی تصنیف ۱۲۶۱ھ ہجری ہی میں ہو گئی تھی۔ مُصنّف لکھتے ہیں:

"احباب صادق اور مخلصان واثق کی خدمت میں عالم علی عرض کرتا ہے کہ ۱۲۶۱ھ میں ..... زبان ریختہ اُردو میں لکھا ہے....."

فہرست مضامین 'دہ مجلس' حسب ذیل ہے:

مجلس اول مشعر انتقال پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ... ص۱
مجلس دوم مشعر انتقال فاطمہ زہرا علیہا الصلواۃ والسلام ... ص۱۶

Marfat.com

مجلس سوم مشعر شہادت علی مرتضیٰ علیہ الصلواۃ والسلام ۔ ۔ ۔ ۔ ص۲۹
مجلس چہارم بہ شہادت امام حسن علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔ ۔ ۔ ۔ ص۴۳
مجلس پنجم بہ شہادت حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام ۔ ۔ ۔ ۔ ص۵۹
مجلس ششم بہ شہادت پسران مُسلم علیہ السلام ۔ ۔ ۔ ۔ ص۷۲
مجلس ہفتم بہ شہادت حُر بن یزید ریاحی ۔ ۔ ۔ ۔ ص۸۴
مجلس ہشتم بہ شہادت حضرت قاسم علیہ السلام ۔ ۔ ۔ ۔ ص۹۳
مجلس نہم بہ شہادت حضرت عباس علیہ السلام ۔ ۔ ۔ ۔ ص۱۰۲
مجلس دہم بہ شہادت حضرت علی اکبر و علی اصغر علیہما السلام ۔ ۔ ۔ ۔ ص۱۱۱
مجلس یازدہم بہ شہادت امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔ ۔ ۔ ۔ ص۱۲۱
مجلس یوم امام مظلوم علیہ السلام ۔ ۔ ۔ ۔ ص۱۳۵
مجلس چہلم جناب سید الشہدار علیہ السلام ۔ ۔ ۔ ۔ ص۱۴۵

دہ مجلس ، کی طرز تحریر حسب ذیل ہے :

" الحمد للہ الذی والخ ۔ ۔ ۔ ۔ (عربی عبارت) ۔ ۔ ۔ ۔ عقلائے عالم و فضلائے بنی آدم پر واضح اور آشکار ہے کہ آدمیوں کا لباس حیات مستعار ہے اور اون کی عمر کی بنیاد نہایت نا پائیدار ۔ جس گُل نے چمن وجود کے صحرا میں شگفتگی پائی ہے بے شک ضرضر فنا سے پر مردہ ہوا اور جس نے کشور زندگانی میں قدم رکھا اوسنے بالضرور متاع جان متقاضی اجل کو سونپا ۔ چونکہ ایام غم انجام عاشورہ محل ماتم و بکا ہے ۔ اس واسطے دو کلمہ وفات کے حال میں حضرت سید کائنات علیہ الصلواۃ والتحیات کے لکھا جاتا ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ "

" ۔ ۔ ۔ ۔ ایکدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے زانو پر سر مبارک رکھ کر آنکھیں بند کرلیں اور چہرہ نورانی کا رنگ متغیر ہوگیا ۔ فاطمہ زہرہ نے کہا واابتاہ ، کچھ جواب ندیا پھر کہا بابا جان ذرا آنکھ کھولیے اور کچھ مجھ سے بولیے ۔ حضرت صلعم نے فاطمہ زہرا کو بے قرار دیکھ کر پاس بُلایا اور اپنے

Marfat.com

سے لگا کر فرمایا خداوندا فاطمہ کو صبر دے۔ اتنے میں حسنین آئے۔ رخسار سے سینہ مبارک پر ملتے تھے اور رو رو کر کہتے تھے، اے پدر بزرگوار آپ کی مفارقت سے ہمارا کیا حال ہوگا اور تمہارے بعد ہمارے ماں اور باپ کی غمخواری کون کرے گا۔ ازواج مطہرات اور اصحاب کے رونے سے زمین اور آسمان کانپا تھا۔ حضرت صلعم نے فرمایا، لوگو صبر کرو اور دو دن جبرئیلؑ عیادت کے واسطے رسول صلعم کے پاس آئے اور مزاج کا احوال پوچھا۔ فرمایا بہت ناساز ہے۔ تیسرے دن پھر آکر عرض کی، یا رسول اللہ حق تعالیٰ نے آج ملک الموت کو حضور میں بھیجا ہے، اگر اجازت ہو تو خدمت میں حاضر ہو، حکم ہوا آوے۔ جبرئیلؑ طول و محزوں الوداع الوداع کہتے ہوئے اٹھے اور کہا پھر اتفاق دُنیا میں آنیکا نہوگا۔ الغرض ملک الموت نے پکارا کہ اگر اجازت ہو تو گھر میں آؤں۔ اس وقت فاطمہ زہرا حضرت صلعم کے سرہانے بیٹھی تھیں، جواب دیا کہ رسول خدا شدید مرض میں مبتلا ہیں ملاقات نہ ہوگی پھر اذان طلب کیا، وہی جواب پایا۔ تیسری بار ایسی آوازِ مُہیب سے اجازت چاہی کہ سُننے والوں کا بدن ہیبت سے کانپنے لگا۔ حضرت صلعم نے آنکھ کھول کر پوچھا کیا حال ہے؟ فاطمہ زہرہ نے عرض کی ایک اعرابی دروازے پر کھڑا ہوا آنے کی رخصت چاہتا ہے۔ ہرچند عذر کرتی ہوں نہیں مانتا۔ آپ نے فرمایا اے فاطمہ یہ ملک الموت ہے۔ مٹانے والا لذّتونکا، توڑنے والا راحتوں کا، یتیم کرنے والا فرزندوں کا، بیوہ کرنے والا عورتوں کا۔ حضرت فاطمہ زہرہ رونے لگیں۔ سیّدالمرسلین صلعم نے فرمایا، اے جان پدر مت رو، تیرے رونے سے حاملان عرش روتے ہیں۔۔۔۔۔"

(مجلس اوّل)

اندازِ بیان صاف، سلیس، واضح اور پُراثر ہے۔ مجلسیں نثر میں لکھی ہوئی ہیں

اور اختتام پر نوحے درج ہیں، جو مُصنّف کے ہی منظوم کیے ہوئے ہیں۔ تخلّص عالم ہی رکھا ہے۔ ایک نوحہ درج ذیل ہے ؎

ابن علی حیدرِ کرار واحسین — سبطِ نبی احمد مختار واحسین
زیب کنار فاطمہ زہرا تھی ذات پاک — دُرج نبی کے تھے دُرِ شہوار واحسین
تھے مجمعِ فضائل و بحرِ علومِ دین — علم الیقین کے واقف اسرار واحسین
توصیف جسکے چہرے کی والشمس ہو سکے — آغشتہ خاک وخوں میں وہ رخسار واحسین
جس زلف مُشکبار کی والیل ہو صفت — آلودہ خاک اوس کا ہو ہر تار واحسین
وہ حلق جو تھا بوسہ گہِ ختم مرسلیں — چل جاوے اوس پر خنجر و تلوار واحسین
لعلِ لب اونکا خشک ہوا تشنگی سے ہائے — ہیں آنکھیں اس الم سے گہربار واحسین
عالم کا دل الم سے ہوا بسکہ بے قرار
کہتا ہے رو رو ہر گھڑی صدبار واحسین (نوحہ، صفحہ ۱۳۳)

حیدری

شاہ فخر عالم صاحب (خلیفہ باغ، بھاگلپور) کے کتب خانہ میں ایک اور مطبوعہ کتاب مجالسِ محرّم کے متعلق ہے۔ ٹائپ نستعلیق سے مشابہہ۔ اس کتاب کے ابتدائی اور آخری حصّے موجود نہیں ہیں۔ موجودہ حالت میں کتاب صفحہ دس سے شروع ہوتی ہے اور صفحہ دو سو چالیس پر ختم ہو جاتی ہے۔ ابتدائی صفحے کے سرے پر لکھا ہوا ہے "مجالس چہلم: "دہ مجلس" اور "مجالس چہلم" کی ترتیب ایک جیسی ہے۔ مجلسیں نثر اُردو میں لکھی ہوئی ہیں اور اختتام پر نوحے درج ہیں۔ قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا ہے کہ "مجالس چہلم" کا مصنّف کون تھا اور یہ کتاب کہاں طبع ہوئی۔ ممکن ہے دونوں کتابوں کے مُصنّف مولوی محمد عالم علی ہی ہوں۔ لیکن "مجالس چہلم" کے نوحوں میں تخلّص حیدری استعمال ہوا ہے اور "دہ مجلس" میں عالم۔

تخلّص کے فرق سے اس طرف خیال جاتا ہے کہ "مجالس چہلم" کے مُصنّف کوئی

اور بزرگ ہوں گے جن کا تخلص حیدری تھا۔ اغلب یہ ہے کہ دونوں کتابیں ایک ہی زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں۔

مجالس چہلم، کی طرز تحریر حسب ذیل ہے:

"جذبات جگر سوز کے لکھنے والوں اور روایات غم اندوز کے بیان کرنے ہاروں نے اس احوال جاں گزا اور اس ماجرائے ہوشربا کو صفحہ دل پر قلم آہ سے یوں رقم کیا ہے کہ ماہ محرم کی دسویں تاریخ صبح سے لے کر ظہر تک حضرت امام حسین علیہ السلام کے جتنے بھائی بھانجے بھتیجے تھے سوائے جناب علی اصغر و حضرت زین العابدین اور جناب امام حسین علیہ السلام کے دشت کربلا میں جام شہادت پی کر سیراب ہو چکے تھے۔ درجہ شہادت کو پہنچ چکے تھے کہتے ہیں کہ ان سب شہیدوں خدا رسیدوں کی خاطر اتنی بے حواسی و بے طاقتی خیمہ اہل بیت رسالت میں کسی کو نہ ہوئی تھی جس قدر آہ وزاری حضرت امام حسین علیہ السلام کے ذوالجناح پر سوار ہونے کے وقت ان بی بیوں پردہ عصمت و عفت کی بیٹھنے والیوں سے کی ....." (ص۱۹۵)

مجلس چہلم، کا ایک اختتامی نوحہ درج ذیل ہے

"سنتا نہیں فریاد یہاں اگھڑی کوئی — مجھ کو کھ جلی کی
دیتی ہوں کھڑی کب سے محمد کی دوہائی — ہے ہے علی اصغر
اے حیدری اب تاب کہاں کیوں کہ لکھیں ہم — اس دکھیا کی زاری
جسطور سے کہتی تھی وہ قسمت جلی مائی — ہے ہے علی اصغر

انا للہ وانا الیہ راجعون۔" (ص۲۰۱)

Marfat.com

مولانا محمد احسن گیلانی

(سنہ ۱۲۶۶ھ)

مولانا محمد احسن صاحب مرحوم گیلانی ضلع پٹنہ کے رہنے والے، مدرسہ عزیزیہ بہار شریف کے مدرس اوّل تھے۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم، پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد نے مولانا محمد احسن گیلانی کے ایک اُردو رسالہ کا انکشاف کیا اور اسے بہار میں "اُردو نثر کی پہلی کتاب" کی حیثیت سے رسالہ ندیم، گیا، بہار نمبر ۱۹۳۳ء میں پیش کیا۔ اس رسالہ کو مصنف نے بہ زمانۂ تحصیل علم بنارس میں تحریر کیا۔ خود مصنف فرماتے ہیں:

"اب اوپر دانشمندان خبیر و روشن دلانِ صافی ضمیر کے پوشیدہ نہ رہے کہ خادم الطلبہ محمد احسن ولد سید شجاعت علی رہنے والا متصل صوبہ بہار کا بارادہ تحصیل علم آوارہ از وطن ہوکر ۱۲۶۶ھ میں وارد شہر بنارس تھا۔"

اور خاتمہ کی عبارت یوں ہے:

"تمام شد ایں کتاب در شہر بنارس ماہ صفر ۱۲۶۶ھ۔"

مولانا مناظر احسن مرحوم لکھتے ہیں کہ:

"صوبہ بہار میں اس سے پیشتر کوئی کتاب نثر اُردو زبان میں غالباً نہیں لکھی گئی۔"

"اُردو زبان کے اس قدیم دور میں ان حقائق و اسرار، معارف و نکات کے موتیوں کو اس کے صفحات میں بکھرا ہوا پایا۔"

Marfat.com

"۔۔۔۔ اسلام کی جدید ذہنی ضرورتوں اور آیندہ پیش آنے والے عقلی و علمی خطروں کو بھانپ کر سارے ہندوستان میں بھی اُس وقت تک شاید کوئی کتاب اُردو زبان میں تصنیف نہ ہوئی تھی ۔۔۔۔"

مقالہ نگار کے بیان سے مُصنف کے موضوع سخن کا کچھ اندازہ ہوتا ہے افسوس کہ مولانا مناظر احسن مرحوم کا مقالہ ناتمام رہا۔اس لیے کتاب کے متعلق تفصیلی علم حاصل نہ ہوسکا۔ ادارہ ندیم نے لکھا تھا کہ :

"کتاب پر تفصیلی تبصرہ جو مولانا ممدوح نے فرمایا ہے نہایت دلچسپ اور پُر از معلومات ہے۔مگر افسوس ہے کہ بہار نمبر کے محدود صفحات میں اتنی گنجائش نہیں ۔اس لیے یہ مضمون یہیں پر ختم کردیا گیا ہے۔ہم مولانا ممدوح سے اس اختصار کے لیے معافی چاہتے ہیں اور ناظرین ندیم کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ کسی اور نمبر میں بقیہ مضمون کا مُطالعہ فرمائیں گے۔"

مجھے بہت تلاش و جستجو پر بھی بقیہ مضمون اور قلمی رسالہ نہیں مل سکا۔

مولانا ولایت علی زبیری صادقپوری

متوفی ۱۸۵۴ء

اسلامی تہذیب و تمدن کی قماش کا بہت بڑا حصہ مذہبی ہے۔ملت اسلامیہ کی ثقافت کی بُنیاد ہی دینی ہے اور اس کے دنیاوی ڈھانچہ کے پیچ و خم میں بھی مذہب کی میخیں لگی ہوئی ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی کلچر کے ہر شعبہ میں مذہب کی نمایاں جھلک ملتی ہے۔ادبیات اسلامیہ میں ہر طرح پر مذہبی محرکات کی جلوہ گری ہے۔

اُردو زبان و ادب کی پیدائش وارتقا میں ہندو مُسلم کلچر کی آمیزش ہے اس کے مُسلم حصہ میں بھی اسلامیت کے ساتھ ساتھ عجمیت و ہندیت کے واضح

نقوش ملتے ہیں۔ اور ہندو حصہ میں ہندیت کے روشن خدو خال کے ہم پہلو اسلامی عناصر بھی نظر آتے ہیں۔ اُردو ادب کے آغاز کے وقت نظم میں عجمیت اور ہندیت کے اثرات زیادہ گہرے پڑے ہیں اور نثر میں اسلامی اثرات زیادہ۔ دکن اور شمالی ہندوستان کے صوفیوں کے مذہبی رسالوں کے علاوہ قصہ کہانیوں میں بھی اخلاقی و مذہبی مقصدیت موجود ہے۔ اس امتیاز کو سمجھنے کے لیے ملا وجہی کی مثنوی قطب مشتری اور قصہ سب رس کا تقابلی مطالعہ رہ نمائی کرے گا۔

بہار کے اُردو نثری ادب کے آغاز میں بھی اسلامی مذہبیت کا تیز رنگ دکھائی دیتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ بہار کی ابتدائی اُردو نثر اسلامیات کے تار و پود سے ہی بُنی گئی ہے۔ صوفیائے کرام اور اہل دَور علماء نے ترویج و نائید اسلام کی خاطر مختلف مذہبی رسالے لکھے۔ قدیم بہار کی ادبی روایتیں بھی کچھ ایسی ہی ہیں۔ بودھ بھکشوؤں نے مذہبی اور اخلاقی محرکات کے تحت مذہبی لٹریچر اور اخلاقی ادب پالی پراکرت میں پیش کیا تھا۔ بہاری صوفیا بہاری بھکشوؤں کی طرح سبزہ زار ادب میں بھی اپنا زعفرانی جامۂ مذہب پہنے ہوئے خوش خرم ہوتے ہیں۔

علمائے صادق پور نے بھی اُردو نثر کی تخلیق میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ صادق پور نہ صرف بہار بلکہ سارے مُلک کی مذہبی و سیاسی تاریخ میں ایک غیر فانی اور اہم نام ہے۔ صادق پور (عظیم آباد) ایک احیاء، ایک تحریک، ایک تنظیم کا مرکز تھا جو ہند گیر وُسعت و اہمیت رکھتی تھی، اور چونکہ یہ ایک عوامی تحریک تھی اور زمانہ نے نئی کروٹیں لی تھیں علمائے صادق پور نے اپنا ذریعۂ پیام اُردو کو بنایا۔ لارڈ اکلینڈ کی حکومت کے زمانہ میں (۱۸۳۷ء) عدالتوں اور سرکاری محکموں سے فارسی زبان کا رواج اُٹھا دیا گیا۔ خاندان ولی اللہی نے بھی قرآن شریف کے اُردو ترجمے بجائے فارسی تراجم کے عامۃ المسلمین کے سامنے پیش کیے۔[1]

---

[1] شاہ عبدالقادر متوفی ۱۲۳۰ھ نے قرآن شریف کا پہلا اردو ترجمہ پیش کیا ہے۔ یہ بامحاورہ ہے۔ دوسرا ترجمہ آپ کے برادر کرم شاہ رفیع الدین نے کیا۔ یہ تحت اللفظ ہے۔

Marfat.com

لہٰذا علمائے صادق پور نے بھی اپنے مذہبی رسالے اُردو ہی میں لکھے نیز حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ اور تفاسیر کے نکتوں کو اُردو میں منتقل کیا۔ اُردو اَدب کو صادق پوری تحریک سے بیش بہا فائدہ پہنچا کیوں کہ یہ منظم اجتماعی کوشش تھی اور عوامی میلانات کی حامل۔

صادق پوری رسالوں کے موضوعات و مقاصد کو سمجھنے اور صاحبانِ رسائل کے ثقافتی محرکات کو جاننے کے لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ صادق پوری تحریک کے سلسلوں کے متعلق مختصراً کچھ بیان کیا جائے۔

مُغلیہ عہد میں خالص اور ٹھیٹھ اسلام پیش کرنے کی سعیٔ مشکور حضرت احمد سرہندی، مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے شروع ہوئی۔ اُس دَور میں ہند اسلامی تہذیب و تمدن کی ذیلی و ثانوی سطحوں کے علاوہ اسلامی عقاید و افکار کے مرکزی طبقات میں بھی عجمی و ہندی ملاوٹ شدّت سے ہونے لگی تھی۔ ایک مذہبی تہذیب کے حواشی پر دوسری تہذیبوں کی آمیزش و امتزاج کو اُس حد تک برداشت کیا جا سکتا ہے جو مرکزی اُمور کو خطرے میں نہ ڈالے۔ لیکن ایک مذہبی ثقافت اپنی بُنیادوں اور اپنے دائرۂ خاص میں کسی قسم کے امتزاج و ترکیب کو بہ رضا و رغبت قبول نہیں کرتی۔ عہدِ مُغلیہ میں بالعموم ہند اسلامی کلچر کے غیر اسلامی عناصر خطرناک طور پر بڑھ رہے تھے۔ دَورِ جہاں گیر میں حضرت سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی وحدانیت و وَحدت کی تجدید کی پُرزور کوشش فرمائی اور دورِ احمد شاہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی[1] نے اسلامی سیرت اور صحیح اسلامی سماجی، سیاسی اور اقتصادی فضا پیدا کرنے کی جدوجہد کی۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ بارہویں صدی کے مجدّد تھے تو حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تیرہویں صدی ہجری کے مجدّد و مامور تھے۔ حضرت بریلوی کا سلسلہ حضرت محدّث دہلوی سے براہ راست ملا ہوا ہے۔ مولانا ولایت علی کے رسالہ شجرۂ باثمرہ میں آپ کا

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ، از حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ۔

شجرہ یوں پیش ہوا ہے:

"۔۔۔۔ عارف رموز خفی و جلی حضرت مولانا ولایت علی و مولانا عنایت علی و مولانا فرحت حسین و مولانا شاہ محمد حسین قدس اللہ اسرارہم۔ خلیفہ امیرالمؤمنین امام اوحد حضرت سید احمد مجدد مائۃ ثالثۃ عشر مازالت برکاتہم۔ خلیفہ سند المحدثین خاتم المفسرین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ۔ خلیفہ حضرت والد بزرگوار خود حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم قدس سرہٗ۔" (ص ۹۲)

صادق پوری تحریک کا تعلق حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت و تحریک سے تھا۔ آپ نے مسلمانوں کی اصلاح اور تبلیغ اسلام کے اہم فرائض کی طرف ایک مامور کی حیثیت سے توجہ کی۔ ۱۲۳۳ھ کے قریب حج کو جاتے ہوئے سید صاحب کا قافلہ عظیم آباد، پٹنہ وارد ہوا۔ آپ براہ کلکتہ حج کے لیے تشریف لے جارہے تھے۔ مولانا سید ولایت علی کی تحریک سے صادقپور، پٹنہ کے چند اکابر مع اپنے متعلقین کے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ ان بیعت کرنے والوں میں سید ولایت علی کے علاوہ ان کے بھائی عنایت علی، مولوی شاہ محمد حسین، مولوی احمد اللہ، ان کے ایک چچا مولوی یحییٰ علی اور ان کے والد مولوی الٰہی بخش، ساکنان صادق پور تھے۔ یہ سب بزرگ خود بھی علم و فضل کے مالک تھے۔ ۱۲۳۹ھ میں حضرت سید احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قافلہ پانچ چھ سو مریدوں کے ساتھ حج سے واپس ہوکر پٹنہ وارد ہوا۔ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس دفعہ صادق پور میں قیام کیا اور علماء صادق پور کے سارے خاندان حلقۂ ارادت میں داخل[2] ہوئے۔ آپ نے مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی اور مولوی شاہ محمد حسین کو اپنا خلیفہ مقرر

---

[1] حکیم عبدالحمید صاحب پریشاں کے والد ماجد۔ حکیم صاحب علامہ عظیم الدین احمد مرحوم صدر شعبہ جات اُردو، فارسی، عربی۔ پٹنہ کالج کے نانا تھے۔

[2] تاریخ گدھ از فصیح الدین بلخی عظیم آبادی، ص ۴۱۔

Marfat.com

فرمایا اور پنجاب کے مظلوم مُسلمانوں کی امداد کے لیے ضروری سامان فراہم کرنے کی تاکید کی۔ جب سیّد صاحب کا قافلہ روانہ ہوا تو مولانا ولایت علی و مولانا عنایت علی بھی ساتھ ہو لیے۔ کچھ دنوں بعد حضرت نے پنجاب کے سکھوں سے جہاد کرنے کے لیے راجستھان، سندھ، بلوچستان، ایران و افغانستان کا سفر فرمایا۔ ہندوستان کے شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں وارد ہوئے اور اُس علاقہ کو سارے کا سارا فتح کر لیا[1]۔ مولانا ولایت علی و مولانا عنایت علی بھی معیّت میں موجود تھے۔ ان دونوں بھائیوں نے اپنی جدوجہد سے بنگالہ و بہار کی ایک بڑی جمعیّت فراہم کی تھی اور کثیر رقم بھی جمع کر لی تھی۔ ان کی تنظیم کا صدر مقام صادق پور، پٹنہ تھا ۱۸۲۷ء/۱۲۴۱ھ تا ۱۸۳۱ء کا زمانہ اس جہاد کا دورِ اوّل تھا۔ جو حضرت سیّد احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت پر جنگ بالاکوٹ، صوبہ سرحد میں ختم ہوا ۱۲۴۵ھ/۱۸۳۱ء اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے۔ آپ نے اصلاح و تبلیغ کے کام میں بہت فروغ حاصل کیا اور مُسلمانانِ ہند میں دیرپا ذہنی و فکری، ایمانی و اخلاقی بیداری و زندگی پیدا کر دی۔ جنگ بالاکوٹ میں شاہ اسمٰعیل دہلوی بھی شہید ہوئے۔ اس جنگ کے بعد تحریکِ احمدی کا سارا کام بگڑتا ہوا معلوم ہوا۔ لیکن علماء صادق پور کی ثابت قدمی نے بگڑی بنالی۔ مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی نے نئے سرے سے تنظیم و تبلیغ کا کام جاری کیا اور اپنی جماعت کو اِسی قدر طاقتور بنا دیا جس قدر وہ حضرت سیّد احمد کی زندگی میں تھی۔ اِس جماعت نے، جو پیشتر بہار کے علاقوں سے جمع کی گئی تھی، پھر خطۂ پنجاب پر چڑھائی کی اور چند سال کے جدال و قتال کے بعد ایک وسیع شمالی مغربی[2] خطۂ ملک پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ سکھوں نے ہزیمت اُٹھا کر انگریزوں کا سہارا پکڑا۔ دراصل سکھ اس جماعت کے پے بہ پے حملوں سے کمزور

---

[1] تواریخ عجیبہ، موسوم بہ سوانح احمدی، مؤلفہ مولوی محمد جعفر تھانیسری۔

[2] ہری پور سے کاغان تک اور ستھانہ سے سرحد کشمیر تک، دریائے سندھ و دریائے جہلم کے درمیان۔

Marfat.com

ہو ہی چکے تھے۔ انگریزوں نے پسند نہ کیا کہ ہندوستان کے شمالی مغربی علاقے میں ایک نئی پُرجوش طاقت اُبھرے۔ انھوں نے مُجاہدین کو متنبہ کیا اور وہ اُن کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے لگے۔ لہٰذا مُجاہدین کا ٹکراؤ انگریزی فوج سے بھی ہونے لگا۔ ۴۸-۱۸۴۷ء تک سارا مفتوحہ علاقہ مُجاہدین کے ہاتھ سے نکل گیا۔ مولانا ولایت علی اور اُن کے بھائی مولانا عنایت علی گرفتار کرکے پٹنہ بھیج دیئے گئے جہاں اُن سے میعادی مچلکے لیے گئے۔ میعاد گزرنے پر دونوں بھائی پھر ستھانہ پہنچ گئے۔ وہیں مولانا ولایت علی نے ۱۸۵۴ء میں انتقال کیا۔ ان کے جانشین مولانا عنایت علی قرار پائے۔ انھوں نے سرکار انگریزی کے خلاف جنگ کرنے کی بڑی سرگرمی سے تیاریاں کیں لیکن ناکام رہے۔

۱۸۵۲ء میں پنجاب کے افسران کے ہاتھ میں کچھ ایسے خط پڑے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ راولپنڈی چھاؤنی کے دیسی سپاہیوں کو سرکار انگریزی سے برانگیختہ و باغی کرنے کی سازش کی ابتدا پٹنہ سے ہوئی تھی اور وہیں سے مولوی احمد اللہ اور چند دوسرے علمائے صادق پور کے زیر اہتمام روپے، سامان رسد اور اسلحے بغرض جہاد ستھانہ بھیجے جارہے تھے۔ ان لوگوں کی خانہ تلاشی ہوئی اور ان پر کڑی نظر رکھی جانے لگی۔ ۱۸۵۷ء ۱۸، جون کو مولوی احمد اللہ صادقپوری، مولوی شاہ محمد حسین صادق پوری اور مولوی واعظ الحق ساکن بخشی محلہ نظر بند کردیئے گئے۔ انہیں ولیم ٹیلر کمشنر پٹنہ نے تین مہینے نظر بند رکھا۔ ان واقعات کے بعد ۱۸۵۷ء کا غدر ہوا۔ غدر کے کئی برس بعد ۱۸۶۳ء میں پھر مجاہدین سے انگریزوں کی ٹکر انبیلہ و کوہ سیاہ کے میدانوں میں ہوئی۔ لڑائی کے دوران میں اور اس کے بعد کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ بغاوت کی آگ دھیمے دھیمے سارے مُلک میں سُلگ رہی ہے، صادق پور میں تحریک آزادی و تنظیم جنگ جاری ہے اور مُجاہدین کے قافلے مع سامانِ جہاد سرحد کو روانہ ہورہے ہیں۔ مُلک کے مختلف مقامات میں گرفتاریاں شروع ہوئیں۔ صادق پور کے علماء میں مولوی احمد اللہ کے چھوٹے بھائی مولوی یحییٰ علی اور مولوی عبدالرحیم گرفتار کیے گئے۔ مولوی محمد جعفر تھانیسری کو بھی گرفتار کیا گیا۔ یہ سب انبالہ بھیج دیئے گئے اور

Marfat.com

انھیں مقدمہ کے بعد حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا ملی[1] (۱۸۶۴ء/۱۲۸۰ھ)۔ ۱۸۶۵ء میں مولوی احمد اللہ پر بغاوت کا مقدمہ قائم کیا گیا اور انھیں بھی حبس دوام کی سزا ملی[2]۔ اُن کی ساری جائداد ضبط کرلی گئی۔ مولوی احمد اللہ اور مولوی یحییٰ علی نے وطن سے دُور جزیرۂ انڈمان میں علی الترتیب ۱۸۸۲ء و ۱۸۸۶ء میں انتقال کیا۔ حکیم عبدالحمید خلف اکبر مولوی احمد اللہ اور اُن کے خاندان پر سخت مُصیبت ٹوٹ پڑی۔ اس داستانِ درد کو انھوں نے اپنی فارسی مثنوی "فسانۂ جانگداز" میں پیش کیا ہے ؎

مَن بہ تشویش و فکر لیل و نہار
بخت در خواب و فتنہ ہا بیدار

حضرت سید احمد بریلوی کی تحریک، اہل صادق پور کی نصرت و اعانت اور اس تحریک کے مُسلسل نشیب و فراز پر تبصرہ مقصود نہیں۔ غرض یہ تھی کہ میں اس تحریک کی ارتقائی اور تخلیقی قوت کو پیش کردوں تاکہ اس امر کی پوری حقیقت ظاہر ہوجائے کہ تحریکِ احمدیؒ نے اُردو اَدب، خصوصاً اُردو نثر کو کافی تقویت پہنچائی۔ ۱۸۱۰ء میں فورٹ ولیم کالج، کلکتہ بند ہوگیا تھا۔ اس زمانہ سے ۱۸۴۵ء تک اُردو نثری ادب کی دُنیا میں خلا سا نظر آتا ہے۔ آخرالذکر سن کے قریب کسی ہندو ادیب نے "گُل باصنوبر چہ کرد" کا فارسی سے اُردو میں ترجمہ کیا اور رجب علی بیگ سرور نے "فسانہ عجائب" لکھا۔ ۱۸۴۵ء کے بعد بھی سہل و سلیس نثر کی طرف توجہ نہ تھی۔ لیکن سید احمد بریلوی کی جماعت نے ہدایت و تعلیم اور ردّ مخالفین کے لیے سلیس و عام فہم اُردو میں کثرت سے رسالے لکھے اور فارسی سے ترجمے کیے۔ مولوی عبداللہ نے ہوگلی پریس سے سید صاحب کی تصنیف "تنبیہ الغافلین" کا اُردو ترجمہ شائع کیا۔ شاہ اسمٰعیل شہید کی "تقویۃ الایمان" بزبان اُردو، فرقہ اہل حدیث میں آج تک متداول ہے۔ اسی سلسلہ میں علمائے صادق پور نے بھی متعدد اُردو رسائل لکھے، جن کا ذکر آگے آئے گا۔ اُن بزرگوں میں مولانا

---

[1] تذکرۂ صادق۔ [2] پٹنہ گزیٹیر ص۳۷۔ [3] معاصر، پٹنہ، جولائی ۱۹۲۹ء، ص۲۰۔

Marfat.com

ولایت علی کی شخصیت بہت اہم تھی۔

مولانا ولایت علی حضرت تاج فقیہہ مَدنی ثم منیری کی نسل میں سے تھے۔اس طرح آپ کو حضرت مخدوم شاہ شرف الدین احمد منیری سے بھی نسبت حاصل[1] تھی۔ مولانا ولایت علی نے حضرت سیّد احمد بریلوی کی رفاقت میں دین کی بڑی خدمتیں انجام دیں۔ مولانا کے گھرانے میں پیری مُریدی کا سلسلہ جاری تھا۔ مگر حضرت مجدّد کی بیعت نے آپ کو شریعت و سُنّت کا دیوانہ اور اسلام کا سرفروش مُجاہد بنادیا۔حضرت احمدؒ کی تنظیم تحریک حرّیت انسانی اور دعوتِ احیائے اسلام تھی۔آپ کو اور آپ کی جماعت کو سِکھوں سے اِس لیے جنگ کرنی پڑی کہ پنجاب میں مُسلمانوں پر نہ صرف عرصۂ حیات تنگ تھا بلکہ وہ اسلام پر بھی آزادانہ عمل نہیں کرسکتے تھے۔ ہرچند کہ حضرت بابا نانک ایک اسلام دوست صوفی تھے۔تاہم اُن کے بعد پنجاب میں ایسے سیاسی حالات پیدا ہوئے کہ مُسلمان خدا کا نام بلند کرنے کے لیے اَذان تک نہیں دے سکتے تھے۔ ہر طرف قتل و غارت کی فضا تھی، انسان کی بُنیادی آزادیاں سلب کرلی گئی تھیں۔ اور ظلم کی انتہا ہوچکی تھی۔ سارے ہندوستان میں طوائف الملوکی تھی۔ لیکن قانونی طور پر اب تک مغل بادشاہ مَلِکُ الہند تھا۔ انگریز مشرقی اور وسطی صوبوں کو جارحانہ طور پر دابے بیٹھے تھے۔ مگر ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت محض نیابت و نظامت کی حکومت تھی اور وہ بھی بالجبر۔ تحریکِ احمدی کے دوسرے دَور میں جب مُجاہدین کی انگریزوں سے ٹکر ہوئی تو وہ بالکل حق بجانب تھی۔انگریز بادشاہ نہ تھے۔ اُن کی کوئی اخلاقی وقانونی حیثیت اس ملک میں نہ تھی۔ شمالی مغربی سرحد کا علاقہ کسی منظم حکومت کا خطّہ بھی نہ تھا۔ وہ یاغستان تھا۔ پنجاب کے صوبہ میں جو مظالم ہورہے تھے اُن کا سدّباب مغل بادشاہ کو کرنا چاہئے تھا۔لیکن

---

[1] مولانا ولایت علی کے برادر زادہ مولانا عبدالرحیم نے باشندگان صادق پور کے حالات میں ایک کتاب ، الدر المنثور فی تراجم اہل صادق پور ، لکھی تھی۔جس سے بہار کے سادات زبیری وجعفری اور دوسرے وابستہ خاندانوں کے حالات کا پتہ چلتا ہے۔

Marfat.com

دراصل اُس وقت ملک ہند میں سلطنت برائے نام تھی۔ ایسی صورت میں انسانی آزادی اور حریتِ ضمیر کی حفاظت کا فرض ہر باغیرت شخص پر عاید ہوتا تھا۔ حضرت مجدّد کی جماعت نے اس فرض کو ادا کیا اور غاصب و فتنہ پرور کمپنی کی حکومت نے حیلہ جُوئی اور مخاصمت سے کام لیا۔ ایسی صورت میں کمپنی کے سپاہیوں سے جنگ شرعی اور اخلاقی طور پر صحیح و جائز تھی۔ اس جہت سے تحریکِ احمدی آزادیٔ ہند کی سب سے پہلی ملک گیر عوامی تحریک بن گئی۔ سُلطان ٹیپو اور سراج الدولہ کی جدّو جہد مقامی اور خواصی تھی۔ حضرت سیّد احمد بریلوی کا مقصد تو صرف مُسلمانوں کا اخلاقی و روحانی احیاء تھا۔ لیکن تمکنتِ دین کے لیے ہر شرعی کوشش آپ کے اور آپ کی جماعت کے نزدیک جائز تھی۔ اسی طرح آزادیٔ ضمیر کے قیام کے لیے سعی پیہم بھی اس برگزیدہ جماعت کے خیال میں لازمی تھی۔

ب اس جماعت کی خدمتِ اُردو کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ سرفہرست مولانا ولایت علی صادق پوری عظیم آبادی کا نام نامی آتا ہے۔ آپکے مُصنّفات میں فارسی اور اُردو کے متعدد مذہبی رسالے ہیں۔ مثلاً رَد شرک اربعین فی المہدین' رسالۂ دعوت، تیسیر الصلوٰۃ، شجرۂ باثمرہ، تبیان الشرک، رسالہ عمل بالحدیث وغیرہ۔

مجھے ایک مطبوعۂ رسائل مولوی عبدالغفار صاحب صادق پوری سے ملا۔ اس کا نام "مجموعۂ رسائل تسعہ" ہے۔ اس مجموعہ میں مندرجہ ذیل رسائل شامل ہیں:

(۱) ردّ شرک
(۲) عمل بالحدیث
(۳) اربعین فی المہدین
(۴) رسالۂ دعوت
(۵) تیسیر الصلوٰۃ
(۶) شجرۂ باثمرہ
(۷) بُت شکن
(۸) فیض الفیوض
(۹) تبیان الشرک

یہ رسالے مولانا ولایت علی وغیرہ بزرگوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ پانچ رسائل اُردو میں ہیں۔ تین فارسی میں ہیں اور ایک عربی میں۔ یہ مولانا عبدالرحیم صادق پوری کے حسب الارشاد مطبع فاروقی دہلی میں طبع ہوئے۔ سنہ درج

Marfat.com

نہیں۔ سائز ۶" × ۱۰"۔ صفحات ۱۵۶۔ پہلے میں مولانا ولایت علی کے رسالوں کا تذکرہ کروں گا۔

رَدِّ شرک

از تصنیف مولانا ولایت علی صاحب معہ ترجمہ مولوی الٰہی بخش صاحب بہاری۔ بقول مولوی عبدالغفار صاحب صادق پوری یہ رسالہ شاہ اسماعیل شہید کی تصنیف تقویۃ الایمان کا مختصر اور واضح خلاصہ ہے۔ ترجمہ عام فہم اُردو میں ہے۔ اصل کتاب کی عبارت کو صفحہ کے ایک حصّہ میں اور ترجمہ کو دوسرے مقابل حصّہ میں خط کھینچ کر لکھا گیا ہے۔ اُردو عبارت یوں شروع ہوتی ہے:

"وہ زبان کہاں ہے جس سے ہادیِ مطلق کا شکر بجالاؤں۔ اور وہ ہاتھ کہاں ہے جس سے اُس کی تعریف کے لکھنے میں ہمّت کروں۔ اُس خدا نے ہم لوگوں کو امواجِ شرک کے ہچکولوں سے بچاکر توحید کے کنارہ پر پہنچایا باوجود اس کے کہ طوفان شرک میں ایک جہان ڈوبا ہوا ہے اور میدانِ ضلالت میں ایک عالم سرگرداں ہے۔ اور درود بے شمار اُس سرورِ کائنات کے حضور میں پیش ہے کہ اولاد آدم کی نجات سوائے اُن کی پیروی کے کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے۔ اور ان کی آل و اصحاب پر جن کی پیروی عین رسول خدا کی پیروی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ بعد حمد و نعت کے چند فصل شرک اور اقسامِ شرک کے دفع میں لکھتا ہوں اور اس کا اختتام واحد حقیقی سے چاہتا ہوں۔

اندازِ ترجمہ سمجھانے کے لیے اصل فارسی عبارت بھی درج ذیل ہے۔ ترجمہ کی نہج فارسی اسلوب کے عین مطابق ہے:

"کو زبانہائے کہ شکر ہادی مطلق بجا آور دم و کجا دستے کہ بہ تحریر ثنایش ہمت گمارم کہ مایان را از طلاطمِ امواج شرک برکنارۂ توحید بر آوردہ باآنکہ یک جہان غرقہ بطوفان اوست دیک عالم سرگشتہ بہ بیابان او۔ و درود نا معدود حضور سرورِ

Marfat.com

کائنات کہ بغیر اتباعش برائے نجات بنی آدم طریقۂ دیگر نیست۔ و بر آل و اصحابش کہ اتباعش عین پیروی رسول اللہ است، صلی اللہ علیہ وسلم۔ امابعد فصلے چند بدفع شرک و اقسامش می گویم و انصرامش از واحد حقیقی میجویم۔"

پہلی فصل: "اس فصل میں اُن لوگوں کے اقوال کی تردید ہے۔ جو اللہ کی کتاب اور رسول کی خدمت سے بذریعہ حیلوں کے مُنھ پھیرتے ہیں اور دعویٰ مُسلمانی کا کرتے ہیں، اس کا بیان یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید اور حدیث شریف کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے تمام علوم اور کل کتابیں پڑھی ہیں اور اپنے زمانہ میں علّامہ دہر ہو۔ ایسے لوگوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔۔۔۔۔۔ (آیت شریفہ) وہی ہے خدا جس نے بھیجا اَن پڑھوں میں ایک رسول اُنہیں لوگوں میں سے جو پڑھتا ہے اُن اَن پڑھوں پر خدا کی آیتیں اور اُن کو پاک کرتا ہے اور اُن کو سکھاتا ہے کتاب اور حکمت۔ یعنی رسول بھی اَن پڑھ تھے اور اصحاب کرام بھی اَن پڑھ تھے۔ باوجود اس کے جب رسول خدا نے صحابۂ کرام کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سُنائیں تو اصحاب سُن کر شرک و فساد سے پاک ہوگئے۔ پس اگر ناخواندہ آدمی قرآن مجید اور حدیث شریف کو نہیں سمجھ سکتا ہے اور استعداد فہم نہیں رکھتا ہے تو بھلا صحابہ کرام نے کیوں کر سمجھا اور عیبوں سے پاک کس طرح ہوئے۔۔۔۔۔" (ص۳) رسالہ کے چھتیس صفحات اور سات فصلیں ہیں۔

رسالۂ عمل بالحدیث

از تصنیف مولانا ولایت علی صاحب معہ ترجمہ مولوی الٰہی بخش صاحب۔ رسالہ کی تین فصلیں اور سولہ صفحات ہیں۔ نثر اُردو کا نمونہ حسب ذیل ہے:

"۔۔۔۔۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ دلِ مُردہ رکھتے ہیں اور ظاہر سے باطن تک نہیں پہنچتے ہیں، اپنی اوقات عزیز کو دُنیا حاصل کرنے میں برباد کرتے ہیں اور ہمّت کا قدم غور و تامل کے میدان میں نہیں رکھتے ہیں اور چور کی طرح ہر آشنا و نا آشنا کی تھیلی میں

Marfat.com

نگاہ ڈالتے ہیں اور اندھوں کی طرح ہر عاقل اور دیوانے کے
موندھے پر ہاتھ رکھتے ہیں ۔۔۔۔" (ص۳۲)

اَرْبَعِیْنَ فِی الْمَھْدِیِّیْنَ

ازتالیف جناب مولانا ولایت علی صاحب. معہ ترجمہ. مجموعۂ رسائل تسعہ کے صفحہ ۴۶ سے صفحہ ۶۳ کے سرے تک یہ رسالہ عربی زبان میں مع ترجمۂ اُردو پھیلا ہوا ہے۔ غالباً یہ ترجمہ بھی مولوی الٰہی بخش نے ہی کیا ہے۔ نمونۂ تحریر حسب ذیل ہے:

"پہلی فصل میں وہ حدیثیں ہیں جو شان میں سارے ہادی من اللہ کے ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آویں گے۔ روایت ہے ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے، کہا اُن حدیثوں میں کہ یاد رکھتا ہوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ہے کہ بے شک اللہ اُٹھائے گا اس اُمت کے واسطے ہر سَو کے سرے پر اس شخص کو کہ نیا کر دکھاوے گا اس امت کو دین اُس کا[1]" (ص۴۶)

رسالۂ دعوت

از تالیف لطیف مولانا ولایت علی صاحب۔ یہ رسالہ اُردو میں ہے اور سولہ صفحات پر محیط ہے۔ مضامین کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی تصنیف حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ کی زندگی کے اَواخر میں یا جنگ بالاکوٹ کے معاً بعد ہوئی۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سن تصنیف ۱۸۳۱ء کے لگ بھگ ہے۔ چند اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں:

"اے اللہ تجھ کو سب قدرت ہے، تو ایسا کرم کر کہ اس رسالہ کو سُن کر ہمارے جتنے بھائی مُسلمان ہیں ان کے دل کے شُبہے اور وسواس سب جاتے رہیں اور گروہ محمدی میں داخل ہوجاویں کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیدھی راہ نجات کی اُن کے ہاتھ

---

[1] ابوداؤد اور مشکوٰۃ۔ کتاب العلم (حدیث شریف)

Marfat.com

گے اور درود ایسے نبی پر اور اُن کی آل و اصحاب پر آمین یا ربّ العالمین! جو لوگ ہوشیار ہیں وے جو کام کرتے ہیں پہلے اُس کے اوّل و آخر ابتدا انتہا کو سوچ لیتے ہیں اور ہر جگہ موافقت و مخالفت لڑنے مارنے میں بے تکلف قدم نہیں رکھتے۔ آگے خدمت میں یہ عرض ہے کہ بعضے شخصوں کی عادت ہے کہ صاحبِ دعوت کی بات کو اُس کے رو برو قبول نہیں کرتے۔ ان کے واسطے یہ رسالہ لکھا گیا، کہ تنہائی میں اس کو خوب انصاف اور تامل کی نظر سے دیکھیں، اگر کچھ اپنے کام کا پاویں اور اپنے دین و دُنیا کی مُنفعت سمجھیں تو اُس پر چلیں، ایسا نہ کریں کہ مارے خفگی کے پورا نہ دیکھیں کیونکہ عاقلوں کا قول ہے کہ بات دُشمن کی بھی سن لینی چاہئے، پھر اگر پسند نہ آوے تو ماننے نہ ماننے کا اختیار اپنے ہاتھ ہے۔ ....." (ص۶۳)

"..... اس رسالے میں تھوڑا سا وہ احوال امام وقت کا ہے کہ جس کی تحقیق کے واسطے حضرت کے حضور میں جانا کچھ ضرور نہیں، بلکہ اپنے شہر و دیار میں جہاں ہووے اُس کو تحقیق و تامل کرے۔ یہ باتیں موجود پاوے گا۔ لیکن انصاف شرط ہے۔ احوال امیرالمؤمنین کا۔ حضرت کے پہچاننے کو تھوڑی سی عقل سیدھی اور تھوڑی سی واقفیت حدیث سے چاہئے کہ اکثر اولیاء اللہ کو پر تو بعضے انبیاء کا عنایت ہوتا ہے، ہمارے حضرت کو اللہ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پر تو عنایت کیا اور گروہ پر حضرت کے صحابہ کا پر تو ڈالا کہ لوگوں کے دل میں محبت اتباع سنّت کی اور غیرت ایمان کی حد سے زیادہ ہوئی۔ اللہ کا دین زیادہ ہونے کے واسطے دل بے قرار ہونے لگا، جب بیقراری حد سے زیادہ بڑھی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں الہام صادقہ فرمانا شروع کیا اور بشارتیں دیں کہ ہم نے تجھ کو امام صاحب اقبال اور

اولوالعزم کیا اور دین کے بتانے میں اور حکم شرع جاری کرنے میں صاحبِ تاثیر برکت والا بنایا، اب تھوڑی سی تیری التفات و توجہ میں لوگوں کو ہم بڑے بڑے عمدہ مقام پر ولایت کے پہونچادیں گے اور تھوڑی سی محنت میں ہم تجھ کو سردار بنائیں گے۔ اور اکثر ملکوں پر فتح دیں گے۔ اور جو کوئی تیرے ہاتھ پر بیعت کرے گا اُس کو میں آپ کفایت کروں گا، اور رستہ دین کا بتاؤں گا، اور دُنیاے اس کا دل بیزار کروں گا۔" (ص۶۴)

:۔۔۔۔ پھر جب حق دعوت کا ملک ہندوستان میں ادا ہوچکا تب بطریق اپنے نبی کے تابعین کے ساتھ ارادہ ہجرت کا فرمایا۔ پھر جس مقام پر یہ قافلۂ متبرکہ وارد ہوتا تھا، وہاں کے تمام اطراف کے لوگ صورت دیکھنے بے اختیار ہوکر آتے تھے اور نہایت عقیدت سے بیعت کرتے تھے، باوجودیکہ نہ کبھی کی واقفیت نہ آگاہی بلکہ زبان بھی اُن کی نہ سمجھتے تھے۔ اسی طرح اللہ نے تمام ہندو خراسان کے لوگوں کو مطیع بیعت کردیا۔ اس طرح سُنّت رسول اللہ کے مُطابق آج تک کسی کو ہجرت کرتے نہ سُنا تھا۔ سُبحان اللہ حق تعالیٰ نے اپنے رسول کا کیسا پیرو کامل پیدا کیا۔ بعد اُس کے محض اللہ پر توکل کرکے جہاد شروع کیا۔۔۔۔" (ص۶۵)

:۔۔۔۔ جس کو اللہ جب تک چاہتا ہے چھپاتا ہے جب چاہتا ہے ظاہر کرتا ہے۔ ہمارے حضرت کی خلوت کوئی حضرت عیسیٰؑ کی سی نہ سمجھے کہ کسی سے مُلاقات نہیں ہوتی یا ظہور میں اُن کے عرصہ بعید گزرے گا۔ یہاں تو اکثر لوگ جب چاہتے ہیں تھوڑی سی کوشش میں حضرت کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ عرصۂ قریب میں مثل خورشید درخشاں کے ظاہر ہوکر عالم کو اپنے انوارِ ہدایت سے منوّر فرمائیں گے۔۔۔۔" (ص۶۶)[1]

---

[1] جنگ بالاکوٹ کے بعد یہ شبہ پڑ گیا تھا کہ حضرت سیّد احمدؒ شہید ہونے یا بچ کر نکلے اور روپوش ہو گئے۔ عین ممکن ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو، اور کچھ عرصہ کے بعد جناب کی وفات ہوئی ہو۔ اسے غیب ہی جانتے ہیں۔

Marfat.com

اس کے بعد اس گروہ کے بیعت کرنے والوں کا احوال ہے، مخالفوں کا احوال ہے، مولویوں کی دعوت اور مخالف علماء کی حالت ہے، مشائخ کی دعوت اور ان کا احوال ہے، مخالفوں کے دوستوں، اُن کے مُرید اور شاگردوں، دوبارہ بیعت میں مُضائقہ کرنے والوں، فاسقوں اور فاجروں، امیروں، حاسدوں، جاہل غیرت والوں، شیعوں اور خلفاء کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے والوں کی دعوت ہے۔ آخری فصل یوں شروع ہوتی ہے:

"بعضے مُسلمانوں کا دل بیعت کرنے کو رغبت کرتا ہے۔ مگر اُن کو یہ خیال ہوتا ہے کہ حضرت دُور تشریف رکھتے ہیں اور کسی خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں دل شرماتا ہے۔ حقیقت کو سمجھنا چاہئے کہ جو شخص بیعت محض اللہ کی خوشی کے واسطے کرتا ہے اور دوسری غرض کوئی نہیں متعلق ہوتی، تو وہ بیعت حقیقت میں اللہ سے ہوتی ہے اور اللہ کا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ قرآن میں یہ خبر مذکور ہے۔ ..... اللہ سب کو توفیق دیوے کہ جلد اس گروہ مقبول میں داخل ہوکر دین کے سرسبز ہونے اور اللہ رسول کی رضامندی کی باتیں حاصل کرنے میں شریک ہوویں۔ آمین یارب العالمین۔"

رسالہ تَیْسِیْرُ الصَّلٰوۃ

از تصانیف مولانا ولایت علی عظیم آبادی۔ یہ رسالہ اُردو میں ہے۔ نو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ ۷۹ تا ۸۷۔ نماز اور اقسام نماز کے متعلق ہے۔ طرز تحریر حسب ذیل ہے:

"..... خداوند آج اس کو اُمید اپنے اعمالوں کی اور تدبیر کی بالکل جاتی رہی۔ محض بے اختیار ہے۔ تو جیسا چاہے ویسا کرے۔ ہم تجھ کو سُپرد کرتے ہیں۔ تو محض اپنے کرم سے اس کو بخش دے۔ ....." (ص۸۶)

Marfat.com

رسالۂ شجرۂ باثمرہ

مؤلفہ مولانا ولایت علی۔ صفحہ ۸۸ تا ۹۴۔ یہ رسالہ صحیح طریقۂ تصوّف کے متعلق ہے۔ طرز بیان درج ذیل ہے:

"..... نادانوں کے خیال میں یہ بات جمی ہے کہ جب تک مُرید نہیں ہوں گے ہمارے گناہوں کی پُوچھ ہم سے ہووے گی۔ بعد اس کے اگلے پچھلے سارے گناہ پیر بخشوالیں گے۔ اور قیامت میں اُن کے جھنڈے تلے جانے سے کوئی ہمارے گناہ ہم سے نہ پوچھے گا۔ بلکہ ہمارے پیر سے پُوچھیں گے۔ وے جو کچھ جانیں گے بتا دیں گے۔ ہم کو اتنا ہی چاہئے کہ پیروں کی جناب میں اپنا اعتقاد مضبوط رکھیں۔ غرض پیر کو عاقبت کا گدھا، گُناہوں کا بوجھ اُٹھانے والا ٹھہرایا ہے۔ اس خیال سے شجرے کو اپنا ایمان جانتے، اور اس کی تعظیم حَدسے زیادہ کرتے ہیں۔" (ص۸۸)

"..... یوں سمجھئے کہ کوئی کسی کا عذاب بلکہ کسی کے سَر کا درد بھی اپنے سَر میں لے نہیں سکتا۔ کوئی کسی کے بدلے نہیں پوچھا جاتا۔ ایک دن باپ دادے، پیر اُستاد سب سامنے سے آنکھیں چُرادیں گے۔ آخر جس کا خون اُسی کی گردن ہو جاوے گی۔ اور ہر مُرید کو شجرہ اپنے پاس رکھنا کچھ ضروری نہیں۔ پیرزادے جو ہر سال شجرہ پڑھوانے کی تاکید کرتے ہیں۔ اُن کی غرض ہر سال کچھ کھانے کمانے کی ہے۔ اُن کا قول مشہور ہے کہ بُرا کھیت مولی کا کہ ایک دفعہ اُکھاڑنے سے میدان ہو جاوے۔ بھلا کھیت ساگ کا جو اُگا جوں کا توں توں بڑھے۔"

تبیان الشرک

مُصنّفہ مولانا ولایت علی۔ صفحہ ۱۴۲ تا ۱۵۶۔ یہ رسالہ [illegible] زبان فارسی لکھا لیا تھا۔ چند فصلوں کے اضافے کے ساتھ یہ رسالہ عوام کے سمجھنے کے لئے اردو میں لکھا گیا۔ باب ہا حضرت صدیق کی طرف منتسبین کی تنقید میں بھی ادا کیا ہے۔

Marfat.com

انداز بیاں درج ذیل ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ ہمارا بہت دُور ہے شریکوں سے، اگرچہ لوگ اپنی عقل میں آدم مُشت خاک کو اُس مالک عرش و افلاک کا شریک جانتے ہیں، اور اِس غُبارِ ناپائدار کی تعظیم برابر اُس پاک پروردگار کے کرتے ہیں کہ جس کام میں نبی اور ولی کو دخل نہیں اور جس کے حکم میں فرشتوں کو دَم مارنے کی طاقت نہیں، فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ یعنی جس کام کا ارادہ کرے اُس کو کرہی کے چھوڑے اور کسی کے روکنے سے نہ رُکے۔

؎ بڑے چھوٹے ہیں سارے بے اختیار
جو چاہے کرے میرا پروردگار

رسالہ بدعت (تقریر بدعت)

از مولانا ولایت علی۔ مطبوعہ کلکتہ۔ ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ مجموعۂ رسائل تسعہ میں نہیں۔ مولوی عبدالغفار صاحب صادق پوری کی کی ہوئی ایک نقل از اصل مجھے آپ کے فرزند محمد اسمٰعیل سے ملی۔ نمونۂ نثر حسب ذیل ہے:

"سبب تحریر: بعد اس کے سُنا چاہئے کہ کتنے لوگ صراطِ مستقیم پر بلکہ جناب امام حضرت سید احمد صاحب پر اعتراض اور نسبت بدعت کی کرتے ہیں وجہ یہ کہ مولانا اسمٰعیل علیہ الرحمۃ کا رسالہ جس کا نام ایضاح الحق ہے بدعت کے باب میں فارسی زبان میں جو تصنیف فرمایا اس کے سمجھنے کی اکثر لوگوں کو لیاقت نہیں، اس سبب اس عاجز سے بدعتہ کے باب میں آکر پوچھتے اور تنگ کرتے ہیں اس واسطے ہندی زبان میں تھوڑی سی تقریر بدعۃ کی جو آسان اور سہل اور سوار تقریر مولانا ممدوح کے ہے لکھ دیا کہ ہر کسی کے سمجھ میں آوے اور آیت سے اس کو مدلل کردیا۔ سیدھی سمجھ والے کو بہت

؎ از شاہ اسمٰعیل شہید علیہ رحمت۔ فارسی ۱۶۷ صفحات۔ بڑی تقطیع۔

Marfat.com

ہے :" (ص۱) .....

" امور متعلق بعثت : اور جس کے بتانے کے واسطے حضرتؐ آئے۔ مثلاً حضرت اس واسطے مبعوث ہوئے کہ امت کو منع کریں کہ جس چیز سے غفلت پیدا ہو اور دُنیا میں تنگی ہو وہ نہ کریں چنانچہ مکان، کھانے، کپڑے میں حد باندھ دی کہ بہت اسراف نہ کریں۔ حرام چیزیں نہ کھاویں۔ ریشمی، زرّیں اور کُسم زعفران کا رنگا ہوا کپڑا نہ پہنیں۔ اور اُمت کو حکم کریں کہ جن باتوں سے خدا کا دھیان بڑھے اور دُنیا کا انتظام دُرست ہو وہ کریں :" (ص۱)

اس رسالہ میں اشغال، مراقبہ، خواب، رویائے صالحین، الہام ووحی اور اقسام الہامات سے بہت ہی تشفی بخش بحث کی گئی ہے۔

مولانا عنایت علی صادقپوری عظیم آبادی

مولانا عنایت علی عُرف منجھلے صاحب۔ آپ مولانا ولایت علی کے منجھلے بھائی اور آپ کے شریک کار تھے۔ قبل بیان ہوچکا ہے کہ آپ نے بھی حضرت سیّد احمد بریلویؒ کی بیعت کی تھی اور آپ کی خلافت بھی حاصل کی تھی۔ غزوات میں مولانا عنایت علی نہایت جری تھے۔ آپ خالدؓ دوراں کہلاتے تھے۔ آپ کی شجاعت بے مثل تھی۔ فن سپہ گری میں بھی آپ کو مہارت حاصل تھی اور فوجی تنظیم کی صلاحیت بھی ثابت ہے۔ تفصیلات مولانا ولایت علی کے حال میں بیان ہوچکی ہیں۔ مجموعۂ رسائل تسعہ میں ایک رسالہ اُردو موسوم بہ بُت شکن شامل ہے " جس میں تعزیہ کی بُرائی اور اس کے بنانے اور پُوجنے والوں کی بے وقوفی اور نادانی کا بیان ہے۔" یہ رسالہ مولانا عنایت علی عظیم آبادی کا تصنیف کیا ہوا ہے جس تحریر درج نہیں نمونہ تحریر حسب ذیل ہے:

Marfat.com

"..... اسی طرح اب سمجھو وہ جنّت جس کی چوڑائی ساتوں آسمانوں و زمین کے برابر ہے اور تمام آباد، کہیں جنگل اور ویران نہیں۔ ایک بالشت زمین اُس کی قیمت میں ساری روئے زمین سے زیادہ۔ ایک ادنیٰ مکان وہاں کا تمام دُنیا کے محل سے بہتر۔ یہ نعمتیں اللہ نے امام کو بخشیں۔ بے شک وہ ایسے عیش میں اسوقت ہیں۔ اور ان کا دُشمن جو یزید تھا۔ وہ دوزخ میں جلتا ہوگا۔ جس کے شعلے آسمان سے بات کرتے ہیں۔ چنگاریاں اُس کی جیسے اُونٹوں کی قطار۔ ساٹھ برس کی راہ سے آدمی کو کھینچتی ہے۔ جیسے بھوکا اژدہا۔ مچھّر وہاں کے اُونٹوں کے برابر۔ مکھیاں جیسے ہاتھی۔ کھٹمل جیسے گینڈے۔ جُوں جیسے بھینسیں۔ یہ سب ہزاروں بدن میں لپٹ رہے ہیں اور سانپ بچھّو بے شمار۔ ایسے زہر دار کہ اگر دُنیا میں آکے دَم پھونکیں گھانس سارے جہاں کی جَل جاوے اور درخت خشک ہوجاویں۔ وہاں کی بیڑیوں کی زنجیر کی ایک ایک کڑی ستّر ستّر ہزار گز کی۔ یسخ کا پھل جیسے شیطان کا سَر۔ اس کا ایک قطرۂ عرق زمین پر نچوڑیں تو تمام زمین کے ڈوم چمار خاک روب تک اُس کی بُو سے تاب نہ لاکر مرجاویں۔ وہ کھانے کو ملے گا اور تانبا پگھلا اور لہو پیپ گرم پانی پینے کو....." (ص ۹۷۔۹۸)

رسالہ بُت شکن صفحہ ۹۴ سے صفحہ ۱۰۶ تک پھیلا ہوا ہے اور آخر میں ایک طنزیہ غزل ہے۔ عبارتِ نثر میں بھی طنز کی تیز کاٹ جا بہ جا محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً:

"..... ایک سال ایسا ہوا کہ محرم کا تعزیہ اور ہندوؤں کا رتھ جاترا ایک ہی دن پڑا۔ جب بازار میں ٹھاٹ دھوم جمنا اور لوگوں کی بھیڑ چلی آتی دیکھی تو مسلمان تعزیہ والوں نے سمجھا کہ تعزیہ آتا ہے۔ اُسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے اور اونچا سا لکڑی کا بنا ہوا اور اُس پر چنور ہوتا دیکھ دست بستہ ہوکر ادب سے سلام

Marfat.com

بجالائے، نزدیک پہنچے، دیکھا تو معلوم ہوا کہ رَتھ جاتا ہے۔ توبہ توبہ کرکے دوکان میں غیرت سے گھس گئے۔ اس واسطے کہ جو تعزیہ نہیں پُوجتے ٹھٹھا کریں گے۔ اور کبھی ایسا ہوا کہ ڈھپ ڈھپ کی آواز سُن کر ہندوؤں کو دھوکا ہوا، وہ سمجھے کہ ہمارا ٹھاکر چلا آتا ہے۔ جب بہت قریب پہنچے تب معلوم ہوا کہ تعزیہ ہے۔ اور کبھی یوں ہوا کہ دُور سے اُس کی چھتری اور ڈھول بجتا چنور ہوتا دُھوم دَھام سے آتا ہوا دیکھ کر ہندو کہنے لگے کہ ہمارا ٹھاکر ہے اور مُسلمان کہنے لگے کہ ہمارا تعزیہ ہے۔ آخر خوب ردّ و بدل ہوئی اور آپس میں شرط ہونے کی نوبت پہنچی۔ یہ تہتک اور فضیحتی دیکھ کر کتنے ہی غیرت والے مُسلمانوں نے اُسی سال تعزیہ پُوجنے سے توبہ کی۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(۱۰۵)

غزل کے چند اشعار بھی نقل کیے جاتے ہیں۔ ؎

جھانزو مہندی و شدہ دیا نشان و علم — بنائے لوگوں نے بُت لاکلام لکڑی کے
کریں ہیں عیش ہمارے امام جنّت میں — یہاں پڑے ہیں تمھارے امام لکڑی کے
نکالو کھود کے ہندو کی طرح پتھر کا — یہ پائدار نہیں ہوتے کام لکڑی کے

تتمّت

مولانا فیاض علی

"رسالہ فیض الفیوض۔ از تصنیفات فاضل اجل عالم اکمل حضرت مولانا فیاض علی صاحب علیہ الرحمۃ والغفران خلف الصدق حضرت مولوی الٰہی بخش مرحوم مغفور۔ صادق پوری عظیم آبادی نبیرہ حضرت مولانا ولایت علی صاحب زبیری الہاشمی صادق پوری تغمدہ اللہ الرحمن الرحیم۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اما بعد واضح ہو کہ جب کہ جناب مولانا فیاض علی صاحب خلف اوسط حضرت مولانا الٰہی بخش خدا بجاہ العرش

Marfat.com

صادق پوری عظیم آبادی یکے از خلفائے عظام حضرت مولانا ولایت علی علیہ الرحمۃ زبیری الہاشمی صادق پوری عظیم آبادی ملک افغانستان سے ۱۲۷۲ھ ہجری میں اپنے وطن عظیم آباد کو تشریف لیے آتے تھے۔ اثنائے راہ میں واردِ دہلی ہوئے۔ اُس وقت بعض لوگوں نے وہاں کے آپ سے کچھ سوال کیا۔ اُس کا جواب فی الفور بالبدیہہ بغیر رجوع بطرف کتاب آپ نے دیا اور روانہ عظیم آباد ہوگئے۔ بعد اُس کے اُن لوگوں نے اُس سوال وجواب کو صاف کرکے اور اس کا نام فیض الفیوض رکھ کر چھپوادیا۔ چونکہ وہ رسالہ فارسی زبان میں تھا۔ عوام اُس کے فوائد ومنفعت سے محروم تھے۔ لہٰذا فقیر سراپا تقصیر الٰہی بخش بہاری عفی عنہ حسب ارشاد فاضل اَجل عالم باعمل یادگار سلف ممتاز خلف جناب مولانا عبدالرحیم صاحب زبیری الہاشمی صادق پوری عظیم آبادی دام فیضہٗ خلف اکبر جناب مولانا فرحت حسین قدس سرہٗ برادر حقیقی حضرت مولانا ولایت علی الرحمۃ والغفران کے اُس کا ترجمہ عام فہم اُردو میں اصل کتاب کو صفحہ کے اوّل کالم میں اور ترجمہ کو دوسرے کالم میں لکھ کر عام اہل اسلام کے پیش نظر کرتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"(ص۱۰۶-۱۰۷)

مولانا فیاض علی مولانا الٰہی بخش صادق پوری کے بیٹے اور شیخ ہدایت علی مہدانوی کے پوتے تھے۔ آپ نے درسی کتابیں اپنے برادر معظم مولوی احمداللہ سے پڑھیں، اور سندِ حدیث مولانا ولایت علی سے لی۔ آپ کا وعظ نہایت پُر اثر ہوتا تھا۔ آپ بڑے مناظر بھی تھے۔ آپ اپنے مرشد مولانا ولایت علی کے ساتھ جہاد میں بھی شریک ہوتے رہے۔ دلیری اور شجاعت کے ساتھ اُمورِ تمدن کے بھی ماہر تھے۔ آپ مولانا ولایت علی کے انتقال (۱۸۵۴ء) کے بعد سرحد سے پٹنہ واپس آگئے تھے۔ پھر چند سالوں کے بعد سرحد افغانستان کی طرف ہجرت کرگئے اور مُلک سوات بُنیر کو پہنچے اور وہیں وفات پائی۔

لہ الدرالمنثور فی تراجم اہل صادقپور۔ معروف بہ تذکرہ صادقہ از محمد عبدالرحیم صادق پوری۔

رسالہ فیض الفیوض مع ترجمہ اُردو موسوم بہ منبع الفیوض مجموعۂ رسائل تسعہ کے صفحہ ۱۰۶ سے صفحہ ۱۳۸ تک پھیلا ہوا ہے۔ سوال و جواب اجتہاد و فقاہت، تقلید و سنت، استنباط و تفکر فی الدین کے متعلق ہے۔ طرز کلام درج ذیل ہے:

سوال (۴) بعد لازم کرلینے ایک مذہب کے دوسرے مذہب میں چلا جانا صحیح ہے یا نہیں۔ اور یہ جو حنفیوں کے بعض فتویٰ میں لکھا ہے کہ اگر شافعی مذہب والا حنفی مذہب میں چلا آئے تو اس کو خلعت دیا جائے۔ اور اگر حنفی مذہب والا شافعی مذہب میں چلا جائے تو اس کو سزا دینی چاہیئے۔ اس کی کیا دلیل ہے۔ اور اگر مقلد فقیہہ ہے اور علم تفسیر و حدیث و اُصول و فقہہ کو جانتا ہے اُس کو اگر کسی مسئلہ میں دوسرے مذہب کے علماء کے قول کی کسی دلیل سے ترجیح معلوم ہو تو اس مسئلہ میں اس کو اپنے امام کے مذہب سے انتقال کرنا لازم ہے یا نہیں؟

جواب (۴) ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں چلا جانا بشرطیکہ لہو و لعب کے قصد سے نہ ہو دُرست ہے۔ ہمارے شیخ ملک العلماء مولانا عبدالعلی قدس سرہٗ مُسلم کی شرح میں فرماتے ہیں کہ جس شخص نے ایک مذہب معین کو اپنے اوپر لازم کرلیا اُس پر واجب نہیں ہے کہ عمر بھر اُسی مذہب پر رہے۔ اگر وہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں چلا جائے تو صحیح ہے۔

[illegible] اب [illegible] یہ بات کہ حنفی اگر شافعی مذہب میں چلا جائے تو اُس کو سزا دینی چاہیئے اور شافعی اگر حنفی مذہب میں چلا جاوے تو اس کو خلعت دینا چاہیے یہ محض [illegible] مبتدع قول ہے۔ اس کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ یہ تعصب سے پیدا ہوا ہے۔ مُلّا علی قاری سم الفوارض میں کہتے ہیں کہ یہ جو حنفیوں میں مشہور ہے کہ حنفی جب شافعی مذہب ہو جائے تو اُس کو سزا دی

جائے اور جب اُس کا اُلٹا ہو تو خلعت دیا جائے یہ ایک بناوٹ کی بات ہے ..... اور امام ابو شامہ فرماتے ہیں کہ جو شخص فقہ کے ساتھ مشغول ہو اُس کو لائق ہے کہ نہ بس کرے ایک امام کے مذہب پر اور اُس کو لائق ہے کہ مسائل میں سے انہیں مسائل کی صحت کا اعتقاد کرے جو قریب تر ہو کتاب و سُنّت و حکمت کے دلالت سے اور یہ آسان ہے اُس پر جب کہ علوم متقدمہ کے معظمات کا یقین رکھتا ہے۔ اور چاہیئے کہ پرہیز کرے تعصب سے الخ" (ص۱۲۲-۱۲۴)

مجھے چند مطبوعہ رسالے مولوی عبد الغفار صاحب صادق پُوری سے ملے۔ دو رسالے ایک ساتھ چھپے ہیں اور تین رسائل ایک ساتھ۔ اوّل الذکر ۲۸ صفحات پر مشتمل ہیں۔ سائز ۶" × ۸"۔ کاغذ ہلکا زرد اور زردی مائل سُفید، مخلوط۔ اختتام پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے:

"الحمدللہ کہ تفسیر الحمدللہ کی ہندی زبان میں جو حضرت رئیس المومنین امام العارفین سیدالمسلمین قدوۃ السالکین پیر و مرشد حضرت سید احمد صاحب نے نفع پہنچائے اللہ ہم کو اور سب مُسلمان بھائیوں کو ان کی بقا سے اور زاید کرے فیض اور ارشاد اُن کا۔ آپ اپنی زبان فیض و ہدایت ترجمان سے فرما کے جانب علوم ظاہری و باطنی جناب مولانا عبد الحیٔ صاحب دام فیضہ سے تحریر کروائی۔ اور حقیقت صلوٰۃ کی جو بیان نماز پنجگانہ ہے۔ اور کئی فائدوں کے ساتھ جسے ایک فاضل کامل نے حضرت پیر و مرشد کے مریدوں میں سے حضرت کی زبان اقدس سے سُن کے ہندی زبان میں لکھا ہے۔ تصحیح سے جناب مولانا بدیع الزماں صاحب زاد اللہ برکاتہ کے کلکتے کے مطبع گنج میں دسویں محرم ۱۲۶۸ھ میں چھاپی گئی" (ص۲۸)

Marfat.com

پہلے رسالہ حقیقت نماز ہے۔ نمونہ بیان حسب ذیل ہے :

"الٰہی شکر تیرے احسان کا کہ تو نے ہمارے دل کو روشن اور زبان کو گویا کیا، اور ایسے نبی مقبول کو خلق اللہ کی ہدایت کے واسطے بھیجا، کہ جس کی ادنیٰ شفاعت سے دونوں جہان کی نعمت پادیں، اور اس کی رہنمائی سے عرفاں کی لذت اُٹھاویں۔" (ص۱)

صفحہ ۱۰ کے سرے تک حقیقتِ نماز بیان ہوئی ہے۔ بعد ازآں تفسیر الحمد شروع ہوتی ہے اور صفحہ ۲۸ تک جاتی ہے :

"سورۂ فاتحہ اس سورے میں اللہ نے دعا کی طرح بتلائی اور اللہ کے بتلائے برابر کسی کا بتلایا نہیں ہوتا۔ اس واسطے یہ سُورت بڑی بُزرگی رکھتی ہے۔ اور دُعا میں دستور یوں ہے، ہر کوئی جانے ہے، کہ باوجودیکہ سب آدمی محتاج بے مقدور ہیں، پر سوال کرنے میں جو آدمی سخی کریم باہمت اور بامقدور ہوتا ہے، اُسی سے مانگتے ہیں۔" (ص۱۷)

دوسرے مجموعے میں پہلا رسالہ نماز باجمعی ہے۔ یہ صفحہ ۴ کے وسط تک ہے۔ دوسرے مجموعہ کا سائز بھی وہی ہے جو پہلے مجموعہ کا ہے۔ رسالے مطبوعہ ہیں۔ کاغذ زردی مائل سفید۔ طرز تحریر حسب ذیل ہے :

"سُنا چاہئے کہ نماز میں جو جو سورتیں اور دُعائیں معمولی لوگ پڑھا کرتے ہیں، اگر ان کے معنوں کو بھی یاد کرلیں تو اللہ کی رحمت دل پر نماز میں ٹپکے اور جہاں مضمون عتاب کا آوے تو دل خود بخود ڈر جاوے اور آنکھوں میں پانی بھر آوے اور جہاں انعام واکرام اور عیش و آرام جنّت کے سمجھیں تو بے اختیار دل میں فرحت اور تازگی پیدا ہونے لگے اور بُرے کام کیطرف دل نجاوے، آپ سے آپ متقی بن جاویں۔۔۔۔۔" (ص۱)

بعد از ایں رسالہ جہادیہ شروع ہوتا ہے۔ یہ منظوم ہے اور صفحہ ۴ کے وسط سے صفحہ ۱۰ تک پھیلا ہوا ہے۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے :

Marfat.com

بعد تمہید خدا نعت رسُول اکرم　　یہ رسالہ ہے جہادیہ کہ لکھتا ہے قلم
واسطے دین کے لڑنا نہ پئے طمع بلاد　　اہل اسلام اسے شرع میں کہتے ہیں جہاد

ہند کو اسطرح اسلام سے بھر دے اے شاہ　　کہ نہ آوے کوئی آواز جُز اللہ اللہ

صفحہ ۸ جو آخری صفحہ ہے نکاح ثانی بیوگان کے متعلق نثر میں ہے۔ یہ دوسرے مجموعہ کا تیسرا رسالہ ہے۔ طرز بیان حسب ذیل ہے:

"اِن دنوں میں ہندوؤں کی رسموں میں سے ایک رسم مُسلمانوں میں بہت بُری پھیلی ہے کہ جہاں عورت کا شوہر مرا تو اُس کا نکاح نہیں کر دیتے بلکہ اُس کے کرنے کو عیب سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دوسرے نکاح کو قرآن میں بہت تاکید سے فرمایا اور اس کی تعریف کی ....." (ص۸)

اس رسالے کے اختتام پر چند نصیحت آموز اشعار ہیں۔ رسالوں کے دوسرے مجموعے کے مؤلف کے بارے میں کوئی علم حاصل نہ ہو سکا۔ اُغلب یہی ہے کہ یہ رسالہ اہل صادقپور میں سے کسی کا لکھا ہوا ہے۔

دراصل جدید اُردو نثر کی تاریخ حلقۂ سر سیّد احمد خاں سے نہیں شروع ہوتی بلکہ دائرۂ سیّد احمد بریلویؒ سے اس کا آغاز ہوتا ہے۔ اوّل الذکر نے رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا اور ثانی الذکر نے تہذیب الایمان کے لیے متعدد رسالے شائع کیے۔ دونوں تحریکیں اصلاحی تھیں۔ حضرت سیّد احمد بریلویؒ کی تحریک میں صادقپوریوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ مختصر یہ کہ جدید اُردو نثر کی ترویج کی محفل میں اوّلیت کا سہرا دائرۂ سیّد احمد کے سر ہے۔ اس حقیقت سے ابھی تک پوری واقفیت بھی نہیں اور عام طور پر اسے تسلیم نہیں کیا گیا۔

Marfat.com

بہار میں اُردو ادب کے عام میلانات

میں اپنی اس پیش کش کو ختم کرتے ہوئے بہار میں اُردو ادب کے عام میلانات کے متعلق کچھ عرض کرنی چاہتا ہوں۔

آپ نے غور فرمایا ہوگا کہ اس دیار کی شاعری میں صوفیانہ اور مذہبی رنگ غالب ہے۔ مرثیے تو جذباتِ عقیدت و غم سے بھرے ہوئے ہیں ہی غزلوں اور مثنویوں میں بھی عارفانہ میلان نمایاں ہے۔ گو عام عاشقانہ اور منظری شاعری کی نمائندگی بھی ہوتی رہی ہے۔

نثر نگاری پر بھی مذہبیت طاری ہے۔ ناصحانہ، واعظانہ اور مباحثانہ نثری رسالوں کے نمونے اکثر و بیشتر ملتے ہیں۔ ہاں داستانیں اور قصے بھی لکھے گئے ہیں۔ ایک نثری داستان کا نمونہ تو میں نے پیش کیا ہے اور بعض[1] نمونے مجھے مل نہیں سکے۔

حق تو یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء تک بہار میں اُردو ادب صوفیوں اور مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں ہی رہا ہے۔

زبان و بیان کے طرز اور اسلوب اظہار کے اعتبار سے بہار کے اُردو ادب پر ہندوستانیت کا رنگ چوکھا رہا ہے۔ اُردو زبان و ادب کی روایات کے دوام

---

[1] مثلاً سید حمید الدین بہاری کی خوان الوان، جو غورنمنٹ ویلیم کالج میں بہ سرپرستی ڈاکٹر گلکرائسٹ مرتب کی گئی تھی۔ اُردو ادب میں جان گلکرائسٹ کا مقام، ہماری زبان، ۸ اکتوبر ۱۹۵۰ء علی گڑھ۔

دھارے ہیں "ہندوستانیت" اور "عرب عجمیت"۔

اُردو نظم و نثر کے طرز و اسلوب میں بھی یہ دو میلانات صاف نظر آتے ہیں کبھی "ہندوستانیت" کا غلبہ رہتا ہے اور کبھی "عرب عجمیت" کو فوقیت حاصل ہو جاتی ہے۔ بہار میں اٹھارہویں صدی عیسوی تک خصوصاً طرز و اسلوب کے لحاظ سے "ہندوستانیت" کو غلبہ حاصل رہا ہے اور بعد ازآں توازن کی صورت پیدا ہوئی۔ اس صوبہ میں "عرب عجمیت" کو کبھی کامل فوقیت حاصل نہیں ہوئی۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ بہار کی شاعری میں موضوعِ سخن، فضا اور زبان کے اعتبار سے مقامی رنگ چمک اور بہاری آہنگ گونج اُٹھتا ہے۔

دورِ اولیٰ کے کئی بہاری شعراء کے کلام میں بحر و وزن کا استعمال ناہموار طور پر ہوا ہے۔

۱۸۵۷ء تک بہار کے تذکرہ نگاروں نے اُردو شعراء کے تذکرے فارسی میں لکھے۔ ان کے معیارِ تنقید و ترتیب پر بھی کلیم الدین احمد صاحب کی وہ تنقید صادق آتی ہے جو انھوں نے تذکروں کے متعلق اپنی کتاب "اُردو تنقید پر ایک نظر" میں لکھی ہے یعنی یہ تذکرے برائے نام تنقیدی ہیں اور حالات کی پیش کش اور ترتیب کے لحاظ سے بھی ناقص ہیں۔

معذرت

مجھے اپنی تنگ دامانی اور بے بضاعتی کا افسوس ہے۔ اس کتاب میں بہتیرے شعراء اور کئی اُدباء نہیں شامل کیے جا سکے۔ جو شریکِ انجمن ہوئے بھی ہیں۔ اُن کے کلام و سخن کی پوری نمائندگی نہیں ہو سکی۔ بعض اہلِ فن کی تاریخ پیدائش یا تاریخ وفات یا دونوں باوجود کوشش کے معلوم نہ ہو سکیں۔ اس وجہ سے ترتیبِ کتاب میں نقص رہ گیا۔ اور بعض دوسری جہتوں سے بھی نقائص رہ گئے ہوں گے یہ میری خطا، یا کمزوری ہے۔ میں ان سب نقائص کے لیے اہلِ نظر حضرات سے معذرت خواہ ہوں۔

Marfat.com

نوٹ

صفحہ ۲۵ : ڈاکٹر ایس۔ سی سرکار، سابق صدر شعبۂ تاریخ، پٹنہ کالج، اپنے خطبات میں اس حقیقت کو بیان فرمایا کرتے تھے کہ "آریہ حملہ آور تین بڑی بڑی لہروں میں ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہیں"۔

صفحہ ۹۳ : اشفاق حسین اور شکیلہ اختر کے مقالے "بہار کے دیہاتی گیت" معاصر، پٹنہ فروری و مارچ ۱۹۴۴ء (جلد ۷، نمبر ۲، ۳) میں شائع ہوئے تھے۔ از صفحہ ۶۷ تا ۷۶۔

صفحہ ۱۰۱ : پروفیسر گورکھ ناتھ سنہا کے غیر مطبوعہ مقالہ تک، میری رسائی ہوئی ہے۔ موصوف نے شعبۂ تاریخ، پٹنہ یونیورسٹی کو بھی توجہ دلائی تھی کہ وہ اس امر کی تفصیلی تحقیق کرے کہ بہار کے اکثر راجپوت گھرانے ترکوں اور مغلوں کی افواج کے ساتھ اس دیار میں آئے۔

صفحہ ۳۸۱ : "مجالس چہلم" حیدر بخش حیدری مصنفہ، آرائش محفل کی تصنیف ہو سکتی ہے۔ صاحب ارباب نثر اردو نے حیدر بخش حیدری کی کتاب "گل مغفرت" کا تذکرہ کیا ہے۔ انہوں نے اس کا ایک مطبوعہ نسخہ دیکھا تھا۔ لکھتے ہیں کہ نایاب ہے۔

• اختر اورینوی

Marfat.com

Marfat.com

کتابیات

(۱) لنگوئسٹک سروے آف انڈیا۔ گریرسن

(۲) اٹدوایرین اینڈ ہندی از ڈاکٹر سونیتی کمار چٹرجی ۱۹۴۰ء ۱۹۴۲ء

(۳) بنگالی زبان کا آغاز وارتقا از ڈاکٹر سونیتی کمار چٹرجی ۱۹۲۶ء

(۴) نیشنلزم اینڈ کلچر از رودولف روکر ۱۹۴۶ء

(۵) تفسیر کبیر از حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد ۱۹۴۴-۵۷ء

(۶) ہندوستانی لسانیات، از ڈاکٹر محی الدین زور

(۷) اُردو شہ پارے، از ڈاکٹر محی الدین زور

(۸) انشاء سلیم، از پروفیسر وحیدالدین سلیم

(۹) ہندوستانی لسانیات کا بیان، از جیمز، ترجمہ سید امتیاز حسین

(۱۰) خطبات و مقالات کا بان ڈالی، ترجمہ انجمن ترقی اُردو ہند

(۱۱) پنجاب میں اُردو از پروفیسر محمود شیرانی

(۱۲) دکن میں اُردو از نصیرالدین ہاشمی

(۱۳) نحو یلیانی از علامہ سید سلیمان ندوی

(۱۴) اُردو دان نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام، از مولانا عبدالحق

(۱۵) سب رس، از ملا وجہی دکنی مع مقدمہ مولانا عبدالحق

(۱۶) قطب مشتری از ملا وجہی دکنی مع مقدمہ مولانا عبدالحق

(۱۷) آب حیات از محمد حسین آزاد

(۱۸) داستان اُردو از نواب نصیر حسین خیال

(۱۹) مقدمہ تاریخ زبان اُردو از ڈاکٹر مسعود حسین خاں

(۲۰) اُردو زبان کا ارتقا از ڈاکٹر شوکت سبزواری

(۲۱) عرب و ہند کے تعلقات، از علامہ سید سلیمان ندوی

Marfat.com

(۲۲) انٹروڈکشن ٹو پراکرت از ڈاکٹر اے۔ سی ووکنر ۱۹۳۹ء

(۲۳) پالی از ڈاکٹر لاؤ

(۲۴) جلوۂ خضر از صفیر بلگرامی

(۲۵) کاشف الحقایق معروف بہ بہارستان سخن از نواب امداد امام اثر ۱۸۹۷ء

(۲۶) بہار اور اُردو شاعری از پروفیسر معین الدین دردائی

(۲۷) تحقیقی مقالے از پروفیسر معین الدین دردائی

(۲۸) تاریخ شعرائے بہار از سید عزیز الدین بلخی

(۲۹) دیوان جوشش عظیم آبادی، مرتبہ قاضی عبدالودود

(۳۰) کلیات راسخ عظیم آبادی۔ مطبوعہ

(۳۱) راسخ از حمید الدین عظیم آبادی

(۳۲) بہار نمبر ندیم۔ گیا۔ ۱۹۳۳ء و ۱۹۳۵ء و ۱۹۴۱ء

(۳۳) رسالہ معاصر۔ پٹنہ کی پوری فائل از ۱۹۲۵ء تا ۱۹۵۶ء

(۳۴) ساتھی۔ پٹنہ کے خاص نمبر

(۳۵) صدائے عام۔ پٹنہ کے خاص نمبر

(۳۶) پٹنہ یونیورسٹی جرنل کے مختلف پرچے

(۳۷) کرنٹ اشڈیز۔ پٹنہ کالج کے مختلف پرچے

(۳۸) یادگارِ عشق عظیم آبادی مرتبہ شاہ عظیم آبادی

(۳۹) رسالہ معیار۔ پٹنہ کی فائل

(۴۰) اُردو تنقید پر ایک نظر از پروفیسر کلیم الدین احمد

(۴۱) تذکرۂ گلزار ابراہیم از خلیل عظیم آبادی

(۴۲) تذکرۂ شورش عظیم آبادی

(۴۳) تذکرۂ عشق عظیم آبادی

(۴۴) شاہ مجتبیٰ حسین صاحب بہار شریف کے کتب خانہ سے حاصل شدہ چند قدیم مطبوعہ کتابیں اور قلمی نسخے

(۴۵) چھوٹی اور بڑی خانقاہ پھلواری شریف سے حاصل شدہ قلمی مجموعے اور نسخے

(۴۶) حکیم شعیب صاحب مرحوم پھلواروی سے حاصل کیے ہوئے مخطوطات

(۴۷) خانقاہ منگل تالاب، پٹنہ سٹی کی چند قلمی مثنویاں

(۴۸) مشرقی کتب خانہ خدا بخش خاں پٹنہ کے قلمی نسخے. مثلاً کلیات راسخ عظیم آبادی (خود نوشتہ)
اور مکتوبات حضرت مظفر شمس بلخی

(۴۹) مثنوی گوہر جوہری کا قلمی نسخہ. پٹنہ یونیورسٹی لائبریری

(۵۰) پٹنہ یونیورسٹی لائبریری کے متعدد مخطوطات

(۵۱) پروفیسر سید ذکی الحق بی. این کالج سے حاصل کی ہوئی قلمی کتابیں

(۵۲) مولوی عبدالغفار صاحب صادقپوری سے حاصل شدہ قلمی اور مطبوعہ رسالے

(۵۳) الدر المنثور از مولوی عبدالرحیم صاحب صادق پوری

(۵۴) حیات سید احمد بریلوی، از جعفر تھانیسری

(۵۵) سیرت اسماعیل شہید مطبوعہ لاہور

(۵۶) تقویت الایمان از حضرت اسمعیل شہید

(۵۷) اردو گزٹ، الہ آباد، برائے ممالک مشرقی [illegible]

(۵۸) پٹنہ کلکٹری کے ریکارڈ اور تاریخ گلدستہ [illegible]

(۵۹) شاہ فخر عالم، سجادہ نشین خانقاہ خلیفہ باغ، بھاگل پور کے [illegible]
کتابیں اور قلمی نسخے

(۶۰) دفتر اوقاف [illegible] پروفیسر [illegible] سید الدین بلخی

مذکورہ بالا کتابوں [illegible] قلمی نسخوں کے علاوہ [illegible]
و مخطوطات سے مدد لی گئی ہے [illegible]
میں لکھے ہوئے مخطوطوں کا بھی مطالعہ [illegible]
اور ایک بھی رسالہ کے چند نمبروں سے بھی [illegible]
ممنون کرم ہوں۔

Marfat.com

Marfat.com

اشاریہ

آب حیات۔ 50
ابوالفضل۔ 48
آتش۔ 146
احتشام حسین۔ 12, 15, 38, 49, 50
احمد دین 13.
احمد بہاری 83
احمد، سید 83, 84
احمد جان 85
آخرت نامہ 101
آدم 13 14
اربعین فی المحدیین [illegible]
آریہ درت 23, 27, 42
اَرزاں، دَردیش 86
آزاد بلگرمی 91, 154
آزاد محمد حسین 26, 59
اسرآئیلیات 13, 18
اِسمٰعیل 84
اِسمٰعیل، شہید 306, 308
اشپرنگر 249, 253
اسحٰق، سید محمد، پیر دمڑیا 286, 290
اَسوگھوش 32, 33
اَشوک 23, 24, 32, 33, 34, 39, 73, 78
افضل، جھنجھانوی 198, 199
افسوس میر شیر علی 206
اقبال 14, 24
اکبر الٰہ بادی 145
البیرونی [illegible]
اُلفت، اُجاگر چند [illegible]
اُلفتی پیارے لال 175
اَلم دہلوی 269
الیٹ جے بی 48, 84, 253
امجری، سید محمد 121

Marfat.com

امن، میر 266
امین، امین الدین 193, 222
امیر خسرو 48, 116
انشا، انشاء اللہ خاں 146
انیس 146
آنسٹائن 14
آیو نووسکی 18

ب

باجن شیخ 48
بائبل 13
بت شکن 312, 321, 322
بدر عالم 85
بروپا سدھ 80
برہان، شیخ 83, 87
بلاک جیولس 40, 49, 55
بلیٹین اسکول آف آرٹیکل اسٹڈیز 55
بلخی، حسن 85
بلخی مظفر شمس 85, 119, 120, 281
بلخی عزیز الدین 153, 160, 168, 173
بلخی فصیح الدین 123, 139, 193
بلخی محمد تقی فردوسی 280, 282
بندہ نواز 46, 47
بودھ 32, 34, 37
بوستان خیال 151
بھنڈارکر 24
بھوبھوتی 32
بیرز، جون 12, 49

پ

پاتنجلی 32, 33
پانینی 32, 33
پالی 24, 31, 32, 34, 44
47, 50
پالی گرامٹک 73
پراکرت 23, 31, 32, 33, 34
37, 40, 44, 62, 63
68, 79, 107
200, 305
پروٹو اردو 68, 75
پریشاں، حکیم عبدالحمید 80, 307

ت

تاج فقیہہ 84, 311
تاریخ فرشتہ 91
تانتی پاسدھ 80
تبیان الشرک 312, 319
تپاں، نور الحق 171, 172
182, 199
تتم 40, 41, 106, 165
تجلیات الانوار 157
تحقیق عظیم آبادی 159, 160
تذبھاو 39, 40, 106, 109

Marfat.com

تذکرۃ الکرام 285
تذکرۂ سفینۂ خوشگو 90
تذکرۂ صادقہ 310
تذکرۂ عبرتی 90
تذکرۂ میر حسن 257 ، 358
ترقی شاہ امان علی 237
تفسیر کبیر 15
تقویۃ الایمان 313
تمنا، عمادی پھلواروی 165، 273، 276
تواریخ عجیبہ 308
تہذیب الاخلاق 328
تیسیر الصلوٰۃ 312، 318

ث

ثابت، اصالت خاں 213
ثاقب عظیم آبادی، سید حسن رضا 358 ، 259
ثروت، مفتی غلام مخدوم 204 ، 208 ، 221 ، 222

ج

جاجنیری، سید احمد 85
جانجاناں، مظہر دہلوی 91 ، 255
جذب عشق، مثنوی 233، 237
جذبات، مجلہ 386 ، 387 ، 388
جسونت رائے ناگر 218
جعفر عظیم آبادی 144
جگجوت پیر شہاب الدین 84 ، 85 ، 88
جلال الدین، حافظ ملتانی 114 ،
جلوۂ خضر 148 ، 153
154 ، 156
جمال الدین، سید 85
جواہر الاسرار 162
جوشش عظیم آبادی 199 ، 206 ، 215 ، 216
217 ، 251
جوہری، آیت اللہ پھلواروی 165
172 ، 181 ، 182
183 ، 189 ، 190
193 ، 198 ، 199
202 ، 204 ، 208
جیمز جنیز 14

چ

چٹرجی، سونیتی کمار 22 ، 24 ، 27
30 ، 38 ، 44 ، 49 ، 50 ، 58 ، 62
64 ، 65 ، 74 ، 75 ، 78 ، 99
چرم پوش، مخدوم سید احمد 85 ، 86 ، 121
چشمۂ علم 136

چمنستانِ شعراء ..... 154 , 155

ح

حالی، الطاف حسین 145

حجۃ اللہ البالغہ 306

حزیں، شیخ علی 90 , 179 , 219

حزیں میر باقر 149 , 213 , 249

255

حسرت موہانی 193 , 233

حسرت، ہیبت قلی خاں 213

حسن، سید مخدوم 85

حسن، میر 146

حسن و عشق، مثنوی 233 , 235

حسین، احمد، حکیم 234

حضور، شیخ غلام یحییٰ 211 , 212

حمید الدین بہاری 329

حمید عظیم آبادی 140 , 143

154 , 156 , 160 , 161

230 , 231

حیاتِ فریاد 144

حیدری 301 , 302

خ

خاتم سلیمانی 232

خانخاناں، عبدالرحیم 47

خزانۂ عامرہ 153

خلاصۃ الکلام 252

خلیل، نواب علی ابراہیم خاں عظیم آبادی

223 , 250 , 251 , 256 , 258

م

مخانۂ جاوید 223

خنگسوار، سید حسن 83

خوشگو، بندرابن 153 , 173

خیال، میر محمد تقی 291

خیال، نواب نصیر حسین 56

د

درد، میر 144

دردائی، معین الدین پروفیسر

119 , 120 , 144 , 155

156 , 158 , 159 , 161

163 , 173 , 214 , 259

دردمند، فقیہہ 149 , 269

دل، شیخ محمد عابد 215

دلدار، نور محمد 204 , 205

دودیدی، مہابیر پرشاد 76

دھکڑ پوش، شیخ حسین 35

دہ مجلس 298 , 299 , 301

دھرج نرائن 222

دیسی نام مالا 32

ڈ

ڈوسن 48

Marfat.com

ذ

ذکی الحق 255
ذوقی، شیخ ابراہیم 156

ر

راستی، منہاج 85
راسخ عظیم آبادی 145 , 193
230 , 231
232 , 260
رام موہن رائے، راجہ 295
رخشاں ابدالی 277 , 279
282 , 291 , 293
ردِ شرک 312
رسالۂ دعوت 312 , 315
رضا، میر محمد 220
رگ وید 28 , 29 , 33
روز روشن، تذکرہ 253
ریاض الافکار 90
ریاض السلاطین 176 , 177 , 179
ریس اینڈ کلچر 19
ریناں، فرانسیسی 24

ز

زبدۃ الخیال 291
زخاؤ، ڈاکٹر 68
زور، محی الدین قادری، ڈاکٹر
12 , 15 , 20 , 46 , 49 , 56

س

ساماوید 28
سب رس 57 , 58 , 305
سبزواری، شوکت
49 , 50 , 62 , 63 , 65
سبیل نجات، مثنوی 233
سجاد، غلام نقشبند 161 , 162
164 , 165 , 167
168 , 169 , 170
182 , 226 , 277
سراج الدولہ 176 , 312
سرکار، اس، سی، ڈاکٹر 27 , 68
سرگذشتِ الفاظ 13
سرد آزاد 153
سفید باز، یتیم اللہ 85 , 86
سفینۂ خوشگو 175 , 198
سکینہ 47
سلم و مسلم 91
سلیم عظیم آبادی 193
سلیم، وحید الدین، پروفیسر 19 , 21
سلطان ٹیپو 312
سلیمان ندوی 22 , 23 , 50
51 , 59 , 60 , 61 , 65 , 67
81 , [illegible] , 113 , 118 , 119

سبحانی، اشرف جہانگیر 113
سنسکرتیائن راہول
سودا 204 , 255 , 257
سورداس 45 , 47
سوریہ سدھانت 105 , 106
سوز، میر 146
سہیل عظیم آبادی 110
سیاناچاریہ 28
سیر المتاخرین
141 , 160 , 176 , 264
سیر الہند 284
سیرتی 89
سید احمد بریلوی 306 , 307
308 , 312 , 328
سید احمد خاں، سر 328
سیوطی، ابن 61

ش

شاد عظیم آبادی
143 , 144 , 260
شانتی دیو شاستری 28
شاہ جہاں 48
شتاب رائے، راجہ
98 , 105 , 148 , 178
179 , 222 , 265 , 266
شجرۂ باثمرہ 312 , 319
شرف الدین، شیخ یحییٰ منیری 22
72 , 83 , 84 , 90 , 114
شرف نامہ 114 , 115
147 , 119
شطاری، قاضی 83 , 87
شعراء الہند 250 , 253
شعیب، شیخ مخدوم 21
شعیب محمد قادری حکیم 157 , 171
172 , 183 , 208 , 221 , 238
شکلا، رام چندر 80
شکنتلا 32
شمس الدین، شیخ 85
شورش عظیم آبادی 183 , 199
شوق نیموی 138
شہباز 138
شیرانی، محمود، پروفیسر 49 , 50
51 , 52 , 53 , 57
65 , 91 , 93 , 97
99 , 113 , 117 , 198
شیفتہ دہلوی 219 , 269

ص

صادق، مرزا محمد اصفہانی 8
صبح صادق 89

Marfat.com

صبح گلشن 89

صحف ابراہیم 251

صراط مستقیم 320

صفیر بلگرامی 148 , 153 , 155

صلاح الدین، خدا بخش 266

ض

ضمیر الدین، خان بہادر 230 , 231

ضیاء، میر ضیاء الدین دہلوی 220 , 257

ط

طبقات الشعراء 259

طبقات ناصری 139

طپاں، شاہ نور الحق 224

225 , 232 , 242 , 276

ظ

ظہور، شاہ ظہور الحق 182

225 , 226 , 238 , 239

241 , 242 , 277

ع

عارف، کلیم 89

عاشق، کیان سنگھ، مہاراجہ 264

266 , 267

عاشقی، عظیم آبادی، حسین قلی خاں آغا 263

عالم علی، عظیم آبادی 251

عالمگیر، اورنگ زیب 94 , 96 , 99

عالی گوہر، شہزادہ 158

عبدالحق 57 , 58 , 88

عبدالحی 230

عبدالرزاق بہاری 91

عبدالعزیز 84

عبدالغفار صادق پوری 326

عبدالقادر سروری 239

عبدالمقتدر، محدث 91

عبدالودود، قاضی 144 , 145 , 147 , 181

184 , 198 , 204

213 , 214 , 215

220 , 233 , 249

273 , 275 , 276

عبرتی عظیم آبادی، وزیر علی

253 , 254

عسکری، سید حسن پروفیسر

71 82 84 100

101 102 114 117

120 123 172 173

174 180 181 183

195 198 216

239 264

عشق دہلوی، ثم عظیم آبادی شاہ رکن الدین 231 258 259

Marfat.com

عشق نامہ 245 246

عشقی عظیم آبادی، وجیہہ الدین 184 192 252 253 266

عطاء الرحمٰن کاکوی، پروفیسر 214

عظیم الشان، شہزادہ 85 140

علی شجاع الدین 293 294

علی محمد عالم 298

عماد، سید عماد الدین پھلواروی 157 158 159 162 171 182 277

عمل بالحدیث رسالہ 312 314

عنایت علی صادق پوری 301 321 322

عین الدین، گنج العلم 47

غ

غالب، اسد اللہ خاں 146

غفا، قاضی عبدالغفار 161 162 164

ف

فتو، شیخ 83 85

فدوی، مرزا محمد علی 182

فرحت، فیض اللہ معروف بہ شاہ غلام محدوم عظیم آبادی 234

فرخ سیر 140

فرد، شاہ ابوالحسن 90 234 243

فردوسی، شیخ نجیب الدین 113

فریاد، شاہ الفت حسین 90

فضائل رمضان 277

فطرت موسوی خاں 160

فغاں، اشرف علی خاں 256 257

فقہ ہندی 96 97 98 99 100

فگار عظیم آبادی، قادر علی 245 246 247

فیاض علی، مولانا 323 324

فیض عام (رسالہ) 277

فیض الفیوض 323 324

ق

قاسم، میر 178 179 180

قتال، برکت اللہ 85

قزوینی، محمد حسین 89

قسمی، میر یحییٰ 89

قطب مشتری 305

قلندر، حضرت عماد الدین 273 274

قلندر، شاہ وجیہ اللہ 276

قلی قطب شاہ 58 59

قیس، معین الدین احمد 234

Marfat.com

ک

کاڈول 30
کالی داس 32 33
کالی کنکر دت 130 131
کبیر داس 47 77 82 164
کرتی پتا کا 76
کرتی لتا 76 77
کسب النبی، رسالہ 277
کشش عشق 233
کلیم الدین، احمد 330
کمال، شاہ کمال علی 215
کمالو، بی بی 85
کیٹس 30
کینی، چڑیا کوٹی 214
کینے، اے۔ اچ 27

گ

گارساں دتاسی 49 135 136 191 231 253 259
گریرسن 24 47 49 50 55 65 75 115
گل رعنا 230
گلزار ابراہیم 193 211 230 249 251 257 262
گلشن بے خار 219 230 250 259 262
گلشن ہند 193 214 218 258 262
گلکرائسٹ، جان 329
گنج رشیدی 115
گنجینۂ حسن، مثنوی 233
گوسائین، سید فضل اللہ 85
گوہر جوہری، مثنوی 183 192 193 197
گھوش، منموہن 58
گیگر، ڈبلیو 73
گیلانی، مولانا محمد احسن 303
گیلانی، مناظر احسن 313

ل

لاؤ 44
لسانیات 17 18
لنگر دریا، احمد 85
لنگوئسٹک سروے آف انڈیا 50 115
لوہی پا 80

م

مارشل، جون، سر 22
مجمدار، بی۔ بی، ڈاکٹر 18
محب اللہ بہاری 91

مخزون، غلام جیلانی 204 208 209 210

محمد جعفر تھانیسری 308 309

محمد، سید 83 85

محمود احمد، بشیرالدین، مرزا 15

مرآۃ الجمال مثنوی 233

مسرت افزا 215 218

مسعود حسین، ڈاکٹر 34 47 48 49 50 54 56 58 59

مصحفی 146

مصرا، جے دیو 104 105

مصرا، گووانند 104

معاصر، 75 122 123 163 173 206 207 238

معدن المعانی 116

معراج الخیال 90 264 267

معراج العاشقین 46 47

مقدمہ تاریخ زبان اردو 54

مکتوب شوق، مثنوی 233

ملر، جے۔ ایچ 18

ملک یا، محمد ابراہیم 85 86

مناقب محمدی 121

منتخب التواریخ، بدایونی 99

منہمی گیا دی، شاہ عطا حسین 285

موزوں، رام نرائن لال، راجہ 1 75 176 177 178 181

مومن 264

مہابھارت 46

میرا 69

میر تقی میر 144 145 146 232 233

میر حسن 245

میکس مولر 28

ن

نازو بنا نو مثنوی 233

ناسخ 146

نالاں، میر وارث علی 206 207

نام دیو 164

نانک، بابا 164 311

نجیب اشرف ندوی 89 156

ندیم، ابن 68

ندیم، رسالہ 115 131 140 143 173 279

نثار احمد عبدالغفور خاں 155

نشتر عشق 253

نصیر دہلوی 146

نظام الدین اولیاء 113

Marfat.com

نظیر اکبر آبادی 145
نعمت علی عظیم آبادی 295
نوشش، رسالہ 50 51 52
نوشش سلیمانی 48 50 59
نوائے وقت بمبئی 58
نور الانظار، مثنوی 233
نوشتہ توحید 86
نیالوی، بہاء الدین احمد فیض 173
نیرنگ محبت، مثنوی 233

و

وجہی، ملا 57 59 305
وِدیاپتی 76 82
وضع اصطلاحات 13
وِکرم آروسی 32
ولایت علی 304 307 308 309
311 314 315 319
324
ولی اللہ، شاہ 306
ولی دکنی 141
ولیہ، حضرت بی بی 172 173
ہوالنر 44 79
ہرٹز، فریڈرس 19
ہردے نارائن، پنڈت 37
ہرش وردھن 37
ہری اودھ 80
ہندوستانی لسانیات 2 15 50
ہندوستانی لسانیات کا خاکہ 12
ہندی ساہتیہ کا اتہاس 76
ہیم چندر 32 33 62
63
ہیون سیانگ 70 75

ی

یادگار عشق 258
یاس، انور علی آروی 231 234
یجروید 28
یحییٰ منیری، حضرت 72
84 86 91
یداللہ 119
یدبیضا 153
یزدی، محمد معزالدین 89
یوسف زلیخا 245

Marfat.com

سے نقل کیے گئے ہیں ؎

زُلفوں میں جب میں تیری گرفتار ہوگیا　　آزادگی کے نام سے بیزار ہوگیا

نالاں اسیر زُلف کو آزادگی کہاں　　اس پیچ میں پڑا سو گرفتار رہا

آغاز محبت میں اگر جان نہ دیتے　　یہ کام کسی طرح سے انجام نہ ہوتا

پوجا کرے ہے جو کوئی دل کے کنشت کا　　اے شیخ معتقد نہیں وہ رنگ و خشت کا

یک بہ یک شام کو وہ یار جو گھر سے نکلا　　لوگ حیراں ہوئے یہ چاند کدھر سے نکلا

قتل کو تیرا ہی مجاز نہیں　　ورنہ میں کب کہا کہ آج نہیں

اے چشم رازِ عشق کو افشا نہ کیجیو　　ناحق کسی غریب کو رُسوا نہ کیجیو

چین سے بیٹھنے کہیں نہ دیا　　مجھ کو میری ہی بدگمانی نے

آنکھیں پُرآب، خاک بسر، جیب چاک ہے　　نالاں یہ کیا ہوا، تری صورت بدل گئی

کل سے کچھ ہو رہے ہو برہم سے　　ایسی تقصیر کیا ہوئی ہم سے

کس روز میری خاک پہ تو نے گذر کیا　　آلودہ کب ہوا ترا دامن غبار سے

[illegible]

Marfat.com